خنک تھے جو کھلتے اور بند ہوتے وقت تیز آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ ماحول میں گنگناتی ہوئی یکساں مشینی گونج میں وہ آوازیں کہیں سن لی گئی تھیں۔

چوکیدار سے مذاکرات کے دوران میں اس کی آواز سن چکا تھا۔ میں نے اس کی نقل اتارتے ہوئے عجلت آمیز انداز میں کہا ''پھاٹک تو نہیں کھلا تھا۔ سامنے کچرا گھر پر ایک ٹرک آیا تھا۔ اس کا ڈھکن کھلنے کی آوازیں آئی ہوں گی۔''

انٹرکام پر ایک غلیظ گالی سنائی دی اور پھر وہ بے جان ہو گیا مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میری صداکاری کامیاب رہی تھی یا میرا مخاطب شبہے میں پڑ گیا تھا۔

میں نے کیبن سے نکلتے ہی تیزی سے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ روپوشی کا وہ اشارہ پاتے ہی اول خان اور سلطان شاہ نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں لوٹ کر کیبن میں دبک گیا۔

اندر گھسنے سے پہلے کچھ دیر تک رک کر یہ اندازہ لگانا ضروری ہو گیا تھا کہ انٹرکام پر ہونے والی مختصر سی گفتگو کا کیا نتیجہ رہا تھا۔

گیٹ سے ملحق کیبن میں بیٹھ کر مجھے گرد و پیش کا جائزہ لینے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ سامنے چند پختہ کمروں پر مشتمل دفاتر کے پہلو میں ٹرکوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لیے خاصی جگہ چھوڑ کر کولڈ اسٹوریج کی مخصوص دو منزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔ مشینوں کی ہموار گھوں گھوں کی آوازیں اسی سمت سے آ رہی تھیں۔

دفتری عمارت کے کمروں کی کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں لیکن راہ داری روشن تھی۔ میں نے اپنی توجہ اس روشن راہ داری پر مرکوز کر دی۔

ایک مرتبہ پھر انتظار کے صبر آزما لمحات شروع ہو گئے۔ بمشکل ڈیڑھ دو منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ راہ داری یکا یک تاریکی میں ڈوب گئی۔

''گلو!'' اس تاریکی میں سے ایک قہر بار آواز گونجی ''یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟'' وہ وہی آواز تھی جو میں سن چکا تھا۔

وہ آواز معدوم ہوتے ہی کسی نے گولی چلا دی۔ فضا میں تیرتے ہوئے شعلے کی سمت بتا رہی تھی کہ وہ فائر ہماری طرف سے کیا گیا تھا۔ اول خان نے مقابلے میں پہل کرنے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ دشمن کی آواز پر پہلی گولی اسی نے چلائی تھی۔

وہ فائر رائیگاں گیا لیکن اس کی گونج ختم ہونے سے پہلے مزید تین رائفلیں چلیں۔ اس بار تاریک راہ داری کی طرف سے ایک ہلکی سی کراہ سنائی دی۔

میرے پاس پستول موجود تھا جو دو بدو مقابلے کے لیے بہت کارآمد تھا لیکن دور کی لڑائی میں اس کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

لمحہ بھر بعد عمارت کی طرف سے گولیوں کی ایک زبردست باڑھ آئی۔ اسی دوران میں اس طرف سے مزید دو خودکار رائفلیں حرکت میں آ گئیں۔ اندر والوں نے نامعلوم حملہ آوروں کے خوف سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

اول خان اور اس کے آدمیوں نے اس وقت تک ایک ایک فائر کیا تھا۔ اندر والے اندھا دھند اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک نہیں جھے رہ سکیں گے۔ میگزین خالی ہونے پر ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے تو انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔

وہ تاریک راہ داری میں سے فائرنگ کر رہے تھے اس لیے ان کی شعلے اگلنے والی نالوں کی پوزیشن بہت واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بے چین تھا۔ اگر میرے پاس لمبی رینج کا کوئی ہتھیار ہوتا تو میں تاک کر ان میں سے ایک آدھ کو اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔

اچانک باہر سے پانچواں فائر ہوا۔ اس بار فضا ایک بے ساختہ انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ کسی نے میری سوچ کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

چیخ کے ساتھ کسی وزنی وجود کے پختہ فرش پر گرنے کی ہلکی سی دھمک میرے کانوں میں آئی۔

راہ داری کی طرف سے تین کی جگہ صرف دو رائفلیں چل رہی تھیں جب کہ اول خان اور اس کے آدمیوں نے اپنے کسی حریف کی چیخ سننے کے بعد کئی فائر کیے اور دفاتر کے کھڑکیوں کے شیشے پرشور چھناکوں کے ساتھ چکنا چور ہو گئے۔

پھر بہت تیزی کے ساتھ وہ لمحہ آ گیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ دو میں سے ایک رائفل کے خالی کھٹکے کی آواز آئی۔ وہ ٹھک کر کے رہ گئی۔ میگزین خالی ہونے کے بعد اس طرف صرف ایک رائفل بردار رہ گیا۔

ایک رائفل کا میگزین ختم ہو جانے کے بعد تیسرے کو اپنا انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے فائرنگ کا سلسلہ ختم کر دیا اور تاریک راہ داری کے پختہ فرش پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے اپنے کانوں پر ذرا سا زور دیا۔ بھاگنے والے دو تھے۔ تیسرا زخمی ہو گیا تھا۔ محاذ خالی ہونے کا اندازہ ہوتے ہی

Downloaded From https://paksociety.com

میں نے اپنی جگہ سے دوڑ لگادی۔ مجھے امید تھی کہ فیکٹری کے گیٹ لیمپس کی روشنی میں میرے ساتھی سمت کی بنا پر آسانی سے مجھے پہچان لیں گے اور میں کسی دوستانہ گولی کی زد میں نہیں آؤں گا۔

میں نے رک کر اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست کے پائیدان سے لمبے میگزین والی ایک خود کار رائفل نکال کر پستول کو جیب میں اڑسا اور دوبارہ راہ داری کی طرف دوڑ پڑا۔ میں جتنی دیر گاڑی کے قریب رہا اتنی دیر میں اول خان اور سلطان شاہ بھی میری طرف آچکے تھے۔ ان دونوں نے میری رفتار سے میرے ارادے کا اندازہ لگالیا تھا۔

میں اندھا دھند دوڑتا ہوا راہ داری میں گھستا تو بے خبری میں زخمی شکار سے الجھ کر بہت بری طرح منہ کے بل گرتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس کی ہلکی سی کراہ نے عین وقت پر ہم تینوں کو ہوشیار کردیا اور ہم یک لخت اس کے قریب رک گئے۔

اول خان نے اپنی جیبی ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی تو اس کا چہرہ زخم کے کسی بھی نشان سے عاری تھا۔ اس کا داہنا بازو بری طرح زخمی تھا۔ رائفل دیوار کی جڑ میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ اندھیرے میں سنبھل کر اپنے قدموں پر اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔

''تم اسے سنبھالو ہم اندر جارہے ہیں۔'' میں نے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تیز لہجے میں سرگوشی کی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

اس وقت تک آگے دوڑنے والوں کے قدموں کی آوازیں معدوم ہوچکی تھیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کہیں اور نکل گئے تھے یا راستے میں کہیں چھپ گئے تھے۔

میں رک گیا۔ اول خان میرے ساتھ تھا۔ اس وقت میں کسی بھڑ کے ہوئے درندے کی طرح اپنے سارے حواسوں سے کام لے رہا تھا لیکن آگے پھیلی ہوئی تاریکی میں مجھے کوئی تاریک تر ہیولا نظر آرہا تھا نہ کسی کے سانس لینے کی کوئی موہوم سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''مین سوئچ یہیں کہیں ہونا چاہئے۔ اسے آن کرو!'' میں نے اول خان کی طرف جھک کر سرگوشی کی مگر مجھے اپنی آواز اس سناٹے میں بہت بلند محسوس ہوئی۔

اول خان نے ٹارچ روشن کئے بغیر سوئچ بورڈ تلاش کرلیا۔ کھٹکے کے ساتھ ہر طرف روشنی پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ پیچھے سے راہ داری کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے دروازے بند تھے۔

''وہ گھیر لیے گئے ہیں!'' اچانک اول خان نے ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

پھر میں نے بھی جسمانی تصادم کی وہ آوازیں سن لیں جو ہوا کے دوش پر پچھلے حصے سے آرہی تھیں۔ میں غیر ارادی طور پر ادھر دوڑ پڑا۔

اس کارخانے کا عقبی میدان بہت متعفن اور سیلن زدہ تھا۔ وہاں ناکافی روشنی میں پانچ افراد دست بدست لڑائی میں مصروف تھے۔ اس حصے میں ان پانچوں کے سوا اور تک کوئی اور متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے دو آدمی گلی سڑی ہوئی مچھلیوں کے ڈھیر پر گرے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایس ٹی ایف کے جوانوں نے بڑھ کر انہیں اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ ان دونوں نے عجیب وغریب اور اذیت ناک آوازوں کے ساتھ اپنا دفاع کرنے اور حریفوں کو گرانے کی کوششیں کیں لیکن مسلسل زخم کھانے کے بعد ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔

بھاگنے والوں کا وہ انجام میرے لیے اطمینان بخش تھا۔ قریب پہنچ جانے کے باوجود میں نے اس لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ایک کے داہنے جبڑے پر کان سے دہانے تک پھیلا ہوا پرانے زخم کا نشان یہ ثابت کررہا تھا کہ ہماری بھاگ دوڑ بے ثمر نہیں رہی تھی۔ آخر کار ہم اپنے مطلوب آدمی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جو جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کارگر ثابت ہوسکتا تھا۔

رشید کو پہچانتے ہی میرا دوران خون یکا یک تیز ہوگیا اور سلمٰی کی غم زدہ صورت میری نظروں میں گھومنے لگی۔ رشید نے بہت چالاکی اور سفاکی سے کام لیتے ہوئے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کیا تھا۔ میں اس کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والی نفرت کی لہر پر قابو نہ پاسکا اور اپنی رائفل کو لاٹھی کی طرح استعمال کرتے ہوئے اس کے آہنی کندے کو رشید کے شانے پر دے مارا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ بلبلا کر زمین پر دہرا ہوگیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اس چوٹ سے خوف زدہ ہوجائے گا لیکن اس کے خون آلود اور زخمی چہرے پر عزم واستقامت کی عجیب سی جھلک رقصاں تھی۔ ایس ٹی ایف والوں کے بے رحمانہ مار بھی اس کی قوتِ ارادی کو متاثر نہیں کرسکتی تھی۔

اس کارخانے کے چوکیدار نے رشید کے نام سے کسی کو پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔ وہ وہاں کسی اور نام سے رہ رہا تھا۔ میں نے اپنے جوتے کی نوک سے اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے اس کا نام پوچھا تو وہ چند ثانیوں کے لیے مجھے گھورتا رہا

Downloaded from https://paksociety.com

پھر ہکلاتے ہوئے اس نے اپنا نام صفدر بتایا۔

''میں وہ نام پوچھ رہا ہوں جو تیرے باپ نے رکھا تھا۔'' میں نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر مار کر درشت لہجے میں کہا۔

وہ ضرب رشید ایک گھٹی گھٹی غراہٹ کے ساتھ سہہ گیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ کمزور آواز میں بولا ''تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''اوہ!'' اس کے حلق سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی ''میں نے اسے اٹھایا ضرور تھا مگر بے ہوش کر کے اولڈ کانفٹن کی پارکنگ میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد اسے کون اور کہاں لے گیا' یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''تم جھوٹے ہو۔ اسے یہیں رکھا گیا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔

''نہیں صاحب..... یہاں کوئی قیدی نہیں ہے میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا'' اس بار رشید کا زخمی ساتھی بول پڑا تھا۔

''تم پورا کارخانہ دیکھ لو وہ یہاں نہیں ہے۔'' رشید نے کراہ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

رشید بہت سخت جان تھا۔ وہاں رک کر اس پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے اول خان کے تینوں آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ زخمیوں کو پھاٹک کی طرف لے آئیں۔

''اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے نیچی آواز میں سوال کیا۔

''اب تک صرف چار آدمی ہمارے مقابلے پر آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہی اصل گرگے ہیں۔ یہاں موجود دوسرے لوگوں کا مجرمانہ سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا ''ان دونوں کے بیان کے باوجود پوری فیکٹری کی تلاشی لینی ضروری ہے یہاں سے جانے سے پہلے میں یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ جہانگیر یہاں نہیں ہے۔''

اول خان نے اسی وقت اپر ٹیس پر اپنے عملے کے اراکین کو ہدایت کی کہ وہ سب تیزی سے پھاٹک کے قریب جمع ہو جائیں۔

ہم راہ داری پار کر کے دوسری طرف نکلے تو سلطان شاہ گولی سے زخمی ہونے والے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اطمینان سے ٹہل رہا تھا۔

رشید اور اس کے ساتھی کے وہاں لائے جانے تک ایس ٹی ایف کا پورا عملہ پھاٹک کے قریب جمع ہو چکا تھا۔ اتنی بھاری نفری کو دیکھ کر وہ تینوں پریشان نظر آنے لگے۔ چوکیدار اپنی بے ہوشی کے سبب ہر فکر سے آزاد ہو چکا تھا۔

''اس کا نام صفدر نہیں رشید ہے۔'' میں نے دونوں خائف قیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا ''اس نے شہر کے ایک اہم آدمی کو اغوا کیا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ سچ اگل دو۔ ابھی ہم چپے چپے کی تلاشی لیں گے۔ اگر مغوی یہاں سے برآمد ہوا تو یہیں تمہاری کھالیں جسموں سے اتار لی جائیں گی۔''

رشید کے مقابلے میں وہ دونوں کمزور اور بودے تھے۔ میری دھمکی پر وہ بری طرح رونے اور گڑگڑانے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی کے اغوا میں شامل نہیں رہے اور نہ فیکٹری میں کسی قیدی کو رکھا گیا ہے۔

رشید ایک طرف کھڑا خاموشی سے ان کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

''فی الحال ان تینوں کو بے ہوش کر دو۔'' میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی ''تاکہ ہم بے فکری سے پورے کارخانے کی تلاشی لے سکیں۔''

وہ دونوں میرے قدموں میں گرنے کے لیے روتے ہوئے آگے بڑھے تھے کہ سلطان شاہ نے ان میں سے ایک کو درمیان میں ہی چھاپ لیا۔ اس نے اپنے شکار کی بائیں کنپٹی پر اتنا زوردار گھونسا رسید کیا کہ وہ اپنی ہی جھونک میں زمین پر گر کے بے سدھ ہو گیا۔

دوسرے کو میں نے ٹھوکر ماری۔ وہ چیخ مار کر سیدھا ہوا اور سلطان شاہ نے اس کی گردن دبوچ کر چند ثانیوں میں اسے بھی زمین بوس کر دیا۔

''میرے قریب نہ آنا میں..... مم.....'' رشید نے لنگڑا کر پیچھے سرکتے ہوئے سلطان شاہ کو کوئی دھمکی دینے کی کوشش کی۔ وہ یہ بھول گیا کہ اول خان اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس نے بہت سرعت اور خاموشی سے اپنی رائفل کا آہنی کندہ رشید کی دہنی کنپٹی پر بجا دیا۔ وہ اپنی دھمکی مکمل کرنے سے پہلے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

''خس کم جہاں پاک!'' سلطان شاہ اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بڑبڑایا۔

وہ اس کا اضطراری ردعمل تھا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔

اول خان نے پوری فیکٹری کی تلاشی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو بریف کیا اور وہ سرعت سے مختلف سمتوں میں پھیل کر غائب ہو گئے۔

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ کو بے ہوش قیدیوں کی نگرانی پر چھوڑ کر ہم دونوں عمارت میں گھس گئے۔ ہم نے چھت سے لے کر تمام دفتری کمروں کو چھان مارا لیکن وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا پھر ہم دونوں نے برف خانے کا رخ کیا جہاں کی یخ بستہ فضا میں سانس سینے میں جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہاں اونگھنے والے اکا دکا ملازمین نے خوف زدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

سرد خانے میں زیادہ رکنا محال تھا لیکن سرسری نظر میں یہ پتا چل گیا کہ وہاں مختلف حالتوں میں مچھلیوں کے انبار اور چھوٹے بڑے پیکٹ چنے ہوئے تھے۔ وہاں کسی ذی روح کا زیادہ دیر تک زندہ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔

اول خان کے آدمی بھی ایک ایک کر کے بے نیل و مرام لوٹ آئے۔ اس پوری مہم کا ثمر رشید کی صورت میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سخت جان اور ڈھیٹ شخص پر کچھ محنت کر کے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔

''ان چاروں خبیثوں کا کیا کرنا ہے؟'' اپنی نفری گن لینے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

''تینوں رشید کے ساتھی ہیں لیکن ہمارے لیے بے کار ہیں۔ انہیں یوں ہی کھلے آسمان کے نیچے پڑا رہنے دو۔ رشید کو اسٹیشن فورٹ ہی اٹھا لانی ہوگی۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

اول خان نے رشید کو لے جانے کی ذمے داری اپنے آدمیوں کو سونپی اور ہم دونوں کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ رشید کے بھاری وجود کو پچھلی سیٹ پر ڈالنے کی صورت میں سلطان شاہ بے آرام ہو جائے گا۔

''رشید کی کہانی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے سفر کرنے کے بعد سلطان شاہ نے کسی کو خاص طور سے مخاطب کیے بغیر سوال کیا۔

''وہ بدمعاش اور جھوٹا ہے۔'' اول خان بھرا بیٹھا تھا ''اس کی کہانی پر اعتبار ہوتا تو پھر اسے اسٹیشن فورٹ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی کمر سے بھاری بوجھ باندھ کر اسے اونچائی سے فرش پر اچانک کھڑا کیا جائے گا تو ذرا سی دیر میں اسے نانی یاد آ جائے گی۔''

''کیا ہوگا۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ!'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بغلوں میں بیلٹ ڈال کر اسے اٹھایا جائے گا اور بلندی سے بوجھ سمیت اچانک فرش پر پھینک دیا جائے گا۔ یہ تازہ اور محفوظ ترکیب ہے جو ایک امریکی سرجن کے مشورے پر خطرناک غیر ملکی قیدیوں پر کامیابی سے آزمائی گئی ہے۔''

''اگر یہ کسی سرجن کا مشورہ ہے تو ان جھٹکوں کے بہت برے اثرات ہو سکتے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ہرنیا کی بدترین تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔''

''وہی ہوتی ہے۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں میری تائید کی ''رشید تھرڈ ڈگری کی اس ترکیب کا پہلا شکار ہوگا۔''

''تجربہ کامیاب رہا تو میں اس بارے میں جلال کو ضرور بتاؤں گا۔ وہ مجرموں سے باز پرس کے معاملے میں قانونی حدود کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔'' میں نے کہا ''ہرنیا ایک قدرتی بیماری ہے۔ کوئی بھی بے رحمانہ تشدد ثابت نہیں کر سکے گا۔''

''بارہ بجے اس کے اسٹاف نے بھی کام شروع کیا ہوگا۔ پتا نہیں ان کے کیا نتائج رہتے ہیں۔'' اول خان نے یاد دلایا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا بارہ بجے تھے۔ جلال سے ایک بجے کے لگ بھگ ہی کوئی جامع رپورٹ مل سکتی تھی۔

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ تینوں اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ قاسم فشریز سے جہانگیر کے برآمد نہ ہونے سے ہمیں گہری مایوسی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ ہم کچھ دیر کے لیے گھر پر رک جائیں لیکن تسلی کا خیال آتے ہی میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بے چاری رشید کی تلاش سے بہت آس لگائے بیٹھی تھی۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوتا کہ رشید کے ہاتھ آ جانے کے باوجود جہانگیر کی بازیابی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی تھی۔

ہم دونوں نے وقت پر رات کا کھانا کھا لیا تھا لیکن اول خان اپنی مصروفیات کی بنا پر بھوکا رہ گیا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہونے کے بعد بھوک اسے ستا رہی تھی۔ میرے ایما پر اس نے گاڑی عثمانیہ ریستوران کے قریب روک لی۔

اندر کی خنک فضا میں مختلف کھانوں کی ملی جلی، اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ ہم نے کچھ اضافی آرڈر دے دیا۔ کھانے کا آغاز لذت انگیز تھا۔ ہم تینوں کے ہاتھ اس وقت رکے جب میز پر کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور اول خان کی کمزوری تھا۔ ہم شکم سیر ہو کر ریستوران سے باہر نکلے تو فضا کچھ خنک ہو چکی تھی۔

اسٹیشن فورٹ کی چیک پوسٹ پر پتا چلا کہ اول خان کے آدمی قیدی سمیت واپس آ چکے تھے۔ ہوٹل پر رکنے کی وجہ سے ہمیں وہاں پہنچنے میں خاصی تاخیر ہو گئی تھی۔

اول خان نے دفتر میں پہنچتے ہی انٹرکام پر اپنے کسی ماتحت سے بات کی اور بتایا کہ رشید کو راستے میں ہی ہوش آ گیا تھا۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

کے آدمیوں نے اپنے ٹھکانے پر واپس آتے ہی رشید پر تشدد کا نیا حربہ آزمانے کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ لے کر تیزی سے اس بیرک کی طرف چل دیا جہاں قیدی سے بازپرس ہوتی تھی۔

رشید کے بدن پر ایک بنیان اور انڈرویئر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ قاسم فشریز میں اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تھی۔ اس تواضع کے نشانات اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں پر نمایاں تھے۔ اندرونی ضربات کے ساتھ اس کے جسم پر متعدد کھلے ہوئے زخم بھی تھے جن سے بہنے والا خون جم کر سیاہی مائل رنگت اختیار کرچکا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ دونوں بغلوں کے درمیان سے نواڑ کا پٹا گزار کر ایک رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس رسی کا دوسرا سرا ایک سقف گیر چرخی پر سے ہوکر فرش تک آیا ہوا تھا۔

کمرے میں رشید کے علاوہ مزید دو آدمی تھے۔ اول خان کے وہاں پہنچتے ہی ان میں سے ایک نے فرش پر پڑی ہوئی چرمی بیلٹ اٹھائی اور ذرا سی دیر میں ویٹ لفٹنگ میں استعمال ہونے والی دو وزنی آہنی پلیٹیں اس بیلٹ کی مدد سے رشید کی کمر سے باندھ دی گئیں۔ رشید ان حرکتوں سے بہت ہراساں نظر آرہا تھا لیکن اس وقت وہ بالکل مجبور اور بے بس تھا۔ احتجاج اور اچھل کود کے باوجود وہ خود کو اس بوجھ سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

مجھے اول خان نے تشدد کے اس حربے کے بارے میں راستے میں بریف کردیا تھا لیکن رشید کے چہرے پر پائے جانے والے الجھن کے آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

وہ ان دونوں کو برا بھلا کہتا رہا لیکن کسی نے اس کی پروا نہیں کی۔ ایک بڑی کارروائی کی تیاری ہوجانے کے بعد انہوں نے اسے ہاتھ لگانے کی زحمت بھی نہیں کی۔

''شیدے!'' اس تیاری کی تکمیل کا اندازہ ہوجانے کے بعد میں نے آگے بڑھ کر اسے مخاطب کیا۔ ''اگر تو نے اب بھی جہانگیر کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو تو زندگی بھر پچھتائے گا۔''

''مجھے جو معلوم تھا وہ میں نے بتادیا۔'' وہ جھلّائی ہوئی آواز میں بولا ''پتا نہیں، تم کون ہو اور مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو۔''

وہ اپنے انجام سے ہراساں اور خوف زدہ ضرور تھا لیکن اس کے کس بل ختم نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے، اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کیا۔

اسے اپنے آدمیوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ چرخی پر سے آتی ہوئی رسی کا سرا آہستہ آہستہ کھینچنے لگے۔ رشید کے پیر فرش سے اٹھے تو وہ بری طرح بلبلایا۔ اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ وہ فضا میں معلق کسی قد آدم پتلے کی طرح ٹانگیں چلا رہا تھا۔ پیٹ اور کمر سے لٹکی ہوئی گول آہنی پلیٹوں نے اس کی ٹانگوں کی بے ساختہ حرکات کو بڑی حد تک محدود کیا ہوا تھا۔

ڈھلوان چھت کے ایک شہتیر سے بندھی ہوئی چرخی کے سہارے اس کا وجود فرش سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔

ان دونوں کو بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ انہیں اپنے شکار سے کیا سلوک کرنا ہے۔ وہ رشید کے بدن کو چھ سات فٹ کی بلندی تک اٹھاتے چلے گئے۔ پھر انہوں نے اچانک رسی چھوڑ دی۔

رشید شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے اضافی بوجھ کے ساتھ لٹکا کر اذیت سے دوچار کیا جائے گا۔ رسی کا سرا چھوٹتے ہی اس کا بھاری وجود کشش ثقل کے تحت تیزی سے نیچے آیا تو بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی۔

فاصلہ کم تھا اور وجود ضرورت سے زیادہ وزنی ہوچکا تھا۔ ایک تیز دھمک کے ساتھ رشید کے قدم فرش سے ٹکرائے۔ اس بار وہ ایسی وحشت ناک آواز میں چیخا جیسے اسے ذبح کردیا گیا ہو۔ اس نے غیر ارادی طور پر سارا جھٹکا اپنے قدموں پر لیا تھا لیکن اس جھٹکے کے نتیجے میں رونما ہونے والی اندرونی تبدیلیوں نے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے قدموں پر نہیں کھڑا رہنے دیا۔ وہ فرش پر گر کر بری طرح تڑپنے اور چلّانے لگا۔

''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

''مجھے نہیں معلوم!'' وہ حلق کے بل چیخا ''تم درندے ہو۔ تم نے مجھے تباہ کردیا۔ میں درد سے مر رہا ہوں..... ظالمو! میرے ہاتھ کھول دو۔''

''تمہیں بار بار اسی طرح لٹکایا اور گرایا جائے گا۔'' اس بار اول خان نے درشت لہجے میں کہا ''حتیٰ کہ لوہے کی پلیٹیں تمہاری رانوں کی ہڈیاں اور ریڑھ کی ہڈی توڑ دیں گی اور تم اپنے قدموں پر اپنا بوجھ بھی سہارنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری اس وقت کی تکلیف تمہارے انجام کے مقابلے میں بہت حقیر ہے۔ اب بھی بتادو کہ وہ کہاں ہے۔''

اس کی آنکھوں سے خوف کے ساتھ بے پایاں نفرت کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ چیخا ''میں نہیں جانتا..... مجھے نہیں معلوم!''

اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کمرے

Downloaded from https://paksociety.com

میں شیدے کی چیخ و پکار جاری تھی۔ میں تیزی کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا۔

''ہمارے لیے یہ کامیابیوں کی رات ثابت ہوئی ہے۔'' دوسری طرف سے جلال خوش دلانہ لہجے میں بتا رہا تھا ''الفا مارا گیا۔ ہلکا پھلکا مقابلہ ہونے کے بعد تینوں دفاتر کے مالکان ہاتھ آ گئے۔ ان کا سارا ریکارڈ بھی ہمارے قبضے میں ہے۔''

''کیا قاسم فشریز کا مالک بھی تمہاری تحویل میں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں! وہ اپنی ایک داشتہ کے فلیٹ سے ہاتھ آیا ہے۔ وہ تینوں مسلسل میرے اسٹاف کے آبزرویشن میں تھے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد ان تک پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ سناؤ کہ قاسم فشریز کا کیا بنا، جہانگیر کہاں ہے؟''

اس کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ اپنی کامیابیوں کے خمار میں ڈوب کر وہ میرے مسئلے کو نہیں بھولا تھا۔

''قاسم فشریز سے شیدا ہاتھ آ گیا ہے لیکن وہ بہت ڈھیٹ ثابت ہوا ہے۔ جہانگیر کے بارے میں کوئی کارآمد بات بتانے پر آمادہ نہیں ہے۔'' موبائل فون پر اس سے بات کرتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اول خان کے دفتر کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا اور وہ خود بھی شیدے کو اپنے دونوں ماتحتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میرے ساتھ آ گیا تھا۔

''شاید اس پر اپنے آقا کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔'' جلال نے اپنا قیاس ظاہر کیا ''وہ روپوش مجرم ہے۔ ڈر رہا ہوگا کہ اس نے اپنی زبان کھولی تو اس کا مالک اسے جہنم واصل کر دے گا۔''

''کیا تمہارا اشارہ سوبھراج کی طرف ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری معلومات کے مطابق ان تینوں کاروباری اداروں میں ساری سرمایہ کاری اسی کی ہے۔ سامنے کوئی بھی ہو، پس پردہ ڈوریاں سوبھراج کے ہاتھ میں ہوں گی۔''

''کیا ان تینوں نے اس کے بارے کوئی بات اگلی ہے؟''

''ابھی میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تینوں کو صدف مینشن پہنچایا جا رہا ہے۔ میں نے رپورٹیں ملتے ہی تم سے رابطہ کیا ہے۔ میں اس وقت ملٹری انٹیلی جنس والوں کے دفتر میں ہوں۔ یہاں سے نمٹوں گا تو ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔ شیدے کو تم نے کہاں رکھا ہے۔''

''صدف مینشن کے علاوہ اسٹیشن نور ہی رہ جاتا ہے۔'' وہ جواب دیتے ہوئے یکا یک میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اور میں نے قدرے پرجوش لہجے میں کہا ''کیا یہ ممکن ہے کہ تم فشریز کے مالک کو صدف مینشن کے بجائے یہاں بھجوا دو؟''

''تم کہو تو میں اسے جہنم میں بھی بھجوا سکتا ہوں۔'' ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ''الفا کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد تم اس وقت ہر بڑے آدمی کے منظورِ نظر بن چکے ہو۔ ضرورت پیش آئی تو وہ تمہاری ہر بات مان لیں گے۔''

''الفا کو تمہارے کسی آدمی نے مارا ہے۔ اس میں میرا کوئی حصہ نہیں تھا!'' میں نے قدرے حیرت سے کہا۔ اس وقت رشید کا معاملہ یکا یک پسِ پشت چلا گیا تھا۔

''میں دوسروں کا کریڈٹ اپنے سر منڈھنے کا قائل نہیں ہوں۔ الفا کے معاملے میں ہم سب کی تیز ترین کامیابی پر سب حیران ہیں اور میں نے انہیں اس کا جواز پیش کر دیا ہے۔ اسے بے شک میرے آدمی نے مارا لیکن وہ تمہارا پلان تھا۔ اگر تمہیں ٹام سے ملاقات کی راہ نہ سوجھتی تو الفا جیسے بزدل چوہے کو اس کے محفوظ بل سے باہر نکالنا مشکل تھا۔''

''اگر تم میرا نام جھنڈے پر چڑھانا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فشریز والے کو کب بھیج رہے ہو۔'' میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''وہ سیٹھ قاسم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ جب تک اس کی گرفتاری کا معاملہ ریکارڈ پر نہیں آتا، میں اس کے بارے میں اپنے طور پر فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ہو سکا تو میں کسی ایک پارٹی کو راستے سے ہی تمہاری طرف بھیج دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جہانگیر کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جائے۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا ''اس وقت سوبھراج خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ کسی کے سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نے قاسم کے ذریعے شیدے کو استعمال کیا ہوگا۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔'' اس نے میری تائید کی ''ہو سکتا ہے کہ شیدا اسی کے زعم میں اپنا دم خم دکھا رہا ہو۔ اسے بے دست و پا دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دے جائے گا۔ میں ابھی قاسم کو تمہاری طرف بھجوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''یہ پورا کیس تمہارا ہے۔ میں قاسم کو ادھار مانگ رہا ہوں۔ کام پورا ہونے کے بعد اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔''

''اب اس کی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ سوبھراج جیسے غدار کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ ہر بے رحمانہ

Downloaded from https://paksociety.com

سلوک روا ہوگا۔ فی الحال میں اسے بھول جاؤں گا۔ ادھار میں لیا ہوا مجرم پوچھ گچھ میں خرچ نہ ہوا تو اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''

اس کی یقین دہانی پر بات ختم ہوگئی۔ اس گفتگو کے دوران میں ہم اول خان کے دفتر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

''شیدے کو ہم درمیان میں چھوڑ آئے ہیں!'' اول خان نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

''اسے کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ۔ جلال کے آدمی کچھ دیر میں قاسم کو لے کر آئیں گے تو دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لیا جائے گا۔ اس وقت تک ہم تمہارے دفتر میں بیٹھتے ہیں۔'' میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان شاہ وہیں رہ گیا ہے۔ اسے بھی بلا لیا جائے!''

''فضا میں رہ رہ کر شیدے کی چیخیں ابھر رہی ہیں۔ درد کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، آدمی یوں بے ساختہ نہیں چیختا۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس پر کام کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے بھی بلوالو۔ کچھ دیر کے سکون کے بعد شیدا اپنے باس کو اچانک اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کا ردِعمل زیادہ فطری ہوگا۔ اس جھٹکے کے لیے وقفہ دینا ضروری ہے۔''

دفتر میں پہنچ کر اول خان نے انٹر کام پر کسی سے بات کی اور سلطان شاہ کو اپنے دفتر میں بلوانے کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی کہ قیدی کو عارضی طور پر تنہا چھوڑ دیا جائے۔

''سیٹھ قاسم کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اپنی میز پر سامنے رکھے ہوئے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے، اول خان نے سوال کیا۔

''شیدا میری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت نہ ہوا ہوتا تو شاید میں قاسم کی طرف دھیان نہ دیتا لیکن اب باز پرس کا سارا دارومدار اسی کی ذات پر ہوگا۔''

چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی وہیں آ گیا۔ اس کے بشرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی فون کے بارے میں سوال کیا۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ کال جلال کی تھی تو اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

اول خان کے استفسار پر اس نے بتایا کہ رشید اس کمرے میں شدید درد اور اذیت میں مبتلا تھا اور ہم لوگوں کو مغلظات بک رہا تھا۔ وہ کوئی مظلوم ہوتا تو شاید سلطان شاہ اس کی ہرزہ سرائی کو درگزر کر دیتا لیکن ایسا نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے خاصی فراخ دلی سے اس کی مرمت کی لیکن وہ پھر بھی اپنی بدگوئی سے باز آیا نہ اس نے جہانگیر کے بارے میں کوئی بات بتائی۔ وہ مسلسل اپنی ابتدائی کہانی پر اڑا ہوا تھا۔

ہمیں گھر سے نکلے کافی دیر ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کو ہماری تازہ مہم کے نتائج کا بے چینی سے انتظار ہونا چاہیے تھا۔ سلطان شاہ کے ایما پر میں نے گھر فون کیا تو میری غزالہ سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اس وقت ویرا، سلمیٰ پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہوگئی تھی اور اسے اپنی خواب گاہ میں لے گئی تھی اور اسے فرصت کے کچھ لمحات میسر آ گئے تھے۔

غزالہ کو یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ رشید کے ہاتھ آ جانے کے باوجود ہم لوگ جہانگیر کا کوئی سراغ پانے میں ناکام رہے تھے۔ سلمیٰ یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ رشید کے ہاتھ آتے ہی ہمیں جہانگیر کا پتا مل جائے گا اور وہ قصہ تیزی سے نمٹ جائے گا۔

میں نے واپسی میں تاخیر کے امکان کا ذکر کرنے کے بعد بات ختم کر دی اور سلطان شاہ مطمئن نظر آنے لگا۔ اس وقت اس کا رویہ کسی ایسی عمر رسیدہ خاتون جیسا تھا جو گھر سے باہر گئے ہوئے ہر فرد کے بارے میں اس کی واپسی تک مسلسل فکرمند رہنا اپنا فرض سمجھتی ہو۔

جلال کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ قاسم سمیت اسٹیشن فورکی طرف آ رہے تھے۔

اول خان نے فوری طور پر اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مامور عملے کے نگراں کو متوقع مہمانوں کے بارے میں ہدایات دیں اور ہم دوبارہ رشید کی طرف چل دیے۔

ملیر چھاؤنی کے علاقے میں اسپیشل ٹاسک فورس کا وہ ٹھکانا کچھ متروک بیرکوں اور ایک وسیع میدان پر مشتمل تھا۔ وہاں لائے جانے والے قیدیوں سے پوچھ گچھ کے لیے ایک الگ تھلگ بیرک مخصوص تھی جس میں کئی چھوٹے بڑے کمروں کے علاوہ ایک کمرا ایسا بھی تھا جہاں لیٹ بیٹھ کر آرام سے وقت گزارا جا سکتا تھا۔ عملے کے آرام اور باہمی مشاورت کے علاوہ وہ کمرا ان ملزموں سے تفتیش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا جو کسی قسم کے تشدد کا سامنا کرنے سے پہلے پیچ اگلنے پر آمادگی ظاہر کر دیتے تھے یا مار کھا کر راہِ راست پر آ جاتے تھے۔

رشید کے قید خانے کا دروازہ بند تھا اور اس کے دونوں نگراں باہر برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ رشید کو فرش سے چند فٹ اوپر لٹکا کر رسی کا سرا فرشی کنڈے سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس عذاب کے نتیجے میں اس کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے تھے۔

قاسم کی آمد سے پہلے میں دوبارہ رشید کا سامنا کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اسے یکایک اس کے حال پر چھوڑ دینا بھی ایک ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔ ہم تینوں ریٹائرنگ روم میں چلے

Downloaded from https://paksociety.com

گئے۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انٹیلی جنس بیورو کے دو اہل کار قاسم کو لے کر آ گئے۔ قاسم متوسط قامت و جسامت کا ایک عام اور بے ضرر شخص نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں اسے اول خان کے سپرد کر کے لوٹ گئے۔

میں قاسم کے قریب گیا تو اس کے منہ سے شراب کے بھپکے آ رہے تھے۔ جلال نے مجھے اس کی گرفتاری کے پس منظر سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر وہ نشے میں دھت ہو کر اپنی داشتہ کے پہلو میں پڑا ہوا پایا گیا تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ناجائز ذرائع سے حرام کی بے اندازہ دولت کمانے والے عام طور پر ایسی کج روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے نفس کی بھڑکتی ہوئی آگ رفتہ رفتہ کبھی سرد نہ ہونے والے جہنم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ در بدر بھٹکتے ہیں اور ہر نیا وجود ان کے اندر کی اس آگ کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔

اس نے جی بھر کر شراب پی ہوئی تھی لیکن انٹیلی جنس بیورو والوں کے مخصوص رویے کی وجہ سے اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ اپنی سرخ اور خوف زدہ آنکھوں سے باری باری ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔

آئی بی والوں کی موجودگی میں، میں نے قاسم کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ ان کے جانے کے بعد میں خشم ناک تیوروں کے ساتھ قاسم کے قریب گیا تو وہ سٹپٹا گیا۔

''تم کون لوگ ہو!'' وہ الٹے قدموں پیچھے سرکتا ہوا خوف زدہ آواز میں بولا ''اب تک مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا کیا قصور ہے۔''

''میں نے اس کے بائیں رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

''ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ بتایا جائے۔ ہر مجرم اپنے جرم کے بارے میں جانتا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''مم..... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے ہاتھ صاف ہیں..... تت..... تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہکلایا۔

سلطان شاہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے لپک کر اپنا بایاں گھٹنا زور سے اس کی پشت پر رسید کیا۔ اس بار قاسم اپنی اضطراری چیخ پر قابو نہیں پا سکا اور خوف زدہ آوازیں نکالتا ہوا دروازے سے باہر برآمدے میں جا گرا۔

اس کے سنبھلنے سے پہلے سلطان شاہ دوبارہ اس کے سر پر سوار ہو چکا تھا۔

''مم..... میں عزت دار شہری ہوں۔'' قاسم نے ہانپتے ہوئے احتجاج کیا ''ملک کے لیے زرمبادلہ کماتا ہوں، حکومت کو انکم ٹیکس دو..... دیتا ہوں۔ تم لوگوں کی یہ مجال کہ مجھے دو کوڑی کے چوروں اور اچکوں کی طرح یوں ذلیل کرو!''

''بیٹے! سب کچھ درست ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس کاروبار کے لیے مال کہاں سے آیا اور مچھلیوں کے ساتھ کیا کیا باہر جا رہا ہے۔'' سلطان شاہ نے کالر پکڑ کر اسے دوبارہ قدموں پر کھڑا کیا اور رشید والے بند دروازے کی طرف دھکا دے دیا۔

قاسم کے ہاتھوں کے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ جوں ہی وہ اپنی جھونک سے سنبھلا، اس کی نگاہ رشید کے فضا میں جھولتے ہوئے زندہ وجود پر پڑی اور وہ بھونچکا رہ گیا۔

''یہ..... یع..... یہ تمہیں بھی لے آئے!'' قاسم کو دیکھ کر رشید کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔

''اوہ.....!'' قاسم اپنے ابتدائی ردِعمل سے سنبھل کر بولا ''اب سمجھا کہ یہ لوگ تیری وجہ سے مجھے یہاں لائے ہیں۔''

''خدا پاک کی قسم پاس، میں نے تمہارا نام بھی نہیں لیا۔'' رشید بے ساختہ بولا ''پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے انہیں کچھ نہیں.....''

وہ نئے قیدی کو بریف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان شاہ نے لوہے کی پلیٹوں سے ہاتھ بچا کر رشید کے پیٹ کے نچلے حصے میں اچانک ایک زوردار مکا رسید کیا اور رشید کی ادھوری بات ایک دردناک چیخ میں ڈھل گئی۔

''قاسم کو دکھاؤ کہ شیدے کے ساتھ کیا ہوا ہے۔'' میں نے اول خان کے آدمیوں سے کہا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے اس کمرے میں آ گئے تھے۔

انہوں نے نہایت سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرشی کنڈے سے بندھی ہوئی رسی کھول کر آزاد چھوڑ دی۔ رشید کسی زندہ لوتھڑے کی طرح تڑپتا ہوا نیچے آیا۔ اس بار اس کے پیر اس کا بوجھ نہ سہار سکے۔ وہ بہت بری طرح فرش پر ڈھیر ہوا۔ لوہے کی وزنی پلیٹوں نے اس بار اسے بہت بری طرح مجروح کیا تھا۔

''میں مر گیا..... میں مر گیا!'' رشید فرش پر اس طرح پیر چلاتے ہوئے تڑپ رہا تھا جیسے اس پر واقعی نزع کا عالم طاری ہو۔

''تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔'' میں نے رشید کو نظر انداز کر کے قاسم سے کہا۔

وہ رشید پر ہونے والا عملی مظاہرہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا تھا اور اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پہلے

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑ کے پھر ان سے نقاہت زدہ آواز برآمد ہوئی ''رقم میرے ایک دوست کی ہے اور قاسم فشریز کی اصل آمدنی ہیروئن کے دھندے سے ہے۔ باہر اس کی بہت ڈیمانڈ ہے۔''

اس کا وہ رضا کارانہ اعتراف چشم کشا تھا۔ اس نے ابتدا میں سلطان شاہ کے کیے ہوئے دونوں سوالوں کے ایک سانس میں جواب دے دیے تھے۔

اس وقت تک قاسم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اسے لائے جانے کے مقاصد وہی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ نے اس سے سوال کیے تھے۔ وہ دونوں سوال نیڑھے تھے۔ میرے لیے یہ بات قابل اطمینان تھی کہ وہ رشید کی طرح ڈھیٹ اور بے خوف نہیں تھا۔ اس نے صرف ایک ٹھڈا کھانے کے بعد سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں ہونا چاہیے تھا کہ رشید پر آزمائے جانے والے آسان حربے سے پیچیدہ انسانی آنتوں پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

''یہ بات بعد میں ہوگی۔ اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے۔'' میں نے رشید کی چیخ و پکار کے دوران قاسم سے سوال کیا۔

اس بار اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے تذبذب کا اظہار ہو رہا تھا، آنکھوں میں گہرا خوف اتر آیا تھا۔

''کک..... کیا تم ڈینی ہو؟'' اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں کالا چور ہوں۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''جو کچھ پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دو ورنہ لٹکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا مگر اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''وہ مجھے کھا جائے گا، زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''اگر تم سوبھراج سے خوف زدہ ہو تو اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے یقین دلایا ''وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میری زبان سے سوبھراج کا نام سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں ''تمہیں کس نے بتایا کہ میری اس سے دوستی ہے۔ یہ بات تو اس کمینے شیدے کو بھی نہیں معلوم تھی۔''

''یہ سوال کرنے سے باز نہیں آئے گا۔'' سلطان شاہ نے دانت پیس کر دخل اندازی کی ''میں کہتا ہوں کہ اس سالے کو بھی لٹکا دو۔''

''لٹکا دو!'' میں نے بے جان آواز میں کہا۔ اس دوران میں، میں کن انکھیوں سے قاسم کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے پسینے آنا شروع ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ وحشیانہ انداز میں قاسم کی طرف لپکا اور اسے زبردستی اپنے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''چھوڑ دو..... مجھے چھوڑ دو!'' قاسم اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے چیخا ''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''جہانگیر کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے اس کی کمر پر زور دار جھٹکا دے کر پوچھا۔

قاسم کے حلق سے ایک بے ساختہ کراہ برآمد ہوئی پھر وہ جلدی سے بولا ''اگر سوبھراج ابھی تک ایران سے واپس نہیں آیا تو جہانگیر کو میرے گھر پر ہونا چاہیے۔''

ہم تینوں کے لیے وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ سوبھراج نے کراچی سے سیکڑوں میل دور ہونے کی بات کی تھی مگر میں اس کے بیان پر یقین نہیں کر سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لیے وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن قاسم کا بیان کچھ اور ظاہر کر رہا تھا۔

اس کا انکشاف سنتے ہی سلطان شاہ نے اسے چھوڑ دیا یا شاید اضطراری طور پر اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ قاسم مچل کر اس کی گرفت سے نکلا اور چند قدم دور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم یقین کرو کہ میں بے قصور ہوں۔'' وہ کمزور شکست خوردہ آواز میں کہہ رہا تھا ''میں محنت مزدوری کر کے چار پیسے کمانے والا کاروباری آدمی ہوں۔ دو نمبر کے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ میں پیسے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میرا مقدر خراب تھا۔ میں سوبھراج کی باتوں میں آ گیا۔ آج کل کوئی چار پیسے کے لیے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ سوبھراج نے میرے نام سے فشری خریدی تو میں اس کے احسان تلے دب گیا۔ میں نے اسی کے کہنے پر شیدے کو کام بتایا تھا۔ جب سے شیدے نے اسے میرے گھر کے تہ خانے میں پہنچایا ہے، میں اپنے گھر نہیں گیا۔ کل سے روحی کے فلیٹ پر سو رہا ہوں۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے وہیں سے اٹھایا ہے۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو تم ابھی روحی سے پوچھ سکتے ہو۔''

شیدا اپنی شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اسے اپنے انجام کی فکر ستا رہی تھی اس لیے اس کے کان ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف میں یہ بھی دیکھ رہا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ قاسم کی خوف زدہ نظریں بار بار شیدے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''میں نے اپنی مرضی سے اسے اٹھایا نہ کہیں لے گیا۔'' قاسم کے خاموش ہوتے ہی شیدے نے کمزور آواز میں بولنا شروع کردیا ''میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں نے ہر کام تمہارے حکم پر کیا ہے۔ میں نے اپنی زبان بند رکھ کر ان لوگوں کے ہاتھوں خود کو برباد کروالیا ہے اور تم نے آتے ہی سب کچھ اگلنا اور میرے سر ڈالنا شروع کردیا۔ یہ یاد رکھنا کہ میرا نام شیدا ہے۔ اس وقت بھی تین سو دو کے تین کیس میرے نام پر چڑھے ہوئے ہیں۔ بچ گیا تو میں تم کو دیکھ لوں گا۔''

ان دونوں کی راہیں جدا ہوگئی تھیں۔ رشید برے انجام سے دوچار ہونے کے باوجود اپنی ذات کے زعم میں مبتلا تھا۔ قاسم اس کا حشر دیکھ کر راہِ راست پر آ گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ رشید کی غیر موجودگی میں وہ زیادہ کھل کر بات کرسکے گا۔

''اسے دوسرے کمرے میں لے آؤ۔'' میں نے قاسم کے بارے میں ہدایت دی اور وہاں سے نکل گیا۔

دوسرے کمرے کا نارمل ماحول قاسم کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ میں اس وقت وہاں رک کر اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس وقت میری ساری دلچسپی جہانگیر کی ذات پر مرکوز تھی۔ قاسم سے بقیہ باتیں بعد میں بھی معلوم کی جاسکتی تھیں۔

قاسم کی زبان سے سوبھراج کی ایران سے واپسی کا ذکر سنتے ہی میری طبیعت بے چین ہوگئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سوبھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے جہانگیر کو نہ لے اڑے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

شیدا، سوبھراج سے قطعی واقف نہیں تھا۔ نہ ہی سوبھراج نے کبھی اس سے براہِ راست کام لیا تھا لیکن اس سمیت کل چار افراد کا تقرر سوبھراج کے ایما پر کیا گیا تھا۔ فشری خریدنے کے بعد سوبھراج نے قاسم کو ان چاروں کے نام اور متوقع ٹھکانے بتاتے ہوئے، انہیں فیکٹری میں ملازم رکھنے کی سفارش کی تھی جو قاسم کے لیے اس وقت ہدایت کا درجہ رکھتی تھی۔

وہ چاروں ابتدا سے فیکٹری کے کل وقتی ملازم تھے اور دن رات وہیں رہتے تھے۔ رشید ان کا سرغنہ تھا۔ سوبھراج، قاسم کے ذریعے کئی مرتبہ رشید سے کام لے چکا تھا لیکن خود کبھی اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس نے قاسم کو سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی کہ فشری کے معاملات میں کہیں بھی اس کا نام نہ آنے پائے۔

قاسم کی تعلیم واجبی سی تھی لیکن وہ کافی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ سوبھراج کی سیاسی شہرت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس وقت سے سوبھراج کو جانتا تھا جب وہ نچلے درجے سے اوپر جانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے سوبھراج سے کوئی سوال کیے بغیر یہ اندازہ لگالیا کہ سوبھراج الگ تھلگ رہ کر اپنے کالے دھن سے ایک مستقل کاروبار کی داغ بیل ڈالنے کا خواہاں تھا۔

اس پس منظر میں سوبھراج نے فون پر قاسم کو جہانگیر کے اغوا کی ہدایت کی تھی۔ وہ کام بہت خطرناک تھا۔ قاسم کے پس وپیش پر سوبھراج نے بتایا کہ جہانگیر کا تعلق اس کے ان دشمنوں سے ہے جنہوں نے اسے تباہ و برباد کرکے اس حال کو پہنچادیا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

قاسم اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اسے معلوم تھا کہ مچھلی کی برآمد کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت میں ملوث ہونے کے بعد اس کی لگامیں سوبھراج کے ہاتھ میں چلی گئی تھیں۔ اس نے سوبھراج کی ناراضی مول لی تو وہ اسے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

اس وقت تک سوبھراج کراچی میں موجود تھا اور کسی بھی وقت قاسم کے سر پر سوار ہوسکتا تھا۔ اس نے رشید عرف شیدے کو کام پر لگادیا۔

شیدے نے جہانگیر کے گھر کا جائزہ لے کر قاسم کو بتایا کہ کام بہت کٹھن تھا۔ وہ بات سوبھراج تک پہنچی تو وہ برہم ہوگیا۔ وہ جہانگیر کو ہر حال میں اپنا قیدی دیکھنا چاہتا تھا۔

دو دن کی منصوبہ بندی کے بعد آخر کار رشید اپنے مشن میں کامیاب ہوگیا۔ جہانگیر کو فیکٹری میں رکھنا خطرناک تھا کیونکہ دن میں وہاں خواتین اور مردوں کی خاصی تعداد کام کرتی تھی۔ قاسم نے رازداری کے خیال سے جہانگیر کو اپنے گھر بھجوادیا۔

اس نے سوبھراج کو فون پر کامیابی کی اطلاع دی تو اسے پتا چلا کہ وہ پاکستان سے ایران پہنچ چکا تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کے اغوا کی خبر اتنی اہم تھی کہ وہ پہلی فرصت میں کراچی آنے پر تیار ہوگیا۔

قاسم نے اسے بتادیا کہ قیدی کو تہ خانے میں رکھا گیا تھا اور وہ اپنا گھر چھوڑ رہا تھا۔ سوبھراج کو قاسم کا گھریلو چوکیدار پہچانتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر میں داخل ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کو اپنا قیدی بنالینے کے بعد قاسم زبردست ذہنی دباؤ کا شکار ہوگیا۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اغوا جیسے سنگین جرم میں ملوث ہونے کا تصور نہیں کرسکا تھا لیکن سوبھراج نے اسے زبردستی اس اندھی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

وہ اپنے گھر سے بھاگا ہوا تھا۔ چوکیدار اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ گھر کے تہ خانے میں کوئی شخص قید تھا۔ قاسم نے اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

گھر سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سوبھراج اپنے شکار تک پہنچے گا تو خود اسے اطلاع دے گا۔

ان میں سے کچھ باتیں ایس ٹی ایف کے مہمان خانے میں قاسم سے معلوم ہوئیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ قاسم نے جہانگیر کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ شیدے نے اسے تہ خانے میں جس حال میں چھوڑا تھا وہ اسی حال میں، بھوکا پیاسا وہاں بند تھا۔

وہ بات سن کر غصے سے میرا خون کھول اٹھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت شیدے کو مار مار کر مزید لہولہان کردوں مگر مسئلہ وہی تھا کہ وقت دھیرے دھیرے ہمارے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ہم تینوں قاسم کو اپنے ساتھ لے کر اسی لمحے اس کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس بارے میں مزید باتیں سفر کے دوران میں پتا چلیں۔ قاسم نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور ہماری ہر بات کا بے چون و چرا جواب دے رہا تھا۔

راستے میں قاسم سے بہت کھل کر باتیں ہوئیں مگر ان کا محور صرف اور صرف جہانگیر کی ذات تھی۔ اس وقت سوبھراج کا نام میرے لیے ثانوی ہوکر رہ گیا۔ شدید غصہ آنے کے باوجود شیدے کا نام بھی ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ مجھے صرف جہانگیر کی فکر تھی۔

اس کی ذات کو سب سے بڑا خطرہ سوبھراج کی ذات سے تھا۔ زیر زمین دنیا میں کوبرا کے لقب سے اپنا سکہ چلانے والا وہ زہریلا ناگ کسی بھی وقت اپنے شکار پر حملہ آور ہوسکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جہانگیر جیسے تندرست اور توانا شخص کے لیے ایک دو دن کی بھوک پیاس مہلک ثابت نہیں ہوسکتی تھی لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ ایسی ناتوانی کے عالم میں وہ سوبھراج تو کیا' قاسم جیسے آدمی کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اسٹیشن فور سے ایک طویل مسافت طے کرکے آخرکار ہم شارع فیصل پر لال کوٹھی کے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پی ای سی ایچ ایس میں قاسم کی رہائش تھی۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ درمیانی پرتے پر بنے ہوئے اس مکان کے باہر کوئی اور گاڑی موجود نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے گاڑی گیٹ کے سامنے لگا کر ہارن بجایا تو چوکیدار بہت پھرتی کے ساتھ باہر آیا۔

سلطان شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا کر کیبن لائٹ آن کردی۔ چوکیدار نے ڈرائیور کے برابر والی نشست پر اپنے گم شدہ مالک کی صورت دیکھی تو خوش ہوکر تیزی سے گیٹ کھول دیا اور ہماری گاڑی مختصر پورچ میں سما گئی۔

''ہم سے پہلے یہاں اور کوئی آیا تھا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہی چوکیدار سے سوال کیا۔

''صاحب! کوئی نہیں آیا۔'' چوکیدار نے گیٹ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے کل صبح کے بعد اب اپنے صاحب کی صورت دیکھی ہے خیر ہے نا!''

''بیٹا کام میں پھنس گیا تھا۔'' قاسم نے متانت سے کہا۔ چوکیدار سر ہلا کر رہ گیا جیسے وہ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

بعد میں پتا چلا کہ چوکیدار کے تاثرات کے بارے میں میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ قاسم لاولد تھا۔ اس کی بیوی کافی عرصے پہلے اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا اور اپنی تنہائی کا احساس بھلانے کے لیے کبھی کبھی اپنی راتیں باہر گزارتا تھا۔

مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے اس کا گھر ایک بہترین ٹھکانا تھا کیونکہ وہاں چوکیدار کے سوا کوئی اور کل وقتی ملازم نہیں تھا۔ دن میں دو جز وقتی ماسیاں آتی تھیں جو گھر کی صفائی کرنے اور کھانا پکانے کے بعد واپس چلی جاتی تھیں۔

وہ اپنی محدود ترین ضروریات سے زیادہ کشادہ گھر میں اپنی زندگی کیسے گزار رہا تھا۔ مجھے اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت میں جلد از جلد اس کے گھر میں بنے ہوئے تہ خانے تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا پھر میں نے ٹھٹک کر سلطان شاہ کو پورچ میں چوکیدار کے ساتھ رکنے کی ہدایت کی۔ میرے ذہن میں اچانک اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ اگر سوبھراج وہاں آنکلا تو وہ تنہا ہونے کے باوجود ہمیں کچھ دیر کے لیے گھر میں محصور ہونے پر مجبور کردے گا۔

قاسم کے چوکیدار کے سرپیر کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس کے لیے سوبھراج ایک شناسا چہرہ تھا۔ وہ آجاتا تو چوکیدار اسے بلاکم و کاست ہر بات بتا دیتا۔

سلطان شاہ اہم مواقع پر ہمیشہ بہت گہری سوجھ بوجھ اور سعادت مندی کا مظاہرہ کرتا تھا، وہ وہیں رک گیا۔ ہم دونوں قاسم کے ساتھ برآمدے میں داخل ہوگئے۔

قاسم نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی سوئچ آن کر کے تاریک راہ داری روشن کردی۔

وہ مختصر سی راہ داری گھر کی لابی میں ختم ہوگئی۔ اس سے آگے زینے تھے جو اوپر جاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ نیچے اترنے والے زینوں پر ایک مقفل دروازہ سدراہ بنا ہوا تھا۔

قاسم نے اپنی جیب سے دوسری چابی نکال کر جوں ہی وہ

Downloaded from https://pakistanisociety.com

دروازہ کھولا' میں اسے ایک طرف دھکیل کر تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

آخری زینے سے فرش پر قدم رکھتے ہی میں نے ہولے سے جہانگیر کو آواز دی' تہ خانے کی فضا میں طلق سے نکلنے والی چند مضطرب آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ اسی لمحے قاسم نے مجھ سے آگے بڑھ کر تہ خانہ روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر میرا دوران خون اچانک تیز ہو گیا کہ جہانگیر ایک کشادہ مسہری پر پڑے ہوئے شکن آلود بستر پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے' مٹھنوں سے پنڈلیوں تک بھی رسی بندھی ہوئی نظر آ رہی تھی اور ہونٹوں پر چوڑا ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ تہ خانے میں یکا یک روشنی ہونے سے میری آنکھیں چند ثانیوں کے لیے چندھیا گئیں۔

میری بصارت بحال ہوئی تو جہانگیر حیرت اور مسرت سے دیدے پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نے بے اختیاری کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑی اور دوڑ کر اس کے بے دست و پا وجود سے والہانہ انداز میں لپٹ گیا۔

جہانگیر نے اپنے حلق سے غوں غاں کی تیز آوازیں نکال کر اپنے بدن کو جھٹکے دیے۔ فوری طور پر بات میرے پلے نہیں پڑ سکی لیکن لمحہ بھر بعد مسئلہ سمجھ میں آ گیا اور میں نے اس کے ہونٹوں پر چپکا ہوا ٹیپ ایک جھٹکے سے اکھاڑ دیا۔

ٹیپ کے ساتھ اس کے قدرے بڑھے ہوئے شیو کی جڑیں بھی اپنی جگہ سے ہل گئی ہوں گی۔ دہانہ آزاد ہونے کے بعد اس کے ہونٹوں سے پہلی آواز ایک سسکاری کی صورت میں آزاد ہوئی پھر اس نے اپنے اغوا کنندگان کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

''تم ٹوٹ پھوٹ سے تو محفوظ ہو نا؟'' میں نے اس کے بدن کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے یہ رسیاں کھولو!'' وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے غرایا۔

رسیوں کی بندشیں بہت سخت تھیں۔ میں ان میں الجھا ہوا تھا کہ اول خان اوپر سے ایک چھری ڈھونڈ کر لے آیا اور اس نے رسیاں کاٹ کر اس کے ہاتھ پیر بھی آزاد کر دیے۔

''خدا کی پناہ!'' وہ مسہری پر ہی کھڑا ہو گیا'' ایسا لگ رہا تھا جیسے میں یوں ہی بستر پر پڑے پڑے مر جاؤں گا' بھوک اور پیاس سے میرا برا حال ہے۔''

میں نے سہارا دے کر اسے مسہری کے لچک دار گدے سے فرش پر اتار لیا۔ اول خان نے تہ خانے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ جہانگیر نے مسہری کے کونے پر ٹک کر غٹا غٹ وہ چھوٹی بوتل خالی کر کے مسہری پر اچھال دی۔

''تمہارے ساتھ یہ چوہا کون ہے..... اس کے چہرے پر پھٹکار کیوں برس رہی ہے؟'' قاسم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے سوال کیا۔

''یہ اس گھر کا مظلوم مالک ہے.....'' میں نے اسے بتانا چاہا لیکن جہانگیر نے میری وہ ادھوری بات سنتے ہی قاسم کا گریبان پکڑا اور اس کے چہرے پر وحشیانہ انداز میں مکہ رسید کر دی۔ تہ خانے کی بند فضا قاسم کی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس کی ناک سے خون کی کئی پتلی پتلی دھاریں بہہ نکلیں۔

اس سے پہلے کہ جہانگیر اسے مزید تشدد کا نشانہ بناتا' اول خان جھپٹ کر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

میں بہ دقت جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ اس وقت قاسم ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ اسے برے حال کو پہنچانے والے دوسرے تھے جن میں سے ایک ہمارے قبضے میں تھا' دوسرے کو کسی بھی وقت اٹھایا جا سکتا تھا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ دوسرا آدمی قاسم کے کارخانے میں ملازم تھا۔

قاسم اتنا صلح جو ثابت ہوا کہ اپنی آستین سے ناک سے بہنے والا خون صاف کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ اوپر کچن ریفریجریٹر میں موجود اشیائے خورد و نوش سے جہانگیر اپنی تشنہ کامی سیری کر لے لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں سوبھراج کی طرف سے مسلسل خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کے لیے میرا اور جہانگیر کا معاملہ بہت اہم تھا۔ وہ کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے آنے سے قبل جہانگیر کا وہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ کسی فوری تصادم کی صورت میں اسے سنبھالنا دشوار ہو سکتا تھا۔

ہم بہت تیزی کے ساتھ تہ خانے سے نکلے۔ میں نے قاسم کو بتا دیا تھا کہ اس سے کچھ اہم گفتگو باقی رہ گئی تھی۔ اسے بھی ہمارے ساتھ چلنا تھا۔ وہ اس وقت موم کی ناک بنا ہوا تھا۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ نکلتا چلا آیا۔

ہم زینے طے کرنے کے بعد لابی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ لمحہ بھر بعد اسی ہتھیار سے دوسرے فائر کی آواز آئی پھر کسی گاڑی کے انجن کی پرشور آواز سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بدحواسی میں گیئر بدلے بغیر اپنی گاڑی کو ہوا کے دوش پر اڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

''سلطان شاہ! کیا ہو رہا ہے؟'' اول خان نے چیخ کر پوچھا۔

قاسم کا گھر زیادہ وسیع و عریض نہیں تھا۔ فوری طور پر جواب آ گیا ''جلدی باہر آؤ' وہ آ گیا ہے۔ میں نے اسے بھگا دیا۔''

میں دوڑتا ہوا گھر سے نکلتا چلا گیا۔ برآمدے میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور سلطان شاہ اپنا پستول ہاتھ میں لیے پھاٹک کی کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ چوکیدار اس کے پیچھے سہما ہوا کھڑا تھا۔

جہانگیر کے ذہن پر اپنی اقتدا سوار تھی۔ وہ اس قابل نہیں ہو سکا تھا کہ ان الجھنوں کو فوری طور پر سمجھ سکے وہ مسحور سے انداز میں اول خان کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

سلطان شاہ نے تیز اور پرجوش لہجے میں اپنی کہانی سنانی شروع کر دی تھی۔

وہ چوکیدار کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا کہ قاسم کے دروازے پر کوئی گاڑی آ کر رکی۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار نے آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھولی تو سلطان شاہ بھی اس کے پیچھے موجود تھا۔

آنے والی گاڑی میں کل دو نفوس موجود تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اجنبی چہرہ براجمان تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر ایک باریش اور توانا شخص موجود تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور گھنی مونچھوں کے باوجود وہ اپنی مڑی ہوئی ناک کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

چوکیدار اسے پہچانتا تھا، وہ ادب سے اس کی طرف بڑھا۔

سلطان شاہ کے لیے وہ بہت نازک لمحہ تھا۔ ایک رسوائے زمانہ مجرم اس کی دسترس میں تھا۔ جس شخص نے ملک کی ساری ایجنسیوں کو نچایا ہوا تھا' اسے وہ پل بھر میں خون میں نہلا سکتا تھا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکالا اور تاک کر سوبھراج پر گولی چلا دی مگر چوکیدار کو بچانے کے چکر میں اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔

سوبھراج کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔ پہلی گولی چلتے ہی ڈرائیور نے گاڑی ریورس کی، سلطان شاہ نے گاڑی کے ٹائر پر دوسرا فائر کیا لیکن گاڑی نہ رک سکی۔ ڈرائیور اگلا ٹائر پھٹنے کی پروا کیے بغیر گاڑی کو آگے دوڑاتا لے گیا۔

''یہ بہت برا ہوا۔ وہ یہاں آ گیا تھا تو اسے بچ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' میں نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا ''تمہیں دوسرا فائر گاڑی کے ٹائر کے بجائے ان دونوں پر کرنا چاہیے تھا.....''

''سوبھراج ڈرائیور کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔'' سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر اپنی صفائی پیش کی ''میں گولی چلاتا تو سوبھراج کا کچھ نہیں بگڑتا' ڈرائیور ہلاک یا زخمی ہو جاتا۔''

''گاڑی رک جاتی' تمہیں وقت مل جاتا ہم لوگ باہر آ جاتے۔'' میں نے تیزی سے کہا ''ذرا سا وقت مل جاتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے نہ نکل پاتا۔''

''بس غلطی ہو گئی!'' سلطان شاہ نے اپنی نظریں جھکا کر مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا ''یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔''

''انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا ''کسی زور آور حریف کو اچانک اپنے سامنے پا کر بڑے بڑوں کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔ ہر شخص کے اعصاب فولاد کی نہیں ہوتے۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر میں جانتا کہ سوبھراج دوبارہ ادھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ بہت چالاک اور بزدل مجرم تھا۔ میدان صاف پانے کی توقع میں ادھر آ گیا تھا۔ دو گولیوں کا سامنا کرنے کے بعد اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑا خطرہ مول لیتا۔

''گھر میں تالا ڈال دو۔'' میں نے چوکیدار سے تحکمانہ لہجے میں کہا ''کوئی بھی آ جائے' دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔''

قاسم نے زور زور سے سر ہلا کر میری تائید کی اور گاڑی کی پچھلی سیٹ میں گھس گیا۔ جہانگیر کو اس وقت آرام کی ضرورت تھی' اول خان نے اسے اگلی نشست پیش کر دی اور چابی میری طرف بڑھا دیا۔

گاڑی چلتے ہی اول خان نے قرب و جوار کی گلیوں کا ایک چکر لگانے کی تجویز پیش کی۔ وہ اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ دونوں کہیں رک کر اپنی گاڑی کا ٹائر بدل رہے ہوں گے۔ میری دانست میں وہ وقت کی بربادی تھی لیکن اس وقت ہمیں کوئی فوری کام درپیش نہیں تھا۔ میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑ لی۔

کافی دیر تک آس پاس کی گلیوں میں بے نیل و مرام بھٹکنے کے بعد میں نے گاڑی شارع فیصل پر نکال لی۔

''سلمیٰ کا کیا حال ہے..... وہ کہاں ہے؟'' اچانک جہانگیر کو اپنی بیوی کا خیال آ گیا۔

''اس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے میں اپنے گھر لے آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا واقعی اس کی حالت بہت خراب ہے؟'' جہانگیر نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس سے بات کر لو۔'' میں نے اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھا دیا ''ہم لوگوں کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔''

''گاڑی میں تمہارا ایک مددگار بھی موجود ہے۔'' جہانگیر نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا ''جب ہم گھر کی طرف جارہے ہیں تو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے وہیں ملاقات ہوجائے گی۔''

''گھر نہیں اب تم اسٹیشن فور جاؤ گے۔'' اول خان نے دوٹوک الفاظ میں وہ فیصلہ صادر کرکے مجھے حیران کردیا۔

''کیوں؟'' جہانگیر نے سوال کیا ''کیا وہاں کوئی ضروری کام ہے؟''

''تمہارے لیے اب وہی سب سے بہتر اور محفوظ ٹھکانا ہے۔'' اول خان بھی قاسم کی موجودگی کی وجہ سے کھل کر بات کرنے سے جھجک رہا تھا۔ ''تمہاری بیوی کو بھی عارضی طور پر وہیں بلالیا جائے گا۔ کسی متبادل جگہ کا بندوبست ہونے تک تم دونوں میرے مہمان رہو گے۔''

''لیکن کیوں؟'' جہانگیر نے احتجاج کیا ''میں اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ خوش رہتا ہوں۔ میں سلمیٰ کو لے کر اسی وقت گھر جانے کو ترجیح دوں گا۔''

''ہم دوسری بار تمہارے اغوا کے متحمل نہیں ہوسکتے۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس بحث میں دخل اندازی کی ''فی الحال اتنا کافی ہے باقی باتیں اسٹیشن فور پر ہوں گی۔''

جہانگیر میرا اشارہ سمجھ گیا اور اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ شدید ذہنی اور جسمانی عذاب سے گزرنے کے باوجود وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا تھا اور یہ بات اس اعتبار سے اچھی تھی کہ میں نے قاسم کو آخر کار آزاد کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اسٹیشن فور پر حفاظتی تحویل کے چند روز گزارنے کے بعد وہ اپنے معمولات کی طرف لوٹتا تو کسی سے یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈینی کو دیکھ چکا ہے۔

گھر کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کردیا گیا۔ جہانگیر سب کی موجودگی میں اپنی بیوی کو فون کرنے سے گریز کررہا تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ آپس میں دن رات کی تکرار کے باوجود جب وہ فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سنیں گے تو دونوں ہی جذباتی ہوجائیں گے۔ جہانگیر کسی کو اپنی ان احمقانہ حرکات اور باتوں کا گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون سلطان شاہ کو دے دیا تاکہ وہ گھر پر موجود خواتین کو جہانگیر کی صحیح سلامت واپسی کی خوش خبری سنا دے۔

☆☆☆

اسٹیشن فور پر سب سے اہم مسئلہ جہانگیر کی بحالی کا تھا۔ اول خان نے دورانِ سفر ایمرجنسی استعمال کرکے اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی روشنی میں ایک آرام دہ اور کشادہ کمرا اس کی میزبانی کے لیے تیار کرلیا گیا تھا۔ ایک آدمی سلمیٰ کو ہمارے گھر سے وہاں لانے کے لیے گیا ہوا تھا۔

قاسم کو اسی بیرک پر اتار کر اول خان نے اپنے آدمیوں کے حوالے کردیا جہاں شیدا قید تھا۔ قاسم بھی ایس ٹی ایف کا قیدی تھا لیکن اس کے رضا کارانہ تعاون کی روشنی میں اسے بستر اور پنکھے وغیرہ کی مراعات دینے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔

اس سے جہانگیر کے بارے میں گفتگو چلتی رہی تھی۔ سوبھراج اور اس کی سرگرمیوں کا معاملہ ہنوز باقی تھا۔ وہ مرحلہ بعد میں طے کیا جاسکتا تھا۔

قاسم کو اتارتے ہوئے جب میں نے جہانگیر کو یہ بتایا کہ اسے اغوا کرنے والا ایک شخص اسی بیرک کے ایک عقوبت خانے میں قید ہے تو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے اسے ایسے ایک نظر دیکھنے پر تل گیا۔ وہ خاصے خراب تیوروں کے ساتھ شیدے کے کمرے میں داخل ہوا لیکن اس کا عبرت ناک حشر دیکھ کر اس کا غصہ خود ہی کافور ہوگیا۔

شیدے کا رسی سے بندھا ہوا جسم بہت غیر فطری انداز میں فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا بدن زخموں سے چور تھا۔ چہرے پر ورم آیا ہوا تھا اور داہنی ران کی ہڈی ٹوٹ جانے کے باعث وہ سوج کر کپا ہورہی تھی۔

تکلیف کی شدت سے شیدا اس وقت بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

''مجھ سے پہلے تم لوگوں نے اس کا حلیہ بگاڑا ہوا ہے۔ اب میں اسے اور کیا سزا دوں گا۔ یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔'' اسے دیکھ کر جہانگیر نے آسودہ لہجے میں کہا ''اس کے ساتھی پر میں اپنا کام کروں گا۔''

میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کا مطلوب مجرم اگلے دن وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

جہانگیر ہنگامہ خیز شہری زندگی کا عادی تھا۔ اسے اسٹیشن فور پر چھایا ہوا خواب ناک سناٹا بہت حیران کررہا تھا۔ اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے شکایت کی کہ وہ ایسی سنسان جگہ پر کس طرح رہ سکے گا۔ میں نے اسے دلاسا دیا کہ اس کا کلفٹن والا فلیٹ کئی دشمنوں کی نظروں میں آچکا تھا۔ اس کا فوری طور پر وہاں جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ کسی متبادل ٹھکانے کا بندوبست ہونے تک اس کا اسٹیشن فور پر رہنا ناگزیر ہوچکا تھا۔

ہم لوگوں کی آمد کی وجہ سے وہاں بہت محدود سی نقل و حرکت شروع ہوچکی تھی۔ اول خان کی رہنمائی میں ہم جہانگیر کے لیے تیار کیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئے کمرے میں پہنچے تو حیران رہ گئے۔ وہاں ائرکنڈیشنر سے ٹیلی وژن تک ہر چیز موجود تھی۔ میں دل ہی دل میں اول خان کی مہمان نوازی کا قائل ہوگیا۔

ہم چاروں کو وہاں بیٹھے ہوئے چند منٹ ہوئے تھے کہ جہانگیر کے لیے گرما گرم کھانے کے ٹرے آگئی اور وہ ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر اپنی شکم سیری میں مصروف ہوگیا۔ میں بہت غور سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ خوراک کے وہ چند لقمے ہیں جو انسان کی بنیادی ضرورت ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ جو کچھ بھی کماتا اور خرچ کرتا ہے' حقیقی معنوں میں اس کے کام نہیں آتا۔ اس کے ذریعے دوسروں کی نذر ہوجاتا ہے۔

وہ کھانے میں مصروف تھا کہ ویرا کے ساتھ سلمٰی وہاں آپہنچی۔ جہانگیر نے اچانک سلمٰی کو اپنے سامنے دیکھا تو بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ دوسری طرف سلمٰی کی آنکھوں سے اچانک موتیوں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں۔

میں نے اپنے خون آشام دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی زندگی گزاری تھی۔ اس جنگ میں انسانی جانوں کی کوئی اہمیت تھی نہ انسانی جذبوں کا کوئی گزر۔ پھر بھی ان دونوں کی اس ملاقات نے میرا دل یوں پانی پانی کردیا کہ میں سب کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''تم مجھے باہر کیوں بلالائے۔ میں وہیں رک کر ان دونوں کا تماشا دیکھنا چاہ رہی تھی۔'' ویرا نے کمرے سے باہر آنے کے بعد احتجاج کیا۔

''اسے نئی زندگی ملی ہے اور تم اسے تماشا کہہ رہی ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''یہ دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہتے ہیں تو پھر گھر میں ہر وقت لڑتے کیوں رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے تو پھر وہ تماشا ہوتا ہوگا۔'' اس نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہ مشرق ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا'' یہاں زندگی کی یہی رونق ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بپھر کر بکھر جانا یہاں کا رواج نہیں ہے۔ ڈینی نے بالکل ٹھیک کیا کہ سب کو باہر لے آیا۔ یہ ان کے ذاتی لمحے ہیں کسی کو ان میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔''

ویرا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر رہ گئی۔

''تم غزالہ کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر آئی ہو؟'' اچانک سلطان شاہ نے رکھائی سے پوچھا۔

''وہ اکیلی نہیں ہے۔ وہاں ابرار اور دین محمد بھی موجود ہیں۔'' ویرا بولی۔

''وہ چھت پر ہوں گے' گھر میں تو صرف وہی ہے!''

''تو کیا ہوا۔ وہ کوئی نابالغ لڑکی نہیں ہے۔ وہ سلمٰی کی دیکھ بھال کی وجہ سے اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ہمارے ساتھ آنے پر رضا مند نہیں ہوئی۔ وہ اپنا کمرا بند کرکے گہری نیند سو رہی ہوگی۔'' سلطان شاہ سے بات کرتے کرتے وہ میری طرف متوجہ ہوچکی تھی'' یہ بتاؤ کہ کیا یہ دونوں اب اسٹیشن فور پر ہی رہیں گے!''

''فی الحال یہی پروگرام ہے۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''زبردست پروگرام ہے۔ ہمارے گھر میں زیادہ مہمان نوازی کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ غزالہ کا حوصلہ ہے کہ اس نے سلمٰی کو سہہ لیا۔ مجھے دہشت ہونے لگی تھی۔''

ویرا نے اپنے دل کی بات کھل کر کہہ دی تھی۔ میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی۔ جہانگیر کے لیے اس کا گھر محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہم نے اسے اغوا کرنے والوں کی کمر توڑ دی تھی لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس ناکامی پر سوہمراج کا کیا ردعمل ہوگا۔ ایران کے کسی سرحدی قصبے سے کراچی آنے کے بعد وہ اپنی ناکامی کے ازالے کے لیے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔

گھر کی طرح شہر کا کوئی ہوٹل بھی ان دونوں کے لیے محفوظ نہیں تھا۔ لے دے کر ہمارا گھر ان کے لیے بہتر پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔ وہاں ان دونوں کے طویل قیام سے ہمارے لیے بہت سنگین مسائل پیدا ہوسکتے تھے۔ میں اپنی گہری دوستی کی بنا پر جہانگیر اور اس کی بیوی کو برداشت کرسکتا تھا لیکن ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجموعی طور پر ہمارے گھر کا ماحول گھٹن کا شکار ہوجاتا۔ اسی کے ساتھ آزادیاں بھی محدود ہوجاتیں۔

اول خان نے ان کے لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کرکے ہماری ایک بڑی مشکل آسان کردی تھی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے قیدیوں والی بیرک تک پہنچ گئے۔ میں اول خان کے ساتھ ریٹائرنگ روم میں آگیا۔ ویرا' سلطان شاہ کو ساتھ لے کر اس کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں شیدے کو رکھا گیا تھا۔ ہر آنے والا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔

جلال نے اس معاملے میں جس دلچسپی کا مظاہرہ کیا وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ اس نے میرے ایک اشارے پر قاسم کو ہمارے حوالے کرکے جہانگیر کی واپسی میں اہم ترین

Downloaded from https://parsociety.com

کردار ادا کیا تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ ہم نے جہانگیر تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کی ہوتی تو سوبھراج اس پر ہاتھ ڈال چکا ہوتا۔

میں نے جلال کو فون کیا تو وہ صدف مینشن پہنچ چکا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس کا پہلا سوال جہانگیر کے بارے میں تھا۔

میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہو گیا ''خدا کا شکر ہے کہ وہ سوبھراج کے چنگل میں جانے سے بال بال بچ گیا۔ تمہیں بروقت قاسم کا خیال کیسے آ گیا؟''

''شیدے پر محنت بار آور نہ ہونے کے بعد ایک وہی نام سامنے رہ گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا ''مجھے یہ امید نہیں تھی کہ جہانگیر اسی کے گھر سے بازیاب ہو سکے گا۔''

''وہ میرے آدمیوں کی تحویل میں رہتا تو روٹین میں اب اس کی باری آئی ہوتی۔ ہماری پوچھ گچھ سوبھراج کی ذات تک محدود رہتی اور وقت ہاتھ سے نکل جاتا۔'' وہ کہہ رہا تھا ''بس یہ برا ہوا کہ سوبھراج ایک مرتبہ پھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

میں نے اسے یاویرا کو سلطان شاہ کی اس حماقت کے بارے میں نہیں بتایا کہ اس نے بوکھلاہٹ میں دوسرا فائر سوبھراج کی گاڑی کے ٹائر پر کیا تھا۔ ان دونوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ سلطان شاہ کی فائرنگ کے باوجود سوبھراج نکل گیا۔ ویرا کو اصل واقعے کی بھنک مل جاتی تو وہ سلطان شاہ کا جینا حرام کر سکتی تھی۔

''یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم لوگوں کی ساری تدابیر کے باوجود وہ سرحد پار کر کے ایران جانے میں کامیاب ہو گیا'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''اب وہ کراچی لوٹ آیا ہے تو ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ اس بار وہ سرحد پار نہ جا سکے۔''

''وہ بہت عیّار اور جھوٹا ہے' ہو سکتا ہے کہ کراچی میں چھپا ہوا اور اس نے قاسم سے جھوٹ بولا ہو'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اس بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ کراچی کے قرب و جوار میں ہوتا تو کامیاب اغوا کی خبر ملنے کے بعد قاسم کے گھر تک پہنچنے میں اتنی دیر نہ کرتا۔ آثار بتا رہے ہیں کہ پاکستان میں اسے اپنے گرد موت کے سائے پھیلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ جہانگیر کے ذریعے مجھے گھیرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکے گا۔ پہلی فرصت میں بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ اس بار بھی ایران کا آزمودہ راستہ اختیار کرے۔''

''کراچی سے نکلنے والے راستوں کی مسلسل نگرانی ہو رہی ہے۔ کچے اور غیر روایتی راستوں کو سیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ناکہ بندی زیادہ سخت ہو جائے۔ تم بھی قاسم پر محنت کرو۔ اس وقت وہ بہت اہم مہرہ ہے۔''

''دوسرے کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی وہ صدف مینشن کے اعصاب شکن ماحول سے خوف زدہ کیے جا رہے ہیں۔ میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ان دونوں کا رخ کروں گا۔ چاہو تو تم بھی میرے ساتھ شامل ہو سکتے ہو۔ تمہارے بیشتر سوال بہت تیکھے اور برجستہ ہوتے ہیں۔''

میں نے اس سے صدف مینشن کا چکر لگانے کا وعدہ کیا اور ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔ اسے تازہ ترین واقعات سے باخبر کرنے کے بعد میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ واپس آ چکے تھے۔ غالباً اس دوران میں سلطان شاہ نے اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دیا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کی سنگین غلطی کو چھپا لیا تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ احساس اس کے سر پر مسلّط ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کی فطری خوش دلی رخصت ہو چکی تھی اور وہ ویرا کے مقابلے میں دبا دبا نظر آ رہا تھا۔

''شیدے پر بلاوجہ اتنی محنت کی گئی۔'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا بولی ''شاید قاسم اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

''اس وقت صرف شیدا ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ برے حال کو پہنچ جانے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے کس سے مس نہیں ہوا۔ میں نے ایسے سخت جان مجرم بہت کم دیکھے ہیں۔''

''اسی وجہ سے سوبھراج نے اسے قاسم فشریز میں لگوایا ہوگا۔'' اول خان بولا ''جرائم کی دنیا میں ایسے جی دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اپنی جان دے دیتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے۔ مجھے حیرت ہے کہ اسے سوبھراج کی ہدایت پر قاسم نے اپنی فیکٹری میں ملازم رکھا لیکن شیدا سوبھراج سے بالکل واقف نہیں ہے۔''

''سوبھراج عتاب میں آنے سے پہلے دہری زندگی گزار رہا تھا'' میں نے کہا ''ایک طرف اسے اقتدار کے ایوانوں میں رسائی حاصل تھی تو دوسری طرف کوبرا کے روپ میں مجرموں سے اس کے گہرے روابط تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان دنوں شیدا اس کی نظروں میں آیا ہوگا۔ اسے قانون سے پناہ اور گزارے کے لیے روزگار کی ضرورت تھی' سوبھراج کام کے آدمیوں کی تلاش میں تھا۔ شیدا آرام سے قاسم فشریز میں کھپ گیا۔''

''ہر طرف سے رابطے ختم ہونے کے بعد وہ اس سے کام

Downloaded from https://paksociety.com

لینے پر مجبور ہوگیا۔'' ویرا نے بات آگے بڑھائی'' اس کے حالات زیادہ خراب نہ ہوتے تو شاید وہ اسے داؤ پر نہ لگاتا۔''

''شیدا ایک مفرور اشتہاری مجرم ہے۔ یہاں اسے کافی سزا مل گئی۔ اسے یہاں رکھ کر پالنے کے بجائے اب پولیس کی تحویل میں دے دینا بہتر ہوگا تاکہ وہ کھلی عدالتوں میں اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کرکے اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے۔'' اول خان نے تائید طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا'' رات تقریباً گزرنے والی ہے کیوں نہ ہم قاسم کا قصہ بھی نمٹالیں۔''

قاسم کو اسی وقت بلالیا جائے تو میں بھی اس کارروائی میں شامل ہوجاؤں گی۔'' ویرا نے اپنی ٹانگ اڑائی'' البتہ شیدے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھوں سے مشورہ ضرور کرلینا۔ اپنے ہاتھوں سے شیدے کو مارے بغیر اسے چین نہیں آئے گا۔''

''وہ شیدے کی حالت زار پر ترس کھا کر اسے اپنی طرف سے معاف کرچکا ہے۔'' سلطان شاہ نے ویرا کو آگاہ کیا'' ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھی پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہو۔ شیدے کے بارے میں اس سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

قاسم کو ریسٹورنگ روم میں بلوایا گیا تو ناک پھول جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی خون آلود قمیص دھولی تھی پھر بھی اس کی ناک سے گرنے والے خون کے داغ خاصے نمایاں تھے۔ ہمارے ساتھ ویرا کو موجود پا کر اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی مگر اس نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس وقت تک اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ ہم لوگ اپنے قیدی کی زبان سے سوال سننا پسند نہیں کرتے۔

اسے اپنی طلبی کا سبب نہیں بتایا گیا تھا اس لیے وہ بہت زیادہ سہما ہوا تھا۔ جب میں نے اسے بٹھا کو سوبھراج کے بارے میں پہلا سوال کیا تو اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

قاسم کی معلومات کے مطابق شہر کے کاروباری حلقوں میں سوبھراج کے جاننے والوں کی تعداد کافی تھی لیکن اس نے اپنے کالے دھن کی سرمایہ کاری کے لیے کسی چلتے ہوئے کاروبار کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ اپنے پیسے کی مدد سے ڈوبے ہوئے لوگوں کو سہارا دے کر دوبارہ کھڑا کیا تھا۔

قاسم فش ہاربر کا ایک کامیاب تاجر تھا۔ وہ نیلام ہونے مچھلی خرید کر آگے بیچتا تھا۔ ایک بڑے سودے میں رقم ڈوب جانے کی وجہ سے وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔ دوسرا شیرازی تھا جو کلیئرنگ اور فارورڈنگ کی مشہور فرم میں بڑے عہدے پر ملازم تھا۔ اسے غبن کرنے کے الزام میں کئی برس پہلے ملازمت سے برطرف کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ دوسری ملازمت حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ تیسرے شخص کا نام رفیق تھا۔ وہ ریکروٹنگ کا کام کرتا تھا۔ فراڈ اور جعل سازی کی متعدد شکایتوں کے بعد اس کا زرضمانت ضبط کرکے اس کی ریکروٹنگ ایجنسی کا لائسنس منسوخ کردیا گیا تھا۔

قاسم فشریز کی کامیابی کے بعد سوبھراج نے ایک ایک کر کے رفیق اور شیرازی کو ان کے مخصوص شعبوں میں دوبارہ مارکیٹ میں آنے میں مدد دی تھی۔

قاسم کے ان دونوں سے گہرے روابط تھے۔ ان کے سوا وہ کسی چوتھے شخص سے واقف نہیں تھا جو سوبھراج کا شریک کار ہو۔

قاسم انڈسٹریز سے بیرون ملک بھیجی جانے والی مچھلی کے کنٹینر لوڈ کرنے کے لیے کارگو کنگ کے دو مخصوص آدمی آتے تھے۔ قاسم ہیروئن کے پیکٹ ان کے حوالے کردیتا تھا جو صفائی سے آگے نکل جاتے تھے۔ اس بارے میں کہیں سے کوئی شکایت نہیں آئی تھی۔

باہر کے خریداروں کی ضرورت کے مطابق مقامی بلیک مارکیٹ سے ہیروئن کی خریداری شیدے کے ذمے تھی۔ وہ نہایت مناسب نرخوں پر اعلیٰ ترین معیار کی ہیروئن مہیا کرنے میں پوری رازداری سے کام لیتا تھا۔ بظاہر کسی اور کو فشری کے اس غیر قانونی دھندے کا علم نہیں تھا لیکن قاسم کو شبہ تھا کہ فشری میں سوبھراج کے رکھوائے ہوئے دو ملازم بھی اس کام میں رشید کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ صرف چوکیدار بے خبر ہوسکتا تھا۔

برآمدی مچھلی کے ساتھ اسمگل ہونے والی ہیروئن کی قیمت براہِ راست سوبھراج کے ان کھاتوں میں منتقل ہوجاتی تھی جو روایتی قانون سے مادرا' آف شور بینکوں میں کھلے ہوئے تھے۔ قاسم کو منافع کا بیس فیصد حصہ مقامی کرنسی میں الگ سے مل جاتا تھا۔ جب کہ مچھلی کے کاروبار میں وہ نصف منافع کھاتوں سے باہر رکھ کر خاموشی سے سوبھراج کو ادا کردیتا تھا۔

وہ قاسم فشریز میں سوبھراج کے غیر قانونی کاروبار کی ایک کہانی تھی۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی تھی کہ روزگار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کو بھی ان خطوط پر چلایا جارہا تھا۔ سوبھراج نے اپنے راج محل کو آگ لگادی تھی مگر اس کے خفیہ مقامی اثاثے محفوظ تھے۔ اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع سامنے آگئے تھے لیکن پھر بھی سوبھراج کی اندھی آمدنی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

اتنے رازدارانہ روابط کے باوجود سوبھراج کسی پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنے کا قائل نہیں تھا۔ نہ وہ اپنے ذاتی معاملات

Downloaded from https://paksociety.com

میں کسی کو دخیل ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ قاسم اس کی سرحدوں سے غیر قانونی نقل و حرکت پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ جہانگیر کے اغوا کی خبر دینے کے موقع پر اسے سوبھراج کی زبانی یہ معلوم ہوگیا کہ ایران میں ہونے کی وجہ سے اسے جہانگیر تک پہنچنے میں تاخیر ہوجائے گی۔ وہ چاہتا تو اپنی بیرون ملک موجودگی کا ذکر کیے بغیر تاخیر سے آمد کا فیصلہ سنا سکتا تھا۔

سوبھراج کے جرائم بہت واضح اور سنگین تھے۔ اس کے خلاف کئی گواہ آئی بی کے قبضے میں آچکے تھے۔ ان میں سنیل اور چارلی کے نام قابل ذکر تھے۔ اس صف میں قاسم کا نام نیا مگر بہت اہم تھا۔ اگر اسے بوچھ گچھ کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ امکان بہت روشن تھا کہ سوبھراج 'ڈاکٹر صادق کی طرح اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے۔

سوبھراج ایک بھڑکے ہوئے درندے کا روپ دھار چکا تھا۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آنکھ مچولی کب اور کیسے ختم ہوگی۔ اس محاذ آرائی کے نتیجے میں اگر وہ مارا جاتا تو اس کا حساب بے باق ہوجاتا۔ کسی مقدمے کی نوبت آتی نہ گواہوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس کے زندہ پکڑے جانے کی صورت میں دوسروں کے ساتھ قاسم کی ذات بھی اہمیت اختیار کرجاتی۔

قاسم تھکا ہوا اور خوف زدہ تھا' پہلے سلطان شاہ نے اس کی ٹھکائی کی پھر جہانگیر نے اسے اپنے قہر کا نشانہ بنایا۔ اسے تلقینی طور پر آرام کی ضرورت تھی۔ میں نے بازپرس کے ابتدائی مراحل ختم ہونے کی نوید سنا کر اسے اس کے کمرے کی طرف بھیج دیا۔

''صبح کے تین بج رہے تھے۔ اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر سوال کیا۔ اس کے بشرے سے تکان کے آثار مترشح تھے۔

''آج کا کام پورا ہوگیا۔ ہم تینوں کی روانگی کا بندوبست کرو!'' میں نے ہلکی سی جمائی لے کر مسکراتے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں تمہیں چھوڑتا ہوا گھر نکل جاؤں گا۔ تم جہانگیر کو بریف کردو کہ اب وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جہانگیر کو ایک کرب ناک تجربے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ملنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت ان دونوں کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ جہانگیر سمجھ دار تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ اندازہ ہوچکا تھا کہ حالات نے کس قدر سنگین رخ اختیار کرلیا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ وقت کے دھارے کے خلاف چل کر کوئی خطرہ مول لے گا۔

اول خان ہمیں گھر کے دروازے پر گاڑی سے اتار کر آگے نکل گیا۔ ابرار نے چھت سے ہمیں دیکھا اور نیچے آکر دروازہ کھول دیا۔ ہم گھر میں داخل ہوا تو غزالہ اپنے کمرے سے برآمد ہورہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ آہٹیں سن کر گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔

''آخر آپ لوٹ آئے!'' اس نے اپنے بکھرے ہوئے بال پشت پر سمیٹتے ہوئے کہا ''جہانگیر کہاں ہے سکینی کو کہاں چھوڑ آئے؟''

''ابھی تمہاری نیند اچاٹ ہوئی ہے اور غنودگی کے عالم میں بھی تمہیں ان دونوں کی فکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں ان ہی کے خواب دیکھ رہی تھیں۔'' ویرا طنز سے بولی۔

''سنیلی کے آجانے سے سب سے زیادہ پریشانی تم کو تھی۔ یہ تمہاری کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔'' غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

''یہ کسی کی شرارت نہیں ہے۔ وہ دونوں اب اول خان کے مہمان ہیں!'' میں نے بات وہیں ختم کرنے کے لیے جلدی سے کہا۔

''اب میں سکھ کی نیند سوؤں گی' سوگ کی فضا میں میری نیند بھی اڑ گئی تھی۔'' ویرا یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے سر ہلا کر اسے بھی رخصت کردیا اور غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔

غزالہ کی خمار سے بوجھل آنکھوں میں ایسی کشش عود کر آئی تھی کہ میں کمرے کی خلوت میں اس سے دور نہ رہ سکا اور والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ جیسی بیوی میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس کی ذات سے مجھے خلوص' محبت' دردمندی اور خوش مزاجی کے ایسے لاہوتی چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے جن سے انسان صرف مسرتیں اور آسودگی کشید کرتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے کبھی مجھ سے تلخ کلامی کی ہو۔ میں باہر سے جب بھی گھر میں داخل ہوا اس نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اس کی رفاقت میں' میں باہر کی ساری کلفتیں بھول جاتا تھا۔

''آپ تھکے ہارے آئے ہیں۔ کپڑے بدل کر آرام سے سو جائیں!'' اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا، اور مچل کر میری بانہوں سے پھسل گئی۔ مجھ سے چند قدم دور جا کر اس نے میری طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''اس وقت نیند سے میرا برا حال ہورہا ہے۔ مجھے سو جانے دیں تو یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔''

Downloaded From http://pakistanipoint.com

میں نے بھی اس کی طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کروٹ سے بستر پر دراز ہوگئی اور میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں بھی لیٹنے کی تیاری کررہا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے غزالہ پر ایک نظر ڈالی وہ ذرا سی دیر میں نیند کی گہری آغوش میں جاچکی تھی۔ میں سرعت سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے فون آن کرکے کان سے لگایا تو نام کی خنک آواز سنائی دی ''کرنل! مجھے کل شام کے واقعے پر دلی صدمہ ہے۔''

''بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے۔ اب تمہاری یہ ریاکاری نہیں چل سکے گی۔'' میں نے تاریک ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر ٹک کر تلخی سے کہا۔

''یہ ریاکاری نہیں حقیقت ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا ''مجھے واقعی دکھ ہوا ہے۔''

''شاید اب تم یہ کہو گے کہ الفا سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے مارنے کے لیے آسمان سے وہاں ٹپکا تھا۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کرنل! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے اصل ملال اس بات کا ہے کہ وہ کوشش ناکام ہوگئی۔ اس ناکامی سے میرا یہ شبہ بھی درست ثابت ہوگیا کہ تم مجھ سے مخلص نہیں رہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا میں یہ سمجھتا رہا کہ تم پوری رازداری کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ تم اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد پھیلائے رکھتے تھے۔''

''بہت خوب! اگر میں الفا کے ہاتھوں مارا جاتا تو تمہیں میرے مخلص ہونے کا یقین آجاتا۔ یہ بہت عجیب منطق ہے جو صرف تم پیش کرسکتے ہو۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا کوئی عام آدمی بھی ایسی نرالی منطق پیش نہیں کرسکتا۔''

''یہ کوئی منطق نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں تھا تو میں بھی تمہاری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا۔ تم ایک وار سے بچ گئے۔ اگلی بار تمہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اگر تم نے یہ دھمکی دینے کے لیے فون کیا ہے تو کان کھول کر سن لو کہ میں ایسے ہذیان کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔'' میں نے درشت لہجے میں جواب دیا ''ایسی گیدڑ بھبکیاں میں ایک مدت سے سنتا چلا آرہا ہوں۔ اب ان کا عادی ہو چکا ہوں۔''

''یہ دھمکی نہیں ایک حقیقت ہے۔ ابھی اس واقعے کے خدوخال واضح نہیں ہوئے۔ وہ باتیں سامنے آئی ہیں جو ٹیلی وژن پر بار بار دہرائی جارہی ہیں۔ ان میں تمہارے انجام کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ تمہارا فون آن ہوا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ الفا اپنا کام دکھانے سے پہلے بدنصیبی کا نشانہ بن گیا۔ کل شام ہمارے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔ اس واقعے میں تم نے کہیں بھی میرا نام لیا تو پھر میں برائی کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔''

''تم نے دیر کردی!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تم سکتے کے عالم میں تھے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔''

''بکواس مت کرو!'' فون پر اس کی غراہٹ سنائی دی ''تم نے میرے اوپر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو وہ تمہارے منہ پر گرے گی۔ تمہارے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ اپنی زبان بند رکھو ایس ٹی ایف سے مستعفی ہوجاؤ اور کہیں روپوشی اختیار کرلو۔''

''کیا میرے لیے ایف بی آئی میں شان دار ملازمت کی پیشکش واپس لے لی گئی ہے!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

''کرنل! تم کو اپنی ان باتوں پر پچھتانا پڑے گا۔ تم سوبھراج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ تمہارے ملک کا ایک نامور آدمی تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے غداری کرنے کے بعد وہ کتنا خوف زدہ ہے۔ اب وہ ہم سے معافی اور سمجھوتے کا طلب گار ہے۔ گڑگڑا رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم سے دشمنی مول لینے والے کو کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اب وہی وقت تم پر آنے والا ہے۔''

نام کے دماغ میں اپنی بڑائی اور برتری کا خناس گھسا ہوا تھا۔ اس گھمنڈ میں اس سے پہلے بھی غلطی ہوچکی تھی اور اس وقت اس نے یہ اہم انکشاف کر ڈالا کہ سوبھراج اپنے بارے میں ایف بی آئی کے سفاکانہ عزائم سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود اس سے معافی اور سمجھوتے کا خواہاں تھا۔

اپنے ڈسپلن کے معاملے میں وہ لوگ بہت سخت اور سنگ دل تھے۔ کوئی فیصلہ کرلیتے تھے تو وقت اور فاصلے کی پروا کیے بغیر اسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ ان سے مفاہمت کے لیے سوبھراج کے پاس کوئی ایسی پیشکش ہونی ضروری تھی جس کے عوض ایف بی آئی والے اسے معاف کرسکیں۔

اس خطے میں ان دنوں امریکیوں کی ساری دلچسپی صرف میری ذات میں مرکوز تھی۔ اپنے عالمگیر مقاصد کے تحفظ کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے لقمہ اجل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

سوبھراج نے ایک طرف جہانگیر کے اغوا کا بندوبست کرکے میری گردن پر ہاتھ ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ دوسری

Downloaded from https://paksociety.com

طرف وہ ٹام سے رعایت اور مفاہمت چاہتا تھا۔ بات بالکل واضح تھی کہ ٹام اس کی کسی یقین دہانی پر اعتبار کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سو بھراج مجھے ان کے حوالے کر کے خود کو ان کی سزا سے بچا سکتا تھا۔

سو بھراج کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ میرے مقدر کی خوبی کی وجہ سے الفا مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے چکر میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ میرے دشمنوں کی خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں اور میں ان کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے زندہ تھا۔

''سو بھراج تمہارے لیے کوئی نامور اور بڑا آدمی ہو سکتا ہے' میری نظروں میں اس کی حیثیت دو ٹکے کی بازاری بدمعاش سے زیادہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا ''وہ تمہارے سامنے گڑگڑا سکتا ہے' تمہارے پیروں میں گر سکتا ہے' میں مسلمان ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو تم جیسے ہزار بندر مل کر بھی مجھے نہیں مار سکیں گے.....''

''شٹ اَپ!'' اس نے دہاڑتے ہوئے میری بات کاٹ دی ''میں دیکھوں گا کہ تمہارا کیا انجام ہوتا ہے۔ موت سے اس بے خوفی نے تم لوگوں کو سرکش بنا دیا ہے۔''

تم لوگوں کا اجتماعی صیغہ استعمال کر کے اس نے مسلمانوں کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کر دیا۔ میں نے باتوں کی روانی میں اپنے مسلمان ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ وہ بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی۔ اس کے دل میں چھپا ہوا زہر زبان پر آ گیا۔

میں نے اس کے تعصب کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ میرے کہے ہوئے چند کڑوے کسیلے جملے اس کی ذہنیت نہیں بدل سکتے تھے۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا ''میرا انجام دیکھنے کے شوق میں تم الفا کو کھو چکے ہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اتنا سا فرق ہے کہ تم موت سے ڈر کر منصوبے بناتے ہو ہم بے خوف ہو کر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ہماری سرزمین پر ایک ذمے دار امریکی افسر ہوتے ہوئے تم ایسی گھٹیا باتیں کر رہے ہو۔''

''تم میری اس گفتگو کو کہیں ثابت نہیں کر سکو گے۔ میرے اپریٹس سے لگے ہوئے آلات بتا رہے ہیں کہ تم یہ گفتگو ریکارڈ نہیں کر رہے۔ میں نے تمہیں وارننگ دے دی ہے۔ اپنی زبان بند رکھو اور اپنا راستہ بدل لو۔ دوسری صورت میں تم برے انجام کا سامنا کرو گے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب مجھے ڈینی کی تلاش کی ذمے داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے؟'' میں نے اچانک اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ ہم لوگ کی غلطی تھی کہ ہم نے اس مردود کو پکڑنے کے لیے تمہارا سہارا لیا۔'' اس کی آواز ایک دم تیز ہو گئی ''میں نے کل کھل کر تمہیں بتا دیا تھا کہ اب ہم نے تمہیں سمجھ لیا ہے۔ تم ڈینی کا نام لے کر ہمارے ساتھ کوئی گھناؤنا کھیل' کھیل رہے ہو۔ اسے ہم خود پکڑ لیں گے۔ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے اب ہم دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''ذرا جڑ سے پکڑنا ورنہ وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''یہ اچھی بات ہے کہ اب تمہیں عقل آتی جا رہی ہے۔ تم مجھے دھمکا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ میں بھی تمہاری درگت بنا سکتا ہوں۔ بعد میں وزارت خارجہ میں شکایتیں نہ کرتے پھرنا۔''

''تم بہت لاف وگزاف کر رہے ہو۔ میری خواہش ہو گی کہ کوئی تمہارے منہ میں نال ٹھونس کر گولی چلائے تاکہ اس بڑے منہ کا نام ونشان باقی نہ رہے۔''

''میں نے تمہارا چیلنج قبول کر لیا ہے۔'' میں نے اس کی بات اڑا کر کہا ''بات مرنے مارنے کی ہے تو میری کوشش ہو گی کہ یہاں سے تمہارا تابوت جائے اور.....''

اس بار میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ٹام نے فون بند کر دیا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان پچھلی شام جو تلخیاں پیدا ہوئی تھیں انہیں کسی نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' بات بڑھتی چلی گئی۔

ان لوگوں کے دماغوں پر اپنی طاقت کا نشہ سوار تھا۔ وہ جو چاہتے کہہ سکتے تھے مگر میں ایس ایف ایف کے کرنل داور کی حیثیت سے کوئی غیر ذمے دارانہ بات کرنے سے کافی دیر تک گریز کرتا رہا مگر اس نے آخر میں مجھے جوابی دھمکیاں دینے پر مجبور کر دیا۔

ٹام سے گفتگو ختم ہونے کے بعد میں کافی دیر تک ڈرائنگ روم کے اندھیرے میں بیٹھا سوچتا رہا کہ ٹام کی اس کال کا کیا مقصد تھا۔

اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی ساری باتیں خرافات پر مبنی تھیں۔ اس فون کال کے ذریعے وہ صرف میرے انجام کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ ٹیلی وژن پر وی آئی پی کے کارواں پر ناکام قاتلانہ حملہ کرنے والے کے مارے جانے کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ اس میں کسی اور کردار یا واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

اسٹیڈیم کی پارکنگ سے ٹام کی گاڑی روانہ ہوتے ہی وہاں گولی چلی تھی۔ اس ایک فائر سے ہونے والی موت کی خبر شہر میں ہر طرف پھیل چکی تھی۔ وہاں کوئی دوسرا فائر نہیں ہوا تھا۔ مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

حیرت تھی کہ ٹام کو میری سلامتی کے بارے میں خدشات کیوں تھے۔

پھر وہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی۔ جلال سے ضرورت کے تحت فون پر کئی مرتبہ میری بات ہو چکی تھی۔ پچھلی شام مراد میڈیکوز کے قریب اس سے ملنے کے لیے بھی گیا تھا لیکن اس سے تفصیلی بات چیت کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔ ہر بار مختصر اور کام کی باتوں کے بعد سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے یہ بتایا کہ الفا کی لاش کے قریب پورے میگزین کے ساتھ امریکی ساخت کی ایک رائفل ملی تھی۔ اس نے سائلنسر کا ذکر کیا تھا نہ مجھے اس بارے میں کچھ کریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ٹام کے تجسس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ الفا کی رائفل بے آواز تھی۔ اس نے صرف یہ جاننے کے لیے مجھے فون کیا تھا کہ الفا اپنا کام پورا کرنے کے بعد مارا گیا یا تھا اس سے پہلے فرشتہ اجل نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

میں اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پہلو میں لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔

میں تھکا ہوا تھا اور چند گھنٹوں کے لیے سونا چاہ رہا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں مگر ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا۔ دھیمی روشنی میں خواب گاہ کا سناٹا میرے لیے خیال انگیز ثابت ہو رہا تھا۔ ذہن میں دوستوں اور دشمنوں کے عجیب و غریب پیکر بن اور بگڑ رہے تھے۔

میں کافی دیر تک بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے ذہن میں ابھرنے والے تصوراتی خاکوں میں ٹام اور سوبھراج کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری بے چین غزالہ کی نیند میں خلل کا سبب نہ بن جائے۔ میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ اس بار میں نے باہر سے آنے والے انعکاس کو نا کافی تصور کرتے ہوئے ایک سائیڈ لیمپ روشن کر دیا۔

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ صبح کا اجالا نمودار ہونے میں بہت دیر باقی تھی۔ مجھے نیند آ جاتی تو وہی وقت تیزی سے گزر جاتا۔ بے خوابی اور تنہائی کے عالم میں ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔

خود رو خیالات میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اپنا ذہن پچھلے چند گھنٹوں کے واقعات پر مرکوز کر دیا۔

جہانگیر کو سوبھراج کے بھیانک چنگل میں جانے سے پہلے رہا کرا کے میں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہو۔ میرے ساتھ میرے دشمنوں کے ستارے بھی ان کی یاوری کر رہے تھے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک ہی وقت میں دونوں حریف اپنی اپنی جگہ پر کامیاب تھے۔

آئی بی والوں نے الفا کو مار کر کامیابی حاصل کی تھی تو ٹام نے اسٹیڈیم کی پارکنگ سے بروقت فرار ہو کر اپنی جان بچانے میں کامیابی حاصل کی تھی' سوسائٹی کے علاقے میں' میں نے جہانگیر کو رہا کرا کے سرخروئی حاصل کی تھی اور اسی مقام سے سوبھراج' سلطان شاہ کی فائرنگ سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

آویزش جاری تھی۔ ہمیں کوئی فیصلہ کن فتح نصیب نہیں ہو سکی تھی۔ یہ نقصان ضرور ہوا تھا کہ میں کرنل دلاور بن کر امریکی اہل کاروں کے ساتھ بلی اور چوہے کا جو دوہرا کھیل' کھیل رہا تھا اس کا خاتمہ ہو چکا تھا' ٹام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی۔

اس حد تک سب کچھ واضح تھا لیکن سوبھراج کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ حیران کن تیزی کے ساتھ ایران سے کراچی پہنچا اور ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔

ٹام نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خود سوبھراج کو ٹٹول کر اپنی الجھن دور کرنے کی کوشش کر لوں۔ وہ میرے وقت کا بہترین مصرف ثابت ہو سکتا تھا۔

قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بعد یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ اس وقت سوبھراج کی سوچ کس سمت میں کام کر رہی تھی۔

میں نے خاموشی سے اس کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر سوبھراج کی ہیلو کی آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔ میں اپنے گھر میں مضطرب تھا تو میرے دشمن بھی سکھ کی نیند سے محروم ہو چکے تھے۔ سوبھراج کی بھاری آواز میں خمار کا ہلکا سا شائبہ تک نہیں تھا۔

''کیا اس وقت بھی تم کراچی سے سیکڑوں میل دور ہو؟''

میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اپنی طرف سے تلخ کلامی کی ابتدا نہیں کروں گا۔

''اوہ.....! ڈینی!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی ''کیا تمہیں جہانگیر کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی ہے؟'' اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے میرے سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔

اس کا سوال بہت مشکل تھا۔ اصولی طور پر اس کے معصومانہ

Downloaded from https://paksociety.com

انداز پر مجھے پھٹ پڑنا چاہئے تھا۔ مصلحت کا تقاضا تھا کہ میں نرمی سے کام لوں۔ میں نے کہا ''اسے انٹیلی جنس بیورو والوں نے کسی مکان کے خانے سے برآمد کرلیا ہے۔ ابھی وہ ان کی تحویل میں ہے۔''

''یہ بہت اچھی خبر ہے۔ ایجنسیوں سے تمہارے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اب تک اسے گھر لوٹ آنا چاہئے تھا۔'' میری طرح وہ بھی صبر اور تحمل سے بات کررہا تھا۔

''وہ ابھی نہیں لوٹا۔ آئی بی والے اپنی پوچھ گچھ مکمل کرنے کے بعد اس کی جان چھوڑیں گے۔ کام کے معاملے وہ کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ وہ تمہارے آدمیوں کے خلاف کسی کریک ڈاؤن میں مصروف ہیں۔ اس دوران میں جہانگیران کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ خاص طور پر اس کو تلاش نہیں کررہے تھے۔''

''تم کس کریک ڈاؤن کی بات کررہے ہو؟'' اس کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ شہر میں لوٹ آیا تھا۔ شاید اسے اپنے کاروباری دوستوں سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے وہ تفصیلات سے بے خبر تھا یا شاید بن رہا تھا۔

''تم نے میرے پہلے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' اس بار میں نے اس کی بات ٹال دی۔

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ''میں کراچی سے بہت دور تھا۔ چند گھنٹے پہلے یہاں واپس آیا ہوں جہانگیر کے انحوا سے میرا یا میرے کسی آدمی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کسی نے تم کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش کی ہے۔ میں ایک بہت ضروری فائل لینے کے لیے آیا ہوں۔ کچھ آرام کرکے دوبارہ لوٹ جاؤں گا۔''

''اگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو خاموشی سے لوٹ جانا چاہئے۔'' کوشش کے باوجود میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہیں پاسکا۔ وہ بہت دیدہ دلیری کے ساتھ میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ ضروری فائل والی بات مجھے بے سروپا محسوس ہوئی تھی۔

''میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ شہر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ میں اپنے جن دوستوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہا ہوں ان کے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا میں تمہارے ان دوستوں کے نام جان سکتا ہوں؟''

''تمہارے لیے وہ اجنبی ہیں۔ تم میرے خیرخواہ ہو اس لیے یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ انہیں رفیق اور شیرازی کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔'' اس نے بہت مکاری سے کام لیتے ہوئے قاسم کا نام حذف کردیا۔

''یہ نام میرے لیے واقعی اجنبی ہیں۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''مجھے صرف قاسم کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جہانگیر کو اس کے گھر میں قید کیا گیا تھا۔''

''یہ وہی قاسم تو نہیں جو ایک فشری کا مالک ہے؟'' سوبھراج نے قلابازی کھائی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ مکمل بے خبری کا اظہار کرکے وہ بات آگے نہیں بڑھا سکے گا۔

''سوبھراج! مجھ سے چال بازی مت کرو!'' میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ پھر بھی میں نے اپنی آواز زیادہ تلخ نہیں ہونے دی۔ ''وہ تمہارا پارٹنر بتایا گیا ہے۔ اسے پکڑ لیا گیا ہے اور اس نے بدترین عذاب کے سامنے ہتھیار ڈال کر بہت کچھ اگل دیا ہے۔''

''وہ جھوٹا ہے' اپنی جان بچانے کے لیے میرا نام لے رہا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا کہا ہے اس حرام زادے نے؟''

''میں بتا چکا ہوں کہ ابھی مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں۔'' قاسم کا نام لے کر اسے مضطرب کرتے ہی میری کھوپڑی کچھ ٹھنڈی ہوگئی اور میں اپنے لب و لہجے پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا ''مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم اپنے محسنوں کو ٹھکانے لگانے پر تل گئے ہو۔ ڈاکٹر صادق کے بعد قاسم بھی تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو مجھے تعجب نہیں ہوگا۔''

''تم پھر صادق کا نام لے بیٹھے۔ اس کا معاملہ دوسرا تھا۔ قاسم کو اس کے جھوٹ کی سزا ملنی چاہئے۔''

''یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قاسم کے گھر پر خفیہ چھاپے کے وقت ایک گاڑی میں دو مشتبہ آدمی وہاں آئے تھے جو للکارنے پر وہاں سے بھاگ گئے۔'' میں نے سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

''کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک میں خود تھا۔'' اس نے جھلاہٹ کا سا لہجہ اختیار کرکے پیش بندی کرنی چاہی۔

''یہی کہا جارہا ہے۔ خم دار ناک کی وجہ سے تم کو ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ تم وہاں کیا کرنے کے لیے گئے تھے؟'' میں نے بات کھول دی۔

''یہ جھوٹ ہے' سراسر بکواس ہے۔ آئی بی کوئی معمولی ایجنسی نہیں ہے۔ انہوں نے میرا سایہ بھی دیکھ لیا ہوتا تو دنیا کے آخری سرے تک میرا پیچھا کرتے۔ مشتبہ آدمیوں کے فرار ہونے کی کہانی کیا تمہیں بودی نہیں معلوم ہوتی۔''

وہ اس کا مضبوط نکتہ تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کرکے کہا ''میں کہانی نویس ہوں اور نہ کہانیوں پر غور کرتا ہوں۔ مجھے حقائق بتائے گئے ہیں جنہیں جھٹلانا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ان کی ساری توجہ قاسم کے گھر پر مرکوز تھی جہاں ایک قیدی مل چکا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر تمہارے پیچھے نہیں جا سکتے تھے اس لیے تم نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تم خود سوچو! میرے لیے وہاں کیا رکھا ہوا تھا۔ میں وہاں کیوں جاتا؟"

"سوچنے کی بات مت کرو۔ میں نے ان کڑیوں پر بہت غور کیا ہے اور ایک نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔ میں اس بارے میں ابھی اپنی زبان نہیں کھولنا چاہتا۔ جہانگیر آجائے تو اس کی کہانی سننے کے بعد میں کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔ تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دشمن میرے خلاف تمہارے کانوں میں زہر انڈیلنے میں کامیاب رہے ہیں۔ مجھ سے کھل کر بات کرو میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مناؤں گا۔"

وہ مجھے خود راہ دے رہا تھا۔ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔ میں نے ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں "سچی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ تم میری نظروں میں دھیرے دھیرے اپنا اعتبار کھوتے جا رہے ہو۔ میرے ذہن میں ایک کچا نظریہ جنم لے چکا ہے۔ جہانگیر آجائے تو وہ اس کی تائید یا تردید کر سکے گا۔" میں دانستہ خاموش ہو گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے۔ بولتے رہو۔ میں دھیان سے تمہاری بات سن رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "مجھے اپنے کچے نظریے کے بارے میں بتاؤ۔"

"قاسم تمہارا دوست اور پارٹنر ہے۔ تمہارے اشارے پر اس نے جہانگیر کو پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر لیا۔ قاسم سے وہ خبر ملتے ہی تم لوٹے اور اس کے گھر پہنچے لیکن آئی بی والے تم سے پہلے وہاں موجود تھے۔ تمہیں بھاگنا پڑا۔"

"مگر کیوں؟ تم نے یہ نہیں سوچا کہ میرا تم سے براہ راست رابطہ تھا تو میرے لیے جہانگیر کی کیا افادیت رہ گئی تھی۔ اتنے پاپڑ بیل کر مجھے کیا مل جاتا؟"

"میں نے خود تم کو مشورہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں سے میرا سودا کر لو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مشورہ بلا سبب نہیں دیا گیا تھا۔ میں تمہارا ذہن پڑھ رہا تھا تم پہلے سے اس لائن پر کام شروع کر چکے تھے۔ مجھے امریکیوں کے حوالے کر کے تمہیں ایف بی آئی سے معافی مل سکتی تھی۔ تمہیں امید تھی کہ جہانگیر تمہیں میرے ٹھکانے تک پہنچا دے گا لیکن آئی بی والوں نے تمہاری ان امیدوں پر پانی پھیر دیا۔"

"بہت انوکھی کہانی سوچی ہے تم نے!" وہ کمبھیر آواز میں بولا "میرے خلاف تمہارے دماغ میں لاوا ایک رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تمہاری ان غلط فہمیوں کو کیسے دور

خدمتِ انسانیت ایک عظیم عبادت ہے
ارشاد نبوی ﷺ

آپ پریشان آخر کب تک؟

اگر خدانخواستہ آپ کسی بھی اندرونی بیماری
اعصابی کمزوری، تبخیر معدہ یعنی گیس ٹربل
شوگر یا دیگر قابل علاج امراض
کی پریشانی میں مبتلا ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ
ہوں کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ ہمارا بلند معیار۔ بااصول
مستند اداہ آپ کو سستا، آسان، اصولی، تسلی بخش
مستقل اور مختصر علاج فراہم کرے گا۔

ہمارا طریقہ علاج

دوسرے اداروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس سے
بفضلہ تعالیٰ مرض جڑ سے ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ علاج
کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

ادویات بذریعہ ڈاک منگوائی جا سکتی ہیں

اندرون و بیرون ملک حضرات اپنے تمام حالات
مفصل لکھ کر مشورہ حاصل کر سکتے ہیں۔ صیغہ راز ایک امانت
ہو گی۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنی مرض کو لمبی
پرانی یا لاعلاج نہ بنائیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنا
اصولی، تسلی بخش اور مستقل علاج کروائیں۔ کیونکہ اگر صحت
اچھی ہو گی تو تب ہی ساری خوشیاں بھی اچھی لگیں گی

تندرستی ہزار نعمت ہے

منیجر مستند ادارہ انجم الصحت

شریف دواخانہ قائم شدہ ۱۹۴۱ء

پوسٹ بکس ۹ حافظ آباد پوسٹ کوڈ ۵۲۱۱۰ پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

کرسکوں گا۔''

''تم مجھ سے ملنے سے ہمیشہ کتراتے رہے ہو۔ایک بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرلو۔ میں تمہاری آنکھوں میں سچ پڑھ لوں گا۔''

''میں بھی بہت شدت سے ایک تفصیلی ملاقات کی ضرورت محسوس کررہا ہوں۔ یہ بدقسمتی ہے کہ میرے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی مجبوری ہے۔ مجھے بینک لاکر سے ایک اہم فائل نکال کر لے جانی ہے اس کام سے نمٹنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔''

اس کی زبان سے دوسری بار فائل کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا''تم بار بار کس فائل کا ذکر کررہے ہو۔اس کی کیا اہمیت ہے۔''

''تم یہ سوال نہ کرتے تب بھی میں تمہیں ضرور بتاتا کہ وہ کیسی فائل ہے۔تم کوگرین کو برا یاد ہے؟''اس کی آواز یکا یک پرسکون ہوگئی۔

فائل کا وہ نام میرے دل و دماغ پر نقش تھا۔یادداشت تازہ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔دہلی کے تیرتھ رام اسپتال کے قریب واقع راکے دفاتر کا سربراہ انل بسواس تھا۔ میں نے اس کے ماتحت نریش شرما کو جہنم واصل کرکے اور اپنی جان پر کھیل کر گیارہ اہم ترین فائلوں کا بنڈل وہاں سے نکالا تھا۔جن میں گرین کو برا فائل سب سے اہم اور خطرناک تھی جسے جی سی کا کوڈ دیا گیا تھا۔

ویرا نے وہ تمام فائلیں لاہور میں جلال کے حوالے کی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ فائل سرکاری تحویل سے سوبھراج کے قبضے میں کیسے چلی گئی تھی۔

''یہ کوئی پرانی بات ہے تو مجھے یاد نہیں رہی۔'' میں نے جھوٹ بولا۔

''ذہن پر زور دو۔سب یاد آجائے گا۔وہ راکے پاکستان ونگ کے سربراہ انل کی بنائی ہوئی فائل تھی۔کہا جاتا ہے کہ اسے تم اڑا کرلائے تھے۔اب وہ میرے قبضے میں ہے۔''

وہ ہولناک انکشاف تھا۔میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس فائل کا غیر متعلقہ لوگوں کے ہاتھ میں جانا بہت خطرناک تھا۔ میں نے اپنے اوپر جبر کرکے بے زاری سے کہا''یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟''

''جنگل میں مورنا چا'کس نے دیکھا۔یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہئے کہ وہ فائل میرے پاس ہے۔تم یہ بات دوسروں کو ضرور بتاؤ گے۔ مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسرائیل اور امریکا اس فائل کے بہت بڑے خریدار ہیں۔ بتا کر ایسے کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔اب میں اسے کھلی منڈی میں نیلام کروں گا۔اب تک مجھے کچھ امید تھی کہ پاکستان میں میرے لیے فضا سازگار ہوجائے گی اور میں یہاں رہ سکوں گا مگر اب میں مایوس ہوچکا ہوں۔جس ملک میں مجھے عزت نہیں مل سکتی مجھے اس کی پروا نہیں ہوگی۔''

''مجھ سے ملنے کی بات کرتے کرتے تم نے اچانک یہ نئی کہانی شروع کردی۔تمہارے کیا ارادے ہیں؟''

''اب میرے ارادے اچھے نہیں ہیں۔تم فکر نہ کرو فائل اپنے قبضے میں محفوظ کرنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔اب وہ فائل میری زندگی کی ضمانت ہے۔اسے حاصل کرنے کے لیے تم سمیت پاکستان کا ہر نمک خوار مجھے زندہ رکھنے پر مجبور ہوگا۔''

''میرا کسی فائل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔اس گمان میں نہ رہنا کہ میں چند کاغذوں کے لیے اپنے فیصلے بدلوں گا۔اگر تم کو مجھ سے کوئی ڈر ہے تو پھر مجھ سے نہ ملو۔''

''نہیں ڈینی! میں تم سے ضرور ملوں گا۔ یہ ملاقات مجھ پر قرض ہے۔تم جو چاہو کہتے رہو۔تمہارا عمل میرے سامنے ہے راوالے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے یہاں آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔تم اس فائل کو کیسے بھلا سکتے ہو جسے حاصل کرنے کے لیے تم نے دہلی میں خون کا ایک دریا پار کیا تھا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا''اس وقت تم متضاد باتیں کررہے ہو۔کبھی فائل کو نیلام کرنے کی بات کررہے ہو اور کبھی اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہے ہو۔تمہارا دماغ دھندلایا ہوا ہے۔''

''پہلے میں قاسم جیسے لوگوں سے یہاں اپنے حساب بے باق کروں گا۔ اس دوران میں فائل کی بولی بڑھتی رہے گی۔ بھارت والے بھی اسے واپس خریدنا چاہیں گے۔وہ اسرائیل اور امریکا سے بڑے دام لگائیں گے۔ جب میں تمہاری مٹی کو آخری بار خیر باد کہوں گا تو اس فائل کا فیصلہ ہوگا۔اس وقت تک یہ میری ڈھال بنی رہے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ اب جلد ہی میرا اور تمہارا آمنا سامنا ہوگا۔''

ہلکی سی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن اچانک خالی ہوگیا ہو۔ اس میں کوئی بات باقی نہیں رہی تھی'صرف گرین کو برا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ فائل محفوظ ترین سرکاری تحویل سے سوبھراج کے ہاتھ میں کیسے چلی گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور ندر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں خفیہ فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کے پنجے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو بہروپ کی دباؤ سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونا ہی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ انادر نامی میسونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بیعت چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہتر ین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ انادر اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسگر ہلاکت کی پشت پناہی کو بہرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر خفیہ گی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ کسی اور اس کے حامیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سہیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی نور آہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سہیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث بنی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سہیل اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دو اشد زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سہیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سہیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی ایل نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران انٹیشن فورس کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی انٹیشن گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار فی ایک جاں بحق ہو گیا تھا۔ اسی سے تفتیش آئی ایل کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کروا لی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کی بہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر داؤ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دو ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چندرا معلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران نام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفانا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اترا تو جب ہی ایک فائر ہوا اور الفانا کی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم شریر پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کو برا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔

اب آپ قسط نمبر 240 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''تم خاموش کیوں ہو..... کیا سوچ رہے ہو؟'' ویرا نے زچ ہو کر تیسری مرتبہ وہ سوال کیا اور میں نے اسے ٹالنے کے لیے تپائی سے اخبار اٹھا کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

''آپ اس بے چاری کو کیوں ستا رہے ہیں؟'' غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

نے اس کی سفارش کی ''وہ آپ سے کچھ پوچھ رہی ہے۔''

''جب میں کچھ سوچ ہی نہیں رہا تو اسے کیا بتاؤں!'' میں نے غزالہ سے کہا ''کبھی کبھی آدمی کو خاموش رہ کر سکون ملتا ہے۔ اس وقت میں ایسی ہی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔''

''دیکھو ڈینی!'' ویرا آنکھیں نکال کر بولی ''میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔''

''بے شک!'' اچانک سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک لی ''میں ایک مدت سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم ایک بالغ اور نیم عاقل عورت ہو، بچی یا لڑکی نہیں رہی ہو مگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔''

''بڈھے طوطے! تم خاموش رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہی۔'' ویرا جل کر بولی ''خود کو افلاطون مت سمجھا کرو۔ میں تم سے زیادہ عقل مند ہوں..... اگر میں نیم عاقل ہوں تو تم چوتھائی بلکہ اس سے بھی کم عاقل ہو۔''

''میرا درجہ گھٹانے کی کوشش مت کرو۔ تم ہر حال میں مجھ سے آدھی رہو گی۔'' سلطان شاہ اس کے تلملانے پر ہنستے ہوئے بولا ''اپنے مسلک میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوتی ہے۔''

''مسلک کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ تمہاری بدزبانی کے جواب میں دوسروں کی دل آزاری نہیں کی جا سکتی لیکن میری آرزو ہے کہ تمہاری شہادت کا موقع جلد از جلد آئے تاکہ زمین کا بوجھ کچھ کم ہو سکے!'' ویرا نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

''میں اصلی شہادت کی نہیں، گواہی کی بات کر رہا تھا۔'' سلطان شاہ بوکھلا کر بولا ''تم میرے مرنے کی دعاؤں پر اتر آئیں!''

''مجھے پڑھانے کی کوشش مت کرو، اتنی اردو میں بھی جانتی ہوں۔'' ویرا نے اسی لہجے میں کہا ''میں نے وہی لفظ استعمال کیا ہے جو تمہاری زبان پر آیا تھا۔ حیرت ہے کہ تم ایک مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور شہید ہونے سے ڈرتے ہو!''

سلطان شاہ منہ چلا کر رہ گیا۔ اسے ویرا کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

''تم نے جو بات اچھے پیرایے میں استعمال کی ہے، وہ ٹام کے لیے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے۔'' میں نے ان کی تکرار ختم کرانے کے لیے دخل اندازی کی۔

''تمہیں یکا یک ٹام کیسے یاد آ گیا؟'' ویرا اپنی بحث کو بھول کر میری طرف متوجہ ہو گئی۔

''رات گئے اس کا فون آیا تھا۔ اسے سخت تکلیف ہے کہ موت سے بے خوفی نے ہم لوگوں یعنی مسلمانوں کو سرکش بنا دیا ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔

''وہ صحیح کہتا ہے۔ دنیا بھر میں یہ سوچ بہت تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے کہ شہادت کے نظریے نے مسلمانوں کے لیے موت کو پرکشش بنا دیا ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والے اور دہریے بھی موت سے ڈرتے کانپتے ہیں۔'' ویرا نے کسی تردّد کے بغیر کہا ''یہ اس کرۂ ارض کی بدنصیبی ہے کہ طاقت کا توازن اس وقت عیسائی دنیا کے ہاتھ میں ہے اور امریکا اس کا سرخیل بنا ہوا ہے۔ دنیا میں جہاں بھی ظلم ہوتا ہے اس کی ذمے داری امریکا کے سر پر ڈالی جاتی ہے اور ظلم کے خلاف لڑنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ وہ اپنے اللہ کے احکام کی سربلندی اور زمین کی حفاظت یا آزادی کے جذبے میں ڈوب کر لڑتے ہیں۔ ان کے دلوں میں موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ ان کے مخالف مرنے سے ڈرتے ہیں، کئی عشروں سے چلنے والی یہ مقامی لڑائیاں اب رفتہ رفتہ امریکا اور مسلمانوں کے تصادم میں ڈھل چکی ہیں۔ اسی وجہ سے امریکی زیادہ تشویش میں مبتلا ہیں۔ سب وہی سوچتے ہیں جو ٹام کہہ چکا ہے لیکن یہ بات دانستہ اچھالی نہیں جا رہی۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آج کی مشینی دنیا کی روح یعنی تیل پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اگر امریکا کھل کر مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتر آیا تو اس کے جگمگاتے ہوئے شہر ہولناک اندھیروں میں ڈوب جائیں گے اس کے لیے اپنا تیل ناکافی ہے۔''

''بہت خوب!'' ویرا کی تقریر پر سلطان شاہ خاموش نہ رہ سکا۔ ''تم نے ٹام کی ذرا سی بات کو کھینچ تان کر اس عالمی سیاست سے ملا دیا جس کے خلاف دنیا بھر میں شدید غم و غصے کی لہر اٹھی ہوئی ہے۔ تیل اور دوسرے وسائل کی لڑائی سے ہمارا کیا تعلق.....! اس وقت ہمارا جھگڑا ٹام اور سوبھراج سے ہے۔ بات کو وہیں تک رہنے دو۔''

''تم میرا مضحکہ اڑاتے رہو لیکن میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ ایک دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ میری ہر بات سچ ہے۔'' ویرا بولی۔

''پاکستان میں کہیں بھی قابلِ ذکر مقدار میں تیل نہیں پایا جاتا پھر تمہارے ہم وطن کیوں ہمارا تیل نکالنے پر تلے ہوئے ہیں؟'' سلطان شاہ نے پوچھا۔

''تمہارے دو قصور ہیں۔ اول یہ کہ تمہارا ملک انتہائی حسّاس جغرافیائی خطے میں واقع ہے۔ روس کو دندان شکن ہار کا

Downloaded from https://paksociety.com

سامنا نہ کرنا پڑتا تو وہ افغانستان کو روندنے کے بعد پاکستان کا رخ کرتا تاکہ اسے گرم پانی کی سال بھر کھلی رہنے والی بندرگاہوں تک رسائی مل سکے۔'' سلطان شاہ کی ظالمانہ جرح کے باوجود ویرا کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی اور میں محض اس وجہ سے خاموش تھا کہ سلطان شاہ سے ابھرکردہ مجھے بھولی ہوئی تھی۔

''تمہاری یہ اسٹریٹجک اہمیت ہمیشہ بڑی طاقتوں کی نگاہ میں کھٹکتی رہی ہے۔ بھارت تم سے بہت بڑا ملک ہے لیکن اسے یہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی ''اس کو یہ خلش ہے کہ پاکستان نہ بنا ہوتا اور برصغیر ایک ہی مملکت ہوتی تو یہ اعزاز بھارت کو ملتا۔ اب ان کے پاس ایک کمزور کارڈ ہے کہ وہ چین کے پڑوسی ہیں۔ چین نے جب سے آہنی دیوار گرا کر معاشی میدان میں اوپن ڈور پالیسی اپنائی ہے اس کے بارے میں مغرب کا رویہ بہت تیزی سے بدلا ہے۔ دشمنی اور مخاصمت کو بھول کر ہر ترقی یافتہ ملک اب دنیا کی سب سے بڑی منڈی میں گھسنے کی کوشش کررہا ہے.....''

''تم بالکل درست کہہ رہی ہو!'' سلطان شاہ نے تمسخر آمیز انداز میں سرہلاتے ہوئے اس کی بات میں دخل اندازی کی ''سامراجیت کے نئے روپ کے بارے میں برسوں سے شور مچا ہوا ہے۔ اب فوجی قبضے کا تصور معاشی غلبے میں معدوم ہورہا ہے۔ امن و امان کے ساتھ آمدنی اور وسائل پر قبضہ ہوجانے کے بعد کسی جگہ فوجیں اتارنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اپنی بات آگے بڑھاؤ۔''

''بار بار بیچ میں ٹانگ مت اڑاؤ!'' ویرا نے ناگواری سے کہا ''مجھے بولنے دو۔ مصر ایک زمانے میں عرب قومیت کا سب سے بڑا داعی تھا۔ آج جمال عبدالناصر کا وہ مصر امریکا کی بغل میں دبا ہوا ہے۔ سوئیکارنو کے انڈونیشیا کا کیا حشر ہوا..... یہ سب کھلے کھلے سبق ہیں۔ چین کے گلی کوچوں میں آج راک' پاپ اور ڈسکو میوزک کی دھنیں گونج رہی ہیں۔ چینی نوجوانوں میں جینز اور ٹی شرٹ تیزی سے مقبول ہورہی ہے۔ اس ثقافتی اور معاشی یلغار سے بچنا بہت مشکل ہے۔ امریکی فرعونوں کے لیے تیسری دنیا سے کوئی موسیٰ نہ اٹھا تو اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں امریکی پوری دنیا کو نگل جائیں گے۔ اقوام متحدہ کٹھ پتلی اور بے بس تماشائی بن کر رہ جائے گی۔ دنیا بھر کے لیے فرمان امروز ہر صبح وائٹ ہاؤس سے جاری ہوا کرے گا۔ اس سے انحراف کرنے والوں کو یا بہ جولاں کرکے دنیا بھر کے سامنے کسی چوپائے کی طرح ذلیل کیا جائے گا۔ کمزور قومیں ان سے دوستی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھیں گی۔ بے فیض حکمراں ان کے بڑوں کے ساتھ اپنی تصویریں کھنچوانے کو عین سعادت تصور کریں گے۔''

''یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے تجزیے بہت بے لاگ اور تیکھے ہوتے ہیں۔'' ویرا کے خاموش ہونے پر میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''امریکی ہونے کے باوجود تم ہر بات کو غیر جانب داری کی عینک سے دیکھتی ہو۔ اپنوں کی برائی کو بھی برائی سمجھتی ہو۔ دوسرے امریکیوں کی طرح اس کی پردہ پوشی کی کوشش نہیں کرتیں!''

''عام امریکی میری طرح سوچتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''جس طرح امریکا دوسری دنیا سے الگ تھلگ' تقریباً ایک براعظم ہے اسی طرح امریکی سوسائٹی بھی دوسرے معاشروں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ وہاں ہر شخص سیاست میں اپنا سر کھپانے کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی کھال میں مست اور اپنے حال پر خوش رہنے والوں کا ملک ہے۔ ہر چار برس بعد وہ اپنے صدر کا انتخاب کرتے ہیں اور پوری نیک نیتی سے پچھلے چار سالوں کی حکومتی کارکردگی کا جائزہ لے کر اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیتے ہیں اور پھر سیاست کو بھول کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ملک اور سیاست کو چلانا ان پیشہ ور لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے جو ان کے ووٹ سے برسراقتدار آتے ہیں۔''

''حکمرانوں کے ساتھ رائے عامہ کا بھی ایک وزن ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ فراڈ ہے۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''وہاں حکومت کے علاوہ دوسری قوت ذرائع ابلاغ کی ہوتی ہے۔ وہ گیلپ پول کے نام پر ہر مسئلے پر رائے شماری کراتے رہتے ہیں اور اس کے نتائج کو خوب اچھالتے ہیں جسے رائے عامہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں دس پانچ ہزار افراد کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسے گیلپ پول میں جان بوجھ کر سوالات کی زبان اس طرح احتیاط سے منتخب کی جاتی ہے کہ ہر صورت میں پہلے سے طے شدہ ایک اکثریتی فیصلہ سامنے آجائے۔ امریکی معاشرت کا محور ڈالر ہیں۔ وہاں ہر شخص' ہر لمحے ڈالر کمانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے پاس سیاست لڑانے کا وقت نہیں ہوتا۔''

''تم یہ نہیں کہہ سکتیں' عام امریکی اتنے بے حس ہوں تو وہاں حکومتوں کی تبدیلی عمل میں نہیں آسکتی!'' میں نے اعتراض کیا۔

''وہ بے حس نہیں ہوتے۔'' اس نے تیزی سے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا ''پوری ہوش مندی سے ووٹ دیتے ہیں

Downloaded from https://www.Paksociety.com

اور چار سال کے لیے اکثریتی فیصلہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ دوبارہ ووٹ دینے کا وقت آتا ہے تو پچھلے چار سالوں کا کچا چٹھا ان کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ کمزور ہو تو حکمراں پارٹی آن واحد میں اپوزیشن میں دھکیل دی جاتی ہے۔''

''پتا نہیں یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا ''امریکا اپنی ایسی کی تیسی میں جائے ہمیں اپنے مسائل کے حل کے بارے میں سوچنا چاہئے۔''

''ہم اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا ''پورا پس منظر جانے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جا سکتا۔''

''امریکیوں کی پاکستان دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بولی ''اس موضوع پر ہم بارہا بات کر چکے ہیں۔''

''کچھ باتیں نئی ہیں۔'' ویرا نے جواب دیا ''پچھلے چند برسوں میں دہشت گردی کو مسلمانوں سے منسوب کر کے امریکیوں کے ذہنوں میں پروپیگنڈے کے ذریعے اتنا زہر بھر دیا گیا ہے کہ اب امریکا میں وہی پارٹی حکمرانی کرے گی جو مکاری کے ساتھ دنیا بھر میں مسلمانوں کی سرکوبی کے عزائم رکھتی ہو۔ آج عام طور پر ہر امریکی مسلمانوں سے ڈرا سہما ہوا ہے۔''

''تمہارے پاس کوئی اور موضوع نہیں ہے تو میں باہر چلا جاؤں؟'' سلطان شاہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہاری وجہ سے بات اتنی بڑھی ہے۔'' ویرا نے دھیمے انداز میں کہا ''میں ڈینی کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ تمہارا دوسرا قصور یہ ہے کہ تم عالم اسلام کی اکلوتی ایٹمی طاقت بن چکے ہو۔ امریکی یہ بات جانتے ہیں کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنے عزائم کی پردہ پوشی نہیں کر سکیں گے۔ فیصلہ کن معرکے کے لیے انہیں ایک نہ ایک دن کھل کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑے گا۔ اس وقت کے آنے سے پہلے وہ تمہاری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ شہادت کے جذبے میں ڈوبے ہوئے مسلمان کے ہاتھ میں ایٹم بم آ جانے کے تصور سے وہ لرزہ براندام ہیں۔''

ویرا خاموش ہو گئی۔ اس کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔

ٹام اور پھر سوبھراج سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد رات کا بقیہ حصہ جیسے تیسے گزر گیا تھا۔ وہ تینوں دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتے رہے لیکن میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا میں نے ناشتا کرتے ہوئے تازہ اخبار کا مطالعہ کیا پھر ایک ایک کر کے وہ تینوں بھی میز پر آ گئے۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ویرا نے میرے بشرے سے فکرمندی بھانپ لی اور پھر اس نے میری تفکر آمیز خاموشی کے بارے میں پے در پے سوال کر کے دوسروں کو بھی اکسانا شروع کر دیا۔

''ٹام کے بارے میں آپ کیا کہہ رہے تھے..... اس سے آپ کی کب بات ہوئی؟'' ویرا کی کچھے دار باتوں کے سحر سے آزاد ہوتے ہی غزالہ کو ٹام یاد آ گیا۔ اس نے میری بات وہیں سے پکڑی تھی جہاں سے میری فکرمندی کا سرا نکلتا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے جس نے ڈینی کو پریشان کیا ہوا ہے۔'' غزالہ کے سوال سے شہ پا کر ویرا شیر ہو گئی ''میں اتنی مدت سے تم لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ ایک ایک..... کے تیوروں کو پہچانتی ہوں۔ میں نے آتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈینی فکرمند ہے اور شاید رات کو سو بھی نہیں سکا۔'' عمومی انداز میں وہ شیخی بگھارنے کے بعد ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی ''تم سے کیا کہہ رہا تھا ٹام!''

''اتنی اونچی اڑان لینے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا ''ٹام کی بکواس کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ الفا نے مرنے سے پہلے اپنے کام دکھا دیا تھا یا وہ حرکت میں آنے سے پہلے مارا گیا تھا۔''

''خبر شہر میں پھیل چکی تھی۔ اسے یہ سب معلوم ہو چکا ہوگا۔'' ویرا نے بے اعتباری سے کہا۔

''شہر میں صرف یہ خبر پھیلی تھی کہ وی آئی پی موٹر کیڈ پر حملہ کرنے والا دہشت گرد ایک ایجنسی کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ خبر سرکاری ذرائع سے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر نشر کی گئی تھی۔ اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔''

''وہ اتنا اُلّو کا پٹھا نہیں ہو سکتا تھا کہ فائر کی آواز سن کر بھی صحیح نتیجہ اخذ نہ کر سکا ہو۔'' ویرا نے جل کر کہا۔

''اس پر تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رسانیت سے اسے سمجھایا ''ہر روز نت نئے ہتھیار بازار میں آ رہے ہیں۔ پھر سائلنسر لگے ہوئے بے آواز ہتھیاروں کا رواج پرانا ہے۔ اسے الفا کی تیزی کے بارے میں خوش فہمی رہی ہوگی۔ اس نے سمجھا کہ الفا نے اپنی رائفل سے ایک بے خطا فائر کر کے میرا کام تمام کیا اور پھر خود کسی نے بے آواز گولی کا نشانہ بن گیا۔''

''یہ ایک کمزور نظریہ ہے۔'' ویرا مطمئن نہیں ہو سکی ''ہر ہتھیار کے فائر کی ایک مخصوص آواز اور گونج ہوتی ہے وہ کیسا

Downloaded from https://paksociety.com

سیکرٹ ایجنٹ ہے کہ اپنی دی ہوئی امریکن رائفل کے فائر کی آواز نہیں پہچانتا۔ اسے کہیں ڈوب مرنا چاہئے۔''

''عجلت اور بدحواسی میں آدمی ایسی غلطیکی بار یکیوں کو فراموش کر جاتا ہے۔'' غزالہ نے میرا ساتھ دیا ''تم نے سنا نہیں کہ وہ انہیں اپنی گاڑی سے اتارتے ہی کیسی عجلت میں وہاں سے فرار ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی خاموشی سے اس کا پیچھا کرتا ہوا نیشنل اسٹیڈیم کی پارکنگ میں پہنچ چکا ہوگا۔''

''نام کے قصے پر لعنت بھیجو!'' ویرا نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا ''تم کہہ چکے ہو کہ نام سے ہونے والی گفتگو تمہارے لیے پریشان کن نہیں تھی پھر تم کس کے فراق میں رات بھر جاگتے رہے؟''

''میں نے سوبھراج سے بات کی تھی!'' میری زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی وہ تینوں حیران رہ گئے۔

''اور تم اتنی دیر سے ہر بات اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو!'' ویرا چیخ کر بولی۔

''قاسم' رفیق اور شیرازی کی گرفتاری نے اس کے اوسان خطا کئے ہوئے ہوں گے!'' سلطان شاہ نے پورے وثوق سے امید ظاہر کی۔

''اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ قاسم نے اپنے پکڑے جانے کے بعد اس کی پول کھول دی ہے۔ وہ مسلسل اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔''

''ظاہر ہے کہ وہ کھل کر جہانگیر کے اغوا کا کبھی اعتراف نہیں کرے گا۔'' ویرا نے کہا ''اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے کہ اصل بات کچھ اور ہے جسے تم نے ظاہر نہیں کیا۔''

''تم پوری بات سنے بغیر نتائج پر چھلانگ لگانے لگتی ہو۔'' میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا ''اس کے ساتھ میرا رویہ شروع سے آخر تک جارحانہ رہا۔ وہ مدافعت کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے گرین کو برا کاذکر کر کے مجھے حیران کر دیا۔''

''گرین کو برا!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو وہی اہم ترین فائل تھی جسے تم نے دوسری فائلوں کے پلندے کے ساتھ دہلی سے اڑایا تھا۔''

''وہ پلندا ویرا نے امرتسر سے لاکر لاہور میں جلال کے حوالے کیا تھا'' ویرا کی بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے ٹکڑا لگایا۔

''اس کا کہنا ہے کہ وہ فائل اب اس کے قبضے میں ہے۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''وہ جھوٹ بولتا ہے۔'' ویرا کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ ''تمہاری زبان سے کئی مایوس کن خبریں سننے کے بعد اس نے تم سے جھوٹ بولا ہوگا۔''

''ایسا نہیں تھا۔'' میں نے اس کی خوش فہمی کی تردید کی ''گفتگو کی ابتدا میں ہی اس نے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک ضروری فائل لینے کے لیے بہت دور سے کراچی واپس آیا تھا۔ اس وقت میں نے فائل کے تذکرے کو اہمیت نہیں دی تھی۔ دوبارہ اس نے اپنے بینک لاکر سے فائل نکالنے کا ذکر کیا تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ میرے استفسار پر اس نے گرین کو برا کا نام اگلا۔ وہ اس فائل کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اب اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہا ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے!'' میری وضاحت اسے مطمئن نہیں کر سکی۔ ''وہ ایک اہم ترین فائل تھی۔ جلال نے پوری ذمے داری کے ساتھ اسے آگے پہنچا دیا تھا۔ بعد میں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ فائل میں موجود مواد حیران کن اور چشم کشا ثابت ہوا تھا۔ اس کی روشنی میں حکومت پاکستان دوسرے دوست ممالک سے خصوصی رابطے کر رہی تھی۔''

''یہ سب مجھے یاد ہے۔ سب سے پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ اسے گرین کو برا فائل کے بارے میں کیسے علم ہوا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ پوری طرح بے نقاب ہونے سے پہلے وہ ایک اہم اور انتہائی بارسوخ سیاست داں تھا۔ اسے حکومتی حلقوں میں رسائی حاصل تھی۔ گرین کو برا فائل کے علاوہ وہ نہ جانے کن کن سرکاری رازوں سے واقف ہوگا۔''

''وہ آستین کا سانپ تھا۔'' سلطان شاہ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا ''سیاست کی بازی گری میں اپنے کمال دکھا کر اس نے اپنا ایسا مقام بنالیا تھا کہ اسے بہت کچھ معلوم ہوگا۔ دوسری طرف وہ راکا ہمدرد تھا۔ ساری خبریں اپنے اُن داتاؤں کو پہنچاتا ہوگا۔''

''اس نے گرین کو برا فائل کی نقل بھی بھارتیوں کو پہنچا دی ہوگی۔'' غزالہ اپنے غصے کے اظہار میں ان دونوں سے پیچھے نہیں رہی۔

''وہ خودغرض اور دغاباز آدمی ہے۔'' ان کے دلوں کی کچھ بھڑاس نکل جانے کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں اپنی زبان کھولی ''اس نے فائل کی نقل ابھی تک کسی کو نہیں دی۔ اس نے فائل اپنے راج محل کے بجائے کسی بینک کے لاکر میں رکھی ہوئی ہے اور اب وہ اسے بھارتیوں' اسرائیلیوں یا امریکیوں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''بھارتی اسے کیوں خریدیں گے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا''وہ ان ہی کی بنائی ہوئی فائل ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا مواد تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فائل کو دہلی میں بہت محفوظ رکھا گیا تھا۔ دوسروں کو سن رہی ہوگی کہ گرین کو برا کے نام سے راوالے دہلی میں کسی بڑے منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ اس کی تفصیل اٹل بسواس اور نریش شرما کے سوا شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ وہ دونوں جہنم واصل کردیے گئے تھے۔ ان کے بعد منصوبے کے خدوخال صرف فائل میں محفوظ ہیں۔ ایسی فائلوں کی نقلیں نہیں بنائی جاتیں۔ اصل فائل پر اصل آدمی کام کرتا ہے۔ پورا منصوبہ تیار ہوجانے کے بعد ہر ایک کو اس کے حصے کا کام بتادیا جاتا ہے۔ ڈینی ان کی ساری تیاریوں اور حفاظتی تدابیر پر پانی پھیر کر وہ فائل اڑالایا تھا۔ بھارتی اس فائل کے سب سے بڑے خریدار ہوں گے۔'' ویرا نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس فائل کی اہمیت اجاگر کی۔

''سوبھراج نے ایک بات کہی اور ہم اسے سچ مان کر اپنے سر جوڑے بیٹھے ہیں۔'' غزالہ نے کوئی نئی بات شروع کی''سب سے پہلے ہمیں یہ تصدیق کرلینی چاہئے کہ وہ فائل کہاں ہے۔ اس بات کا سراغ صرف جلال سے مل سکتا ہے۔''

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس خبر پر تم سے زیادہ پریشان ہوجاتی۔'' ویرا نے مجھے دلاسا دینے والے بزرگانہ انداز میں کہا''لیکن کسی بات کو اپنے دل پر لے کر بیٹھ جانا اچھا نہیں ہوتا۔ اتنا وقت گزارنے کے بجائے تمہیں چاہئے تھا کہ اسی وقت ہم لوگوں کو جگادیتے۔ آپس میں مشورہ کرنے سے نئے راستے کھلتے ہیں۔ اس وقت غزالہ کا مشورہ بہت صائب ہے۔ تمہیں اسی وقت جلال سے بات کرلینی چاہئے۔ وہ اپنے ذرائع سے اس فائل کے بارے میں معلوم کرلے گا۔''

میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر جلال کا موبائل فون نمبر ملالیا۔

اس وقت جلال بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے بتایا کہ وہ ہماری طرف آرہا تھا اور چند منٹ میں وہاں پہنچنے والا تھا۔

میں نے مزید کچھ کہے سنے بغیر فون بند کردیا۔

''کیا وہ زیادہ مصروف ہے؟'' ویرا نے بے تابی سے سوال کیا۔

''یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ یہیں آرہا ہے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر ہم بہتر انداز میں گفتگو کرسکیں گے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ خوش ہوگئی۔

''جلال اچھا اور محنتی آدمی ہے!'' وہ روا روی میں بولی۔

''ہوں..... خاصا اچھا اور وجیہہ ہے ہوسکتا ہے اس نے تم پر محنت کی ہو مگر وہ عیال دار ہے۔ ایسی حرکتیں نہیں کرسکتا۔'' دباؤ اور تناؤ کی کیفیت میں ذرا سی نرمی آتے ہی سلطان شاہ کی زبان چل پڑی۔ اس نے وہ فقرے ذومعنی انداز میں ادا کیے تھے۔

''اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ!'' ویرا نے اسے گھور کر کہا''میں اس کے کام کے حوالے سے بات کررہی تھی۔ مجھے اس کی وجاہت سے کیا لینا۔''

''بلی اگر دودھ سے بھرے ہوئے برتن کی تعریف کرے تو یہ نہیں مانا جاسکتا کہ اس کی نگاہیں دودھ پر نہیں ہیں۔'' سلطان شاہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔'' ویرا تاؤ میں آگئی۔

''ضرور توڑ دو مگر یہ سوچ لینا کہ پھر کہاں سوار ہوسکو گی!'' وہ اسی بے نیازی سے بولا۔

''تو میں تمہارے سر پر سوار ہورہی ہوں؟'' ویرا کا پارا چڑھنے لگا۔

''آواز نیچی اور موڈ اچھا رکھو۔ اچھا اور محنتی آدمی کسی بھی لمحے یہاں وارد ہوسکتا ہے۔'' اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تم بولے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے..... لل..... لو! میں چپ ہوگیا۔'' سلطان شاہ کو بولتے بولتے اپنا ٹریک بدلنا پڑا کیونکہ ویرا اپنی جگہ سے اٹھنے کی پوزیشن لے چکی تھی۔

''تم دونوں اپنا زیادہ وقت بے مقصد باتوں میں ضائع کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہو۔'' غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

''مجبوری ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنے کندھے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا''بات کرتے ہوئے اپنے سامنے والے کی ذہنی سطح کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لیے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ آدمی کو اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے۔''

''کچھ دیر کے لیے سنجیدگی اختیار کرلو!'' میں نے کہا''گرین کو برا والے معاملے نے میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی ہے، یہ بہت سنگین معاملہ ہے۔''

سلطان شاہ نے چپ سادھ لی۔ ویرا کی پیشانی پر کئی بل

Downloaded from https://paksociety.com

آئے ہوئے تھے۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہورہے ہیں۔'' غزالہ نے مجھے تسلی دی ''جب تک جلال کی طرف سے اس اطلاع کی تصدیق یا تردید نہیں ہوجاتی۔ ہم سوبھراج کے بیان پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کرسکتے' وہ سازشی اور جھوٹا ہے۔''

غزالہ سوبھراج کے الفاظ میری زبانی سن چکی تھی۔ وہ اس کے لب ولہجے اور گفتگو کے تسلسل سے سراسر ناواقف تھی۔ اگر سوبھراج کو صرف دھمکی دینا ہوتی تو اسے ابتدا میں کوبرا فائل کا نام لینا چاہئے تھا۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے تیسری مرتبہ اس اہم فائل کا ذکر کیا تھا جسے لینے کے لیے اسے ایران سے کراچی واپس آنا پڑا تھا۔

آثار وقرائن سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج ابتدائی جھٹکوں سے سنبھالا لے چکا تھا اور اس کا ذہن صدماتی کیفیت سے باہر آچکا تھا۔

اسے پاکستان میں اپنے سیاسی جوڑتوڑ اور داؤ پیچ کے ذریعے جو اہم مقام مل گیا تھا۔ وہ کبھی بھی اس کا اہل نہیں رہا تھا لیکن اسے زعم تھا کہ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔

وہ بہت کامیابی کے ساتھ کوبرا کا دہرا رول ادا کررہا تھا' اس راز سے الف بی آئی کے سرکردہ افسران واقف تھے یا دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے اعلیٰ عہدے دار۔ دوسروں کے لیے وہ صرف کوبرا تھا۔ اس روپ میں وہ ایک آواز کی صورت میں اپنے مخبروں اور را کے ایجنٹوں پر راج کررہا تھا۔ اسے بھی ان کے سامنے آنا پڑتا تھا تو وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپ کر ان سے ملتا تھا۔ اس کام میں ہوٹل کا ارجن نامی منیجر اس کا بہترین معاون بنا ہوا تھا۔ جوں ہی حالات نے پلٹا کھایا' سوبھراج نے اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے ارجن کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دغابازی اور محسن کشی سوبھراج کے خمیر میں شامل تھی۔ اسے پاکستان میں عزت' شہرت اور دولت ملی تھی۔ اس نے اسی ملک کی جڑیں کاٹنے پر کمر باندھی ہوئی تھی۔ ارجن اور ڈاکٹر صادق نے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں کو نہایت سفاکی سے جہنم واصل کردیا۔

اسے گھمنڈ تھا کہ اس کی طاقت اور حیثیت کی وجہ سے اس کا گھناؤنا کردار کبھی بے نقاب نہیں ہوسکے گا لیکن وقت کا پہیہ اس کے خلاف حرکت میں آچکا تھا۔

اس کی بے خبری میں اس کے خلاف چپکے چپکے کام ہوتا رہا اور جب ساری پیش بندیوں کے بعد ایک روز اچانک اس کے راج محل پر دھاوا بولا گیا تو اس اچانک کایا پلٹ پر سوبھراج کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔

ایسا برا وقت اس کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا۔ صدمے' جنون اور اشتعال کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگا دی تاکہ قانون کے محافظ اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہ کرسکیں۔

اس کے بعد وہ جو کچھ کرتا رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہا تھا۔ اس کی ناکام دفاعی کوششوں کے نتیجے میں اس کے خلاف فرد جرم طویل ہوتی چلی گئی۔ دن بہ دن اس کے گرد دائرہ تنگ ہورہا تھا۔

جہانگیر کے اغوا کی گتھی سلجھنے کے بعد یہ ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج جنون اور انتقام کے اعصاب شکن گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ سنیل جیسے بے ضمیر غلام کو کھو دینے کے بعد اس نے اپنے گرد وپیش کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ حقیقت میں اتنا بے یارومددگار نہیں ہوا تھا، جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

اس نے اپنے ان کاروباری حلیفوں پر نگاہ دوڑائی جو اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے اپنے شعبوں میں نااہل قرار دے کر کمپنی کی راہوں پر دھکیل دیے گئے تھے اور سوبھراج نے انہیں اپنے کالے دھن سے سہارا دے کر غیر قانونی دھندوں میں لگا دیا تھا۔

سوبھراج بن کردہ روپوش مجرم منظر عام پر آنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ زیرزمین دنیا میں کوبرا کی ساکھ تیزی سے ختم ہوچکی تھی۔ کھلے جرائم میں اس کا دست وبازو بننے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے تھے۔ اس نے کالے دھن سے کالا کاروبار کرنے والوں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ اس کی طاقت کا ذریعہ تھے لیکن یہ سوبھراج کی بدقسمتی تھی کہ اسی وقت جلال نے بھی اس کے دوسرے دھندوں کا کھوج لگانے کا ارادہ کرلیا۔

سوبھراج نے جہانگیر کے اغوا کے لیے قاسم کے ذریعے اپنے پروردہ بدمعاشوں سے کام لیا لیکن عین وقت پر اس کا وہ منصوبہ ناکامی سے دوچار ہوگیا۔ جہانگیر کی بازیابی کے ساتھ، سوبھراج کے سارے حلیف قانون کے آہنی چنگل میں پھنس چکے تھے۔

حالات بتا رہے تھے کہ اپنے بدترین دماغی بحران سے نکل جانے کے بعد سوبھراج نے افراد کی قوت کی دست یابی کے ساتھ اپنے ان وسائل کے بارے میں بھی سوچنا شروع کردیا تھا جو راج محل کے خاک ہوجانے کے باوجود دوسری

Downloaded from https://paksociety.com

جگہوں پر محفوظ تھے۔

مجھے اس کے مال و دولت کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جب بھی قانون کی گرفت میں آتا، لوٹ کا سارا مال اس کی تحویل سے نکل جاتا۔ فکرمندی کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی سیاسی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جن قومی رازوں تک رسائی حاصل کی تھی، وہ خطرے میں پڑ گئے تھے۔ اس کی پہلی مثال گرین کو برا فائل کے تذکرے کی صورت میں سامنے آ چکی تھی۔

مصائب کے بے امان صحرا میں اپنی زندگی بچانے کے لیے بگٹٹ بھاگتے ہوئے سوبھراج کو یکا یک ایک مضبوط سائبان میسر آ گیا تھا۔ اگر گرین کو برا فائل اس کے قبضے میں تھی تو اس کی واپسی تک سوبھراج کو نہیں مارا جا سکتا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ بالکل درست تھا کہ گرین کو برا فائل اس کے لیے زندگی کی ضمانت ثابت ہوگی۔

میں ان ہی خیالات میں غلطاں تھا کہ جلال آ گیا۔ اس کے چہرے کی نس نس سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

اس سے پتا چلا کہ اسٹیشن فور میں موجود دونوں قیدیوں کو اول خان نے آئی بی کے حوالے کر دیا تھا۔ ان دونوں کا تعلق سوبھراج کے کیس سے تھا اور وہ معاملہ سرکاری طور پر آئی بی کے سپرد کیا جا چکا تھا۔ ہمیں ان لوگوں سے براہ راست صرف اتنا سروکار تھا کہ ان کی چمڑی ادھیڑ کر جہانگیر کا سراغ لگایا جائے۔ ان دونوں کو اسٹیشن فور کا مہمان بنا کر ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا تھا۔

جہانگیر کی یازیابی کے بعد قاسم اور شیدے کی محدود افادیت ختم ہو گئی تھی۔ اول خان نے ان دونوں کو ایس ٹی ایف کے وسائل پر بوجھ بنائے رکھنے کے بجائے آئی بی والوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے اپنی معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔

جلال خوشی خوشی ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسے ذہنی جھٹکا دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کچھ دیر تک گزرے ہوئے واقعات پر باتیں کرتا رہا۔ اس کے لیے الفا کی اتفاقی موت اس وقت بھی حیران کن بنی ہوئی تھی۔ وہ تصور نہیں کر سکا تھا کہ ٹام کی نگرانی کی ایک روٹین کی کارروائی اس قدر بارآور ثابت ہو سکے گی۔ وہ واقعہ اپنی جگہ پر اتنا اہم تھا کہ کراچی سے اسلام آباد تک اس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جلال نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ ٹام کو اس کی کمین گاہ سے ہانک کر الفا سمیت میدان میں لانا میری حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا مگر ایس ٹی ایف کی طرح میں بھی پسِ پردہ رہنے پر مجبور تھا۔ امریکیوں کی طرف سے دہشت گردوں کی پشت پناہی کے الزام سے بچنے کے لیے بھی کوئی سرکاری ایجنسی کھل کر مجھے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی اس لیے الفا کی موت کا سہرا آئی بی کے سر باندھا جا رہا تھا۔

''تازہ ترین واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب سوبھراج دوبارہ اپنے پیر جمانے کی کوششیں کر رہا ہے۔'' اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران جلال نے کہا۔

''جلد ہی کوبرا کا سر کچل دیا جائے گا۔'' میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات نکالی ''یہ بتاؤ کہ گرین کوبرا کا کیا ہو رہا ہے۔ کافی دنوں سے اس پر کوئی بات نہیں ہوئی۔''

جلال کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا پھر اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اچانک تمہیں وہ فائل کیوں یاد آ گئی؟''

''پرانی باتیں کبھی کبھی یاد آ ہی جاتی ہیں!'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں دانستہ اس فائل کے تذکرے سے گریز کرتا رہا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''تم اپنی جان پر کھیل کر وہ فائل بھارت سے نکال لائے تھے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ وہ کئی ہفتوں پہلے گم ہو چکی ہے!''

''گم ہو چکی ہے!'' ویرا حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑی۔

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ وفاقی وزارت داخلہ کے سیکریٹری دفتر سے چرا لی گئی ہے۔'' جلال نے آزردگی کے ساتھ اپنے ابتدائی بیان کی تصحیح کی ''غنیمت یہ ہے کہ وہ فائل آتے ہی اس کی تین نقلیں کرا لی گئی تھیں جو صدر، وزیراعظم اور وزیر خارجہ کے دفاتر میں محفوظ ہیں اور اب ان ہی سے مدد لی جا رہی ہے ورنہ دوسری صورت میں ہم اس خوف ناک ماسٹر پلان سے ہاتھ دھو چکے ہوتے۔''

''لیکن اصل فائل کیسے چوری ہو گئی؟'' ویرا کے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا ''دشمن کے جبڑوں سے نکالی ہوئی ایک اہم فائل چوری ہو چکی ہے تو اس ملک میں کیا چیز محفوظ ہے؟ ہوم سیکریٹری ملک بھر کا نباض ہوتا ہے۔ وہ اپنے دفتر کی حفاظت نہیں کر سکتا تو اتنے بڑے ملک کی داخلی سیکیورٹی کو کیسے سنبھال سکتا ہے۔''

''اسے معطل کر کے حراست میں لے لیا گیا ہے۔ اس کے دفتر کے مزید سات افراد پکڑے گئے تھے جن میں سے چھ بے گناہ ثابت ہوئے۔ جب گھر میں بدنیت لوگ موجود ہوں تو

Downloaded from https://paksociety.com

باہر سے کسی چور کو آنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غداری کے ایسے واقعات دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں.....''

''یہ کوئی جواز نہیں ہے۔'' ویرا نے اس کی بات کاٹ دی ''دنیا بھر کے کلبوں میں ننگے ناچ ہوتے ہیں، یہاں کیوں نہیں ہوتے؟''

ہم سب بہت حسّاس اور دردمند پاکستانی تھے لیکن اس وقت ویرا ہم سے زیادہ غصے میں آئی ہوئی تھی۔ جلال نے اس کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے اسے کوئی سخت جواب نہیں دیا۔ نرمی سے بولا ''تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ اس واردات میں کسی لالچ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ان دفاتر کا سیکورٹی افسر سوبھراج کا گہرا دوست ہے۔ وہ اسلام آباد جاتا تھا تو ہر شام سیکورٹی آفیسر کے گھر پر شراب وشباب کی مہنگی محفلیں سجاتا تھا۔ جن میں دوسرے لوگ بھی بلائے جاتے تھے۔ سوبھراج نے پڑھنے کے لیے اس سے وہ فائل مانگی تھی۔ وہ شیخی میں آکر آمادہ ہوگیا۔ سوبھراج نے کہا تھا کہ گرین کو برا فائل کے مطالعے سے اسے زبردست سیاسی فائدہ حاصل ہوگا۔ دفتر بند ہونے کے بعد فائل نکالی جاتی اور اگلی صبح واپس اپنی جگہ پر رکھ دی جاتی تو کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہ چلتا۔ اس نے فائل سوبھراج کے حوالے کردی۔ فائل ملتے ہی سوبھراج نائٹ کوچ سے کراچی آگیا۔ اگلی صبح سیکورٹی افسر کو اس کی واپسی کی خبر ملی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ دن بھر فون کرتا رہا لیکن سوبھراج نہیں ملا۔ اس کے ملازمین بتاتے رہے کہ وہ راج محل سے باہر ہے۔ سیکورٹی افسر کراچی آیا۔ اس نے اپنی ملازمت کے واسطے دیے، روتا اور گڑگڑاتا رہا لیکن سوبھراج نے فائل لوٹانے سے صاف انکار کردیا۔ مایوس ہوکر وہ لوٹ آیا اور خاموشی سے برے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ دوسرے دن فائل منگوائی گئی تو وہ غائب تھی!''

''خلوت کی دوستیاں پیسے کے لالچ سے زیادہ رنگ دکھاتی ہیں۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اب اس افسر کا کیا بنے گا؟''

''سیکریٹری کو برطرف کردیا جائے گا۔ سیکورٹی آفیسر کو عمر قید کی سزا ہوگی۔'' جلال نے بے آرامی سے جواب دیا ''وہ اپنی بقیہ عمر سلاخوں کے پیچھے گزارے گا۔''

''اس بارے میں تم نے ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔'' ویرا نے شکایت کی۔

''میں دانستہ خاموش رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر تم کو دکھ ہوگا۔ فائل لانے میں ڈینی کے ساتھ تمہارا اور غزالہ کا کردار بھی بہت اہم تھا۔ ویسے بھی اس واردات پر مکمل رازداری سے کام کیا گیا تھا۔ سارے معاملات خاموشی سے نمٹا دیے گئے۔''

''یہ واقعہ کب رونما ہوا تھا؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔ وہ سوال جلال کے لیے مبہم ثابت ہوا۔ وہ استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں سوبھراج کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔ ان دنوں اس کی کیا پوزیشن تھی۔'' میں نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

''جب میں نے راج محل پر ریڈ کیا اور اس نے وہاں آگ لگائی تو فائل کو اس کے قبضے میں آئے ہوئے دو دن ہوئے تھے۔ اس وقت تک سیکورٹی افسر نے اپنی زبان نہیں کھولی تھی۔'' سوال سمجھ میں آجانے کے بعد اس نے بتایا۔

''یہ بھی عجیب اتفاق تھا۔ وقت مل گیا ہوتا تو سب سے پہلے اسے سرکاری رازوں کے تحفظ کے قانون کے تحت، فائل رکھنے کے جرم میں پکڑا جاسکتا تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''بعد میں بات کھل جانے کے بعد میں یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ راج محل میں لگنے والی ہولناک آگ کے شعلوں نے اس فائل کے اوراق کو راکھ میں بدل دیا ہوگا۔ فائل کی نقلیں ہمارے کام آئیں گی۔ اصل کا نام ونشان ہمیشہ کے لیے مٹ گیا ہوگا۔'' بات کرتے کرتے وہ اچانک چونکا پھر تیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوگیا ''اس وقت تمہیں گرین کو برا فائل کیوں یاد آئی؟''

''تمہاری اور ہماری سب خوش فہمیاں بے سود ہیں۔ وہ فائل جلی نہ برباد ہوئی۔ اس وقت سوبھراج کے قبضے میں ہے۔'' میں نے پژمردہ لہجے میں بتایا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ انکشاف سن کر جلال اپنی جگہ سے بے ساختہ اچھل پڑا۔

''رات گئے میں نے اسے فون کیا تھا۔ وہ اس فائل کو ہمارے دشمنوں میں سے کسی کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''اتنے دنوں سے وہ خاموش تھا۔ اب اسے اچانک وہ فائل کیسے یاد آگئی!'' جلال کا وہ سوال کافی جان دار تھا۔

اس کے جواب میں، میں نے اسے پوری کتھا سنادی۔

''وہ اتنے دنوں سے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح دربدر مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنے اوپر برا وقت آتے ہی اسے گرین کو برا فائل کیوں یاد نہیں آئی۔'' اس مرتبہ جلال نے ذرا مختلف الفاظ میں اپنا پہلا سوال دہراتے ہوئے کہا ''اتنے لمبے عرصے کے بعد اس نے یہ شوشا چھوڑا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، مجھے دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' ویرا نے جلدی سے جواب دیا ''لیکن پھر... بات سمجھ میں آ گئی۔ پہلے وہ غصے میں اپنے آپے سے باہر ہو رہا تھا اور اسے کچھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے مقدر کے لکھے سے سمجھوتا کر لیا ہے تو اسے بہت کچھ نظر آنے لگا ہے۔''

''یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ مجرموں کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے۔ پھنسنے سے پہلے وہ اپنی نکاس کے راستے پر نظر رکھتے ہیں۔'' جلال اپنی بات پر اڑا رہا۔

''سوبھراج کو اس اصول سے مستثنیٰ سمجھ لو۔'' میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''اس کا دماغ صحیح خطوط پر کام کر رہا ہوتا تو وہ صرف سنیل اور شیر دل پر انحصار نہ کرتا۔ اسی وقت قاسم وغیرہ کے آدمیوں کو میدان میں لے آتا۔''

''ہم گرین کو برافائل سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور اس کے انجام سے بے خبر ہیں اس لیے ہمیں اس کی بات پر اعتبار کرنا پڑے گا۔'' جلال قدرے توقف کے بعد فکرمندانہ انداز میں بولا ''اب اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔''

''اس پر ہاتھ ڈالنا روز اول سے ضروری تھا۔'' ویرا جلال کے عہدے کے پرواکیے بغیر اس سے برابری اور بے باکی کے ساتھ بات کرنے کی عادی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''پتا نہیں ہم کیا کر رہے ہیں کہ وہ کئی بار سامنے آنے کے باوجود کسی چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔''

مدن لال کے مکان سے اس کے فرار ہونے میں میرے آدمیوں کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں تھا۔'' جلال نے اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''کون سوچ سکتا تھا کہ اپنے دور کا اتنا اہم آدمی مدن لال کے سرونٹ کوارٹر میں رہ رہا ہوگا۔''

''میں نے ڈاکٹر صادق کے گھر پر اسے تقریباً گھیر لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ ڈینی کو پکڑنے کے چکر میں خود میرے ساتھ چل پڑا تھا۔ راستے میں اس کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میری گاڑی سے اتر کر وہ تاریک ویرانے میں روپوش ہو گیا۔''

''میں کسی کو الزام نہیں دے رہی۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سرِمو فرق نہیں آیا ''دیکھا جائے تو اس نے سلطان شاہ کو دو مواقع پر زک دی ہے۔ اس نے سائیڈ مار کر سوبھراج کی کالی اکارڈ کو تباہ کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قاسم کے گھر پر سلطان شاہ نے اسے پہچان لیا تھا تو اسے للکارنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوتا تو اسے کسی خون خرابے کے بغیر آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔''

یہ غنیمت تھا کہ ویرا کو قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے حقیقی خدوخال سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ سلطان شاہ کے ایک غلط فائر نے اس خبیث کو مکمل ترین تباہی کے دہانے سے زندہ لوٹ جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''تم بھول رہی ہو'' جلال نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ویرا سے کہا۔ ''سلطان شاہ کو تین چوٹیں ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صادق کے گھر سے واپسی پر پیش آنے والے واقعے میں یہ بھی ڈینی کے ساتھ شامل تھا۔''

''اب میرا خون نہ سلگاؤ'' ویرا اچانک ہنس پڑی ''ہم سب ایک ہی ہیں، چوٹ کسی کو بھی ہوئی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہی ہوں کہ کئی مواقع ملنے کے باوجود ہم اسے پکڑنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''اب تم نے ڈھنگ کی بات کی ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ کچھ کہنے کے لیے سلطان شاہ کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے تھے لیکن پھر وہ بولنے سے پہلے خاموش ہو گیا۔ غزالہ اور وہ، دونوں جلال کی موجودگی کا لحاظ کرتے تھے۔ اس کے سامنے آپس میں بے تکلفانہ گفتگو سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے۔

''تمہارا غم و غصہ میرے لیے قابلِ فہم ہے'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''میرا خیال ہے کہ اس کی رسّی دراز ہونے میں ہماری کسی کوتاہی سے زیادہ اس کے مقدر کا دخل ہے۔ قدرت اسے بے سروسامانی کے عالم میں بھگا بھگا کر ہلکان کر رہی ہے۔ اس کا وقت پورا ہوگا تو وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح اچانک ہمارے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا۔''

''گڈ!'' ویرا نے سرہلا کر زہرخند سے کہا ''تم مسلمانوں کی یہ ادا بھی خوب ہے کہ جہاں بے بس ہو جاتے ہو تو اپنے حصے کا بہت سا کام قدرت اور اپنے اللہ پر چھوڑ دیتے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ اب اسے گھیرنے کے لیے منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ابھی اس نے گرین کو برافائل کا ذکر کیا ہے۔ نہ جانے اس کے پٹارے میں اور کیا مواد ہوگا۔ اسے یوں ہی وقت ملتا رہا تو وہ ہمارے سروں پر ناچے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

گرین کو برافائل کی گمشدگی کا اعتراف کر کے جلال دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ فائل کا غائب ہونا ایک بڑا واقعہ تھا۔ اس کی پوری ذمے داری اس محکمے کے سرجاتی تھی جہاں سے فائل غائب ہوئی تھی۔ آئی بی والے قصوروار نہیں تھے لیکن ہمارے درمیان اکلوتا سرکاری اہلکار ہونے کے ناتے سے وہ

Downloaded from https://paksociety.com

خودشر مسار سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جذبات کی رو میں آ کر ویرا حد سے تجاوز کر رہی تھی۔ میں نے ذرا سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے اس سے کہا ''تم قنوطیت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوبھراج کسی آسیب کی طرح تمہارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ افرادی قوت اور وسائل ہی سب کچھ ہوتے تو اب تک تمہارے ہم وطن ایک ہزار مرتبہ تمہیں اور مجھے پکڑ چکے ہوتے۔ انہیں ہماری گرفتاری پر بڑے بڑے انعام مقرر کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔''

سوسنار کی، ایک لوہار کی۔ میرا وہ جواب ویرا کے لیے مسکت ثابت ہوا۔ وہ کھسیانے انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔ اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

''ہم لوگوں نے بھی سوبھراج کی کامیاب نشان دہی کرنے والے کے لیے دو لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اب اس رقم میں اضافہ کرنا پڑے گا'' ویرا کی خفت کا اندازہ لگا کر جلال نے پرسکون انداز میں کہا ''اب وہ یہاں آ گیا ہے تو اسے دوبارہ باہر بھاگنے کا راستہ نہیں ملنا چاہیے۔''

''تازہ ترین پوزیشن تمہارے سامنے آ گئی ہے۔ اس کے بارے میں تم خود صحیح ترین فیصلے کر سکتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب ٹام کا کیا، کیا جائے۔''

''الفاوالے قصے کے بعد اب وہ تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ تمہیں اس کی فکر کیوں ہے؟'' جلال نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ ڈھیٹ اور بے شرم ہے!'' ویرا سنبھالا لے چکی تھی، دوبارہ گفتگو میں شامل ہو گئی ''رات کو اس نے ڈینی کو فون کیا تھا۔''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' جلال نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

''مجھے یعنی کرنل داور کو دھمکیاں دے رہا تھا کہ میں ایس ٹی ایف چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جاؤں ورنہ وہ مجھ پر زمین تنگ کر دے گا'' میں نے کہا۔

وہ بات میں نے پہلے نہیں بتائی تھی۔ گفتگو کسی اور ڈھب پر چل رہی تھی اس لیے وہ بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میری زبان سے وہ الفاظ سن کر غزالہ کی نگاہوں میں عجیب سا ملال سمٹ آیا۔ شاید اسے شکوہ تھا کہ میں نے اسے بھی اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

''ویرا کو مجھ سے پھر شکایت ہو گی کہ ہم اپنے بہت سے کام اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں'' جلال نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ''لیکن مجھے مکافاتِ عمل پر بہت پختہ یقین ہے۔ جو جیسا کرتا ہے، ویسا بھرتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ ہم نے گیری ہارٹ کو اس کی ساری خباثتوں کے باوجود ہلاک نہیں کیا لیکن قدرت نے اسے ہمیشہ کے لیے خلیج کے گہرے پانیوں میں غرق کر دیا۔ تم موجودہ سرکاری پالیسی سے واقف ہو، ہم گندے خون کے چھینٹوں سے اپنا دامن بچا رہے ہیں۔ میں ایک ذمے دار سرکاری افسر ہوتے ہوئے تمہیں کوئی سخت مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرے دوست ہونے کے ساتھ تم ایک آزاد اور خود مختار شہری ہو۔ اگر کوئی شخص تمہاری زندگی کے لیے کھلا خطرہ بن رہا ہے تو تم کو اس کی قومیت کا لحاظ کیے بغیر اپنے دفاع میں ہر کارروائی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔''

جلال محتاط آدمی تھا۔ اس نے سوچ سمجھ کر الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے فقروں میں چھپا ہوا پیغام میرے لیے بہت امید افزا تھا۔ میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ویرا نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔

جلال تازہ ترین کامیابی پر ذاتی مبارک باد دینے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا لیکن وہاں اسے ٹام اور سوبھراج کے دہرے بوجھ کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی اور سوبھراج گرین کو برافائل پر قابض ہونے کا دعوے دار تھا۔

اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے ٹام سے ٹکرا جانے کی چھوٹ دے دی تھی۔ اس معاملے میں وہ کھل کر میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا لیکن سوبھراج کے سلسلے میں سب کچھ اسی کو کرنا تھا۔ اس وقت اہم ترین کام، اس کے فرار کی راہوں کو مسدود کرنے سے متعلق تھا۔

جلال زیادہ دیر تک ہمارے پاس نہیں رکا۔ کام کی باتوں کا سلسلہ مکمل ہونے کے بعد اس نے عجلت میں چائے کی پیالی خالی کی اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

''بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرنے لگتی ہو'' جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا ''جلال ایک شریف آدمی ہے۔ تم نیچے جھاڑ کر اس طرح اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں جیسے سارے بگاڑ کا وہی ذمے دار ہو۔''

''تمہیں زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے اسے جھاڑ دیا ''وہ اتنا شریف نہیں ہے کہ کوئی غلط بات خاموشی سے برداشت کر لے، وہ سمجھ رہا تھا کہ میرے کیا جذبات ہیں۔ میں اسے لعن طعن نہیں کر رہی تھی، کھلے دل سے اور اپنائیت کے

Downloaded from http://paksociety.com

ساتھ سوبھراج پر بات کر رہی تھی۔''

''سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے'' غزالہ نے ویرا سے کہا ''فائل کی گمشدگی کی وجہ سے اس کی پوزیشن خراب ہوئی ہے۔ تم نے اس کے گال پر تھپکیاں دیتے دیتے ہلکے تھپڑ لگانے شروع کر دیے تھے۔ تمہیں نہ روکا جاتا تو تلخ کلامی کی نوبت آ سکتی تھی۔''

''اب اس قصے کو ختم کرو'' میں نے بیزاری سے کہا'' مجھے ٹام کے بارے میں سوچنے دو۔''

''ضرور سوچو مگر یہ یاد رکھنا کہ سوبھراج بھی کم اہم نہیں ہے'' ویرا بولی۔

''اصل اہمیت اسی کی ہے'' میں نے جواب دیا'' اس کو قابو میں کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ ٹام کا معاملہ جلد نمٹ جائے گا۔ جلال کی طرف سے چھوٹ مل گئی ہے تو میں جلد از جلد اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''جہانگیر کی بازیابی کے بعد ہمارے گھر پر کسی حملے کا خطرہ شاید ٹل چکا ہے'' ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اگر تم اجازت دو تو اوپر سے ایک آدمی کو کچن میں واپس بلا لیا جائے۔ بے چاری غزالہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''تم کس مرض کی دوا ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جو مل جائے، صبر شکر کر کے کھا لیتی ہوں، کسی سے شکوہ نہیں کرتی'' اس نے منہ بنا کر جواب دیا'' یہ طے ہے کہ مرد عورتوں سے اچھا کھانا بناتے ہیں۔''

''ڈھٹائی اور باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتیں'' سلطان شاہ نے کڑوے لہجے میں کہا'' کام سے جان بچانے کا یہ اچھا نسخہ ہے کہ مرد باورچیوں کو آسمان پر چڑھا دو۔''

''تم کیوں کسی بھٹیارن کی طرح جل رہے ہو؟'' ویرا ہنستے ہوئے بولی ''میری تعریف غلط ہے تو مجھے یہ بتا دو کہ دعوتوں کا منوں کھانا کون پکاتا ہے..... بڑے ہوٹلوں کے شیف اور چیف کک کون ہوتے ہیں۔ گھروں میں کھانا پکانے کی ذمے داری بلاوجہ بے چاری عورتوں کے سر ڈال دی گئی ہے۔ کمانے اور پکانے کا کام مرد ہی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔''

''اور عورتیں صرف کھانے اور بستر توڑنے کے لیے بنائی گئی ہیں؟'' سلطان شاہ نے جل کر کہا۔

''انہیں نزاکت، حسن اور کشش دے کر مردوں کی دل جوئی کے لیے بنایا گیا ہے'' ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر چڑانے والے انداز میں جواب دیا ''انہیں دن بھر عیش و آرام کرنا چاہیے۔ شام کو بن سنور کر اپنے مردوں کو خوش کرنا چاہیے۔''

''اور جن کے اپنے مرد نہ ہوں وہ دوسرے مردوں پر ڈورے ڈالنے کی کوشش میں لگی رہیں'' سلطان شاہ نے براہِ راست ویرا پر طنز کیا۔

''تمہاری سوچ بہت گھٹیا ہے، تم ساری کنواریوں پر الزام تراشی کر رہے ہو۔''

''ساری دنیا کو بیچ میں نہ گھسیٹو۔ اس وقت میری اور تمہاری بات ہو رہی ہے۔ اس کو اسی حد میں رہنے دو۔ تمہیں عیش و آرام اور مردوں سے سروکار ہے۔ غزالہ بھی تم جیسی عورت ہے مگر وہ گھر کے سارے کام کرتی ہے۔ عورت کا اصل روپ اور حسن یہی ہوتا ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے کمرے میں چلا جائے؟'' میں نے سنجیدہ ہو کر تیکھے لہجے میں ان دونوں سے سوال کیا۔

دونوں اپنی جگہ پر جمے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی ''آپ نے بہت زیادہ ڈھیل دے کر ان دونوں کو سر چڑھا لیا ہے'' وہ کہہ رہی تھی'' یہ دونوں کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کو زچ کر دیں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ سکون سے اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ وہاں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''

ان دونوں پر سرکھپانے سے بہتر تھا کہ غزالہ کی تجویز پر عمل کر لیا جاتا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے مجھے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

میں زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکا۔ ڈور بیل بجنے کے چند ثانیوں بعد باہر سے اول خان کی آواز سنائی دی تو مجھے اپنا کمرا چھوڑنا پڑا۔ جلال کی طرح اول خان بھی خوش و خرم نظر آیا۔ پچھلی رات کو وہ ہمیں اتارنے کے بعد اپنے گھر کی طرف گیا تھا لیکن صبح سویرے پھر اسٹیشن فورجا پہنچا تھا۔

وہ قاسم کو آئی بی والوں کے حوالے کرنے سے پہلے مزید باتیں اگلوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

شیدے کا حشر دیکھ کر قاسم نے ہاتھ پیر چھوڑ دیے تھے۔ اس کے سینے میں بہت سے راز پنہاں تھے جنہیں وہ از خود نہیں اگل سکتا تھا۔ اس سے حاصل کی جانے والی معلومات کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس سے کس نوعیت کے سوالات کیے جاتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔

اول خان کو اپنے دشمن کو تہس نہس کرنے میں خاص درک حاصل تھا۔ پیچ دار باتیں اس کے بس سے باہر تھیں۔ پھر بھی اس نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے ایک نیا نام معلوم کرلیا۔

وہ ممبئی اور دہلی کی زیرِ زمین دنیا کا ایک معروف نام تھا۔ بھارت ایک بڑا ملک ہے، بڑی معیشت کی وجہ سے وہاں کی انڈرورلڈ بھی بہت وسیع ہے جہاں کئی بڑے ناموں کا راج ہے۔ ان میں سے داؤد کا نام پہلے ہی میرے سامنے آچکا تھا اور میں نے دہلی میں دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہرکاروں سے پولیس اہلکار کس طرح ڈرتے تھے۔

دوسرا نام جو قاسم نے بتایا، وہ چھوٹا راجن تھا۔ شاید اس قانون شکن سلطنت میں کوئی بڑا راجن بھی رہا ہو لیکن ان دنوں چھوٹا راجن ایک ہوّا بنا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے کئی ساتھی طاقت اور پیسے کے بل پر بھارتی پارلیمنٹ میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر قتل اور ڈکیتیوں جیسے سنگین جرائم میں معاونت اور سرپرستی کے الزامات تھے۔ پراسرار وجوہ کی بنا پر عدالتیں ان کے خلاف فیصلے نہیں سنا سکی تھیں۔ مقدمات زیرِ سماعت تھے یا التوا میں پڑے ہوئے تھے۔ سزا یافتہ نہ ہونے کی بنا پر وہ اسمبلیوں میں بیٹھنے کے حق دار بنے ہوئے تھے۔

چھوٹا راجن اپنی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ پس پردہ رہ کر ڈوریاں ہلاتا رہتا تھا۔ اس کے پالے ہوئے اراکین اسمبلی اس کو بھرپور حمایت فراہم کرتے تھے لیکن وہ اپنے وطن میں رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بھارت آتا جاتا رہتا تھا لیکن اس کی آمد کی سنسنی خیز کہانیاں اس وقت منظرِ عام پر آتی تھیں جب وہ خاموشی سے واپس لوٹ چکا ہوتا تھا۔

چھوٹا راجن مستقل طور پر بنکاک میں رہتا تھا۔ قاسم نے بتایا کہ وہ اس خطے میں ہیروئن کا بہت بڑا خریدار تھا۔ اس کے سوبھراج سے دوستانہ مراسم تھے۔ قاسم فشریز کے ذریعے ہیروئن چھوٹے راجن کو بھیجی جاتی تھی۔ لین دین کے معاملات وہ براہِ راست سوبھراج سے طے کرتا تھا۔

قاسم سے وہ سب معلوم کرنے کے بعد اول خان نے اسے اور شیدے کو آئی بی کے ان اہلکاروں کے حوالے کردیا جو اس کے ایما پر سورج طلوع ہوتے ہی ایک بندوبین لے کر اسٹیشن فورپہنچ چکے تھے۔ اسے امید تھی کہ آئی بی والے اس سے مزید جو باتیں معلوم کریں گے، وہ جلال کے ذریعے اس کے علم میں ضرور آجائیں گی۔

اس کام سے نمٹ کر اس نے جہانگیر کی خیر خبر لی۔ وہ بے چارہ اپنی زندگی کے ایک کرب ناک تجربے سے گزرا تھا۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا۔ بھوک اور پیاس کے عالم میں قاسم کی قید بھگتنے کے بعد اسے طویل آرام کی ضرورت تھی۔

وہ اسٹیشن فور کے آرام دہ اور ائرکنڈیشنڈ کمرے میں سلمٰی کے ساتھ بے خبر سویا ہوا تھا۔ اول خان دن چڑھنے تک اپنے دفتر میں مصروف رہا۔ اس دوران میں ان دونوں کی بیداری کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ وہ ان دونوں کی خبر گیری کے بارے میں اپنے آدمیوں کو مزید ہدایات دے کر ہماری طرف چلا آیا۔

اس کی پوری کہانی سننے کے بعد میں نے ٹام اور سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کا ماجرا اس کے گوش گزار کردیا۔

اس کے لیے وہ خبریں تشویش انگیز ثابت ہوئیں۔ گرین کوبرا فائل کو فراموش کیا جاسکتا تھا نہ نام کو نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔

''یہ دائرہ پھیلتا ہوا نظر آرہا ہے۔'' ہم دونوں کو یکسوئی سے باتیں کرنے کا وافر موقع دینے کے بعد ویرا نے اپنی زبان کھولی ''چھوٹا راجن کوئی نیا اور معمولی نام نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنی قید سے میرے فرار کے بعد سوبھراج بنکاک فرار ہوا تھا تو وہ چھوٹے راجن کے پاس گیا ہوگا۔''

''وہ اتنا جانا بوجھا مجرم ہے تو تھائی لینڈ میں آزادی سے کیسے دندناتا... پھر رہا ہے۔'' غزالہ نے اپنے بے ساختہ سوال سے گفتگو کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔

''شاید بھارت اور تھائی حکومت کے درمیان تحویل مجرمان کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔'' ویرا نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''وہ بھارت کا مجرم ہے۔ تھائی قانون کے تحت وہ آزاد ہے۔''

''وہ وہاں بھی شرافت سے نہیں رہتا ہوگا۔ بدمعاش ہر جگہ اپنی بدمعاشی کے بل بوتے پر پنپتا ہے۔ ان جرائم پر اس کی گرفت کیوں نہیں ہوتی؟'' غزالہ نے اعتراض کیا۔

''چند مہینے پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ بنکاک کے مضافات میں غنڈوں کی لڑائی میں چھوٹے راجن کا ایک آدمی مارا گیا تھا'' سلطان شاہ نے غزالہ کے اعتراض کے لیے ایک اخباری سند فراہم کرتے ہوئے کہا۔

''اخباری اطلاعات کا قانونی پوزیشن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''بڑے مجرم اپنے وطن کی سرحدوں سے باہر بہت محتاط رہتے ہیں۔ اپنے جاں نثاروں کے جتھے ساتھ لے کر نکلتے ہیں اور بہت ہوشیاری سے اپنا دامن بچا کر کام کرتے ہیں۔ سیاحت تھائی لینڈ کی آمدنی کا

Downloaded from https://paksociety.com

سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ باہر سے آنے والوں کے لیے وہاں کے قوانین بہت نرم اور لچک دار ہوں گے۔ چھوٹے راجن جیسے لوگ اس لچک اور نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''ٹام کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تمہیں اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔'' اول خان نے گفتگو کو دوبارہ اصل موضوع پر لاتے ہوئے کہا ''یہ کینہ پرور لوگ ہیں۔ ٹام نے کچھ کہا ہے تو اسے دیوانے کی بڑ قرار دے کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''میں کہیں چھپنے یا فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔''

''میرا بھی یہ مطلب نہیں ہے لیکن اب تم کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔''

''جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ میں کبھی بھی غافل نہیں رہتا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ یہ حقیقت تھی کہ ٹام کی دھمکیوں نے مجھے ذرا بھی خوف زدہ نہیں کیا تھا۔

''اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل دقار کی اور تمہاری گاڑی کی تباہی کا قصہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''میں اس واقعے کو بھولا نہیں ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہم میں سے کوئی بھی وہاں ہوتا تو گاڑیوں کے ساتھ اس کے بھی چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔ مجھ میں اور جنرل میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کی نقل و حرکت کے دوران انہوں نے کسی وقت اس کی گاڑی میں سنسر ڈیوائس چپکادی اور پھر موقع پاکر مناسب فاصلے سے ایک گائیڈڈ بم یا راکٹ چلا دیا جو سیدھا ڈیوائس سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ یہ بچگانہ شعبدے ہیں۔ ان پڑھ افغان قبائلی بھی ان کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔ میں ان کے لیے بالکل گمنام اور بے نشان ہوں۔ وہ کرنل داور کو کہاں تلاش کریں گے؟''

میرے اختتامی سوال پر اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے ''کیا اسے ابھی تک شبہ نہیں ہوا کہ ڈینی اور کرنل داور ایک ہی ہیں۔''

''کم از کم مجھے یہی خوش گمانی ہے۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے وہ دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''یہ سب سے اچھی خبر ہے۔'' اول خان کے چہرے پر بشاشت لوٹ آئی ''کرنل داور کو وہ قیامت تک نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور ڈینی پہلے ہی ان کے لیے چھلاوا بنا ہوا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

اول خان کے پاس فوری اہمیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے جیبی اپریٹس پر چند لوگوں سے رپورٹیں لیں جن کی نوعیت میرے لیے ناقابل فہم تھی۔ میں نے اس بارے میں اول خان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

''اب جہانگیر کی بھی خبر لے لی جائے۔'' ان کاموں سے فارغ ہوکر اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنے کوڈ میں اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو پکارنے لگا۔

رابطہ ہوتے ہی اول خان نے ''مہمانوں'' کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی کھلی فضا میں کرسیاں ڈالے، دھوپ سینک رہے تھے اور خاصے بشاش نظر آرہے تھے۔

''وہ میرے خاص مہمان ہیں۔'' اول خان نے وہ تفصیل سن کر کہا ''ہر طرح ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ میں ذرا دیر سے دفتر آؤں گا..... اوور!''

''سر! بات تو کوئی خاص نہیں ہے لیکن میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں..... اوور!'' اپریٹس پر ابھرنے والی آواز میں ہچکچاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

''جو کہنا چاہتے ہو، کہہ ڈالو۔ میں سن رہا ہوں۔ اوور۔''

''سر! پچھلے دس منٹ سے ایک ہیلی کاپٹر اس علاقے میں منڈلا رہا ہے۔ ابھی ابھی وہ ایک چکر کاٹ کر تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا ہے۔ اس کی پرواز بہت نیچی ہے۔ ہمارا ایریا اس کا خاص ہدف معلوم ہورہا ہے۔ اوور!''

''کیا یہ آرمی یا ائرفورس کا ہیلی کاپٹر ہے؟ اوور!'' اول خان نے پوچھا۔

''نو سر!'' اس کا جواب میرے لیے غیر متوقع ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس پر اقوام متحدہ کا نمایاں نشان نظر آرہا ہے۔ اوور!''

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ اقوام متحدہ کے کسی ادارے کو اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔

''وہ اب کہاں ہے.....؟ مجھے دال میں کالا نظر آرہا ہے۔ اوور!''

''وہ اسٹیشن فور پر ایک دائرے کی صورت میں پرواز کررہا ہے۔ ابھی میری بیرک کے اوپر سے گزرا ہے۔ شاید آپ نے اس کے انجن اور پنکھوں کا شور سنا ہو۔ اوور!''

''تم خطرے کی بو پانے کی سپاہیانہ صفت رکھتے ہو!'' اول خان نے بجا طور پر اپنے ریڈیو آپریٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''اقوام متحدہ کا ہیلی کاپٹر اس فوجی علاقے میں کیا

Downloaded from https://paksociety.com

تلاش کررہا ہے۔ میں ابھی اس کی چھان بین کرتا ہوں۔ تم ڈی او سے کہہ کر دونوں مہمانوں کو بلاتاخیر کھلے میدان سے ہٹا کر ان کے کمرے میں پہنچادو۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ میری طرف سے آرڈر جاری کرادو کہ ساری فضری خودکار رائفلیں لے کر میدان میں نکل آئے اور ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھنا شروع کردے۔ کسی کو فائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خوف زدہ ہوکر اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ اوور اینڈ آل۔''

اول خان نے اپریٹس بند کردیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا ''اقوام متحدہ والے اس فوجی علاقے میں کیا کرسکتے ہیں۔ یہ پرواز تشویش ناک ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ بھٹک کر ادھر نکل آئے ہوں۔'' سلطان شاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ ذرا سی دیر میں تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا تھا اور ایک دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔'' اول خان نے تیزی سے کہا ''مجھے سول ایوی ایشن والوں سے معلوم کرنا ہوگا کہ وہ ہیلی کاپٹر کس مشن پر ہے۔''

ویرا نے اپنی شہادت کی انگلی سے پُرزور انداز میں میری طرف اشارہ کیا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اشارے کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ سب میری وجہ سے ہورہا تھا مگر اس کا صحیح مقصد میرے پلے نہیں پڑسکا۔

سول ایوی ایشن کے مقامی دفتر کے نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں آسانی سے مل گئے۔ اول خان براہِ راست ان کے افسر اعلیٰ سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے مشورہ دیا کہ اعلیٰ ترین سطح سے فوری طور پر کام کی کوئی بات معلوم نہیں کرسکے گا۔ اسے سول ایوی ایشن اتھارٹی کے متعلقہ شعبے سے رجوع کرنا چاہیے جو اسے شہر کی فضا میں موجود ہوائی ٹریفک کے بارے میں تازہ ترین معلومات فراہم کرسکے۔

مختلف سرکاری محکموں کی ہیت کے بارے میں اول خان کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ اس نے فوری طور پر ان کے ائرٹریفک کنٹرولر کا نمبر ملالیا۔

بات اسپیکر فون پر کی جانی تھی۔ ہم نے سنا کہ دوسری طرف سے بولنے والے تند خو افسر کے لیے اول خان کا نام بے اثر ثابت ہوا تھا۔ اول خان نے ایس ٹی ایف کے حوالے سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کوئی کوڈ دہرایا تو اس کی مشکل آسان ہوگئی۔

بولنے والے افسر کا لہجہ نرم ہوگیا مگر وہ تفصیل بتانے میں متذبذب تھا۔ اول خان نے اسے بتایا کہ ملیر چھاؤنی کے حسّاس فوجی علاقے پر ایک مشتبہ ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کررہا تھا۔ وہ شہر کے بین الاقوامی ائرپورٹ کی لینڈنگ اور ٹیک آف حدود میں موجود تھا جس کے نتیجے میں شہر میں کوئی ہولناک تباہ کن حادثہ پیش آسکتا تھا۔

وہ وضاحت کارگر ثابت ہوئی۔ پتا چلا کہ اس وقت فضا میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کا اکلوتا ہیلی کاپٹر محوِ پرواز تھا جو کل تین رکنی ٹیم کے ساتھ شہر کے مضافاتی علاقوں کی غریب بستیوں کا فضائی سروے کرنے کے مشن پر تھا۔

ائرٹریفک کنٹرول کے افسر کے لیے وہ اطلاع پریشان کن تھی۔ اس نے اول خان سے وعدہ کیا کہ کنٹرول ٹاور سے لاسلکی ریڈیائی رابطے پر اس ہیلی کاپٹر کو مخدوش اور حساس علاقے سے فوری طور پر دور نکل جانے کا حکم دیا جائے گا۔ کسی بھی اَن شیڈولڈ ہیلی کاپٹر یا طیارے کو بین الاقوامی ائرپورٹ کے گرد، مخصوص حدود میں پرواز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی پرواز اس علاقے میں سختی سے ممنوع تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر کی شناخت ظاہر کیے بغیر اسے مشتبہ قرار دیا تھا۔ ائرٹریفک کنٹرول والوں نے تصدیق کردی کہ وہ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کا ہیلی کاپٹر ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے ریڈیو آپریٹر نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر میں سوار تینوں افراد کے بارے میں جاننا چاہا لیکن اسے اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ وہ لوگ ہر پرواز کے عملے اور مسافروں کی تعداد کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ محوِ پرواز ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے کوائف حاصل کرنا اس وقت تک ان کے دائرہ کار میں شامل نہیں تھا۔

اول خان کے اصرار پر بات کرنے والے افسر نے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے مقامی دفتر کا فون نمبر دے دیا جہاں سے مسافروں کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا تھا۔

''یہ کوئی نیا چکر چل پڑا ہے۔'' اول خان نے فون بند کرتے ہی ہیجانی انداز میں کہا ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے جہانگیر اور سلمٰی کو کھلے میدان سے ہٹوانے کی ہدایت دے دی۔'' ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے یقین تھا کہ دھمکیاں دینے کے بعد ٹام نچلا نہیں بیٹھے گا۔ شاید اس نے کرنل داور کی تلاش شروع کردی ہے۔''

ویرا کی بات سن کر میں بھی سناٹے میں آگیا۔ ٹام کی ناقص معلومات کے مطابق کرنل داور ایس ٹی ایف کا افسر تھا۔ اسٹیشن فور پر نیچی پرواز بلکہ اونچی پرواز کرکے حسّاس کیمروں کی

Downloaded from https://paksociety.com

مدد سے ان حدود میں نقل و حرکت کرنے والے کسی بھی شخص کی واضح تصاویر لی جا سکتی تھیں اور دوربینوں کی مدد سے ٹکوں تک کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

''مگر وہ اقوام متحدہ کے نشان والا ہیلی کاپٹر ہے۔'' اول خان نے کمزور آواز میں اعتراض کیا۔

''اقوام متحدہ ان لوگوں کی لونڈی ہے۔'' ویرا بولی ''اپنے مقاصد کے لیے انہوں نے کراچی میں ایسے لوگوں کو مامور کرایا ہوگا جو ضرورت پڑنے پر ان کے اشاروں پر ناچ سکیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اس ہیلی کاپٹر کے تین سواروں میں ٹام ضرور ہوگا۔''

''اگر ٹام بھی فضا میں ہے تو وہ دوربینوں اور کیمروں کے استعمال پر اکتفا نہیں کرے گا۔'' میں نے کہا ''میری نشان دہی ہوتے ہی وہ فضا سے قاتلانہ حملے کی پوری تیاری کر کے آیا ہوگا۔''

''میں یہی کہہ رہی تھی۔'' ویرا مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے بولی ''انتقام کے معاملے میں امریکی بہت سفاک اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ بدلہ لینے کا پہلا موقع ملتے ہی وار کر گزرتے ہیں۔''

اول خان نے تیزی سے اپریٹس پر اپنے کسی آدمی سے رابطہ کیا اور اسے جلدی جلدی ہدایات دیں کہ کراچی میں اس ہیلی پیڈ یا عمارت کا سراغ لگائے جہاں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے ہیلی کاپٹر زرکھے جاتے ہیں اور یہ معلوم کرے کہ وہاں سے اڑنے والے ہیلی کاپٹر کے تین مسافروں میں کون کون شامل تھا۔

''اگر انہوں نے اقوام متحدہ کے ملازمین کو بھی اپنا آلہ کار بنالیا ہے تو یہ بات بہت افسوس ناک ہے۔'' اول خان نے اپنے آدمی کو پوری بات سمجھانے کے بعد متاسفانہ لہجے میں کہا ''یہ دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ وہ قانون اور اخلاقیات کے ہر ضابطے کو پامال کرنے پر تل گئے ہیں۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' ویرا نے استہزائی انداز میں کہا ''ٹام اس وقت خود کو کرنل داور کے خلاف میدانِ جنگ میں تصور کر رہا ہے۔ الفا کے عبرت ناک انجام نے اسے مایوسی کے عالم میں انتہا کی طرف دھکیل دیا ہے۔''

''اب سومبھراج سے پہلے آپ کو ٹام کے فتنے پر توجہ دینی ہوگی۔'' غزالہ نے تفکر آمیز لہجے میں زبان کھولی۔

''وہ ہیلی کاپٹر میں کرنل داور کے شکار پر نکلا ہوا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اسٹیشن فور میں اسے تمہاری ایک جھلک بھی نظر آ جاتی تو وہ بے دریغ گولی چلا دیتا۔ آن واحد میں کرنل داور کا قصہ ختم ہو جاتا۔ ٹام اسے اتفاقی فائر قرار دے کر معذرت کر لیتا۔ اس کے ہم سفر بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے۔''

''غزالہ کو اس منظر کشی سے زیادہ خوف زدہ مت کرو۔'' میں نے مسکرا کر ویرا سے کہا پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''بات صرف اتنی سی ہے کہ وہاں ایک ہیلی کاپٹر اڑتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اس میں کون کون پرواز کر رہا ہے، ان کے کیا عزائم ہیں..... یہ سب ہماری خیال آفرینی ہے۔ جب تک کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آ جاتا، فکرمند ہونا بیکار ہے۔ وہ بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ دیکھ لینا کہ میری یہی خیال آفرینی حقیقت ثابت ہوگی۔'' ویرا نے چیلنج کرنے والے انداز میں جواب دیا ''تم مجھے بار بار یہ بات جتانے پر مجبور کر دیتے ہو کہ میں اپنے ہم وطنوں کو تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔''

''کم از کم ایک بات تو میں اسی وقت چیک کر سکتا ہوں۔'' میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالتے ہوئے کہا ''اگر وہ اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہے تو تمہاری کہانی یہیں دم توڑ دے گی۔ وہ ایک وقت میں دو مختلف مقامات پر نہیں ہو سکتا۔''

وہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ ویرا چپ رہی اور میں نے ٹام کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پرکشش نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے ٹام سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ وہ دفتر میں موجود نہیں تھا۔ وہ عورت یا لڑکی اس کی واپسی کے وقت کا تعین کرنے سے بھی قاصر تھی۔

''جب وہ اپنی پرواز سے واپس آئے تو اسے بتا دینا کہ کرنل داور نے اسے یاد کیا تھا۔'' میں نے وہ چبھتا ہوا پیغام دیا تو میری مخاطب چونک گئی۔

''تم کس پرواز کا حوالہ دے رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔ ٹام کو میرا پیغام سن وعن سنا دینا۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر بولی ''یہ میرے شبہات کی تصدیق کا پہلا مرحلہ تھا جو خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔''

اسی دوران میں اسٹیشن فور سے اپریٹس پر ریڈیو آپریٹر کی کال آ گئی۔ اس نے جوشیلی آواز میں خبر دی کہ اول خان کی بتائی ہوئی تدبیر کارگر رہی تھی۔ جونہی ایس ٹی ایف کے مسلح اہلکار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے اپنی بیرکوں سے میدان

Downloaded from https://paksociety.com

میں آئے، فضا میں منڈلانے والا ہیلی کاپٹر بہت تیزی سے مغرب کی طرف پرواز کرتا ہوا معدوم ہوگیا۔

''یہ دوسری تصدیق ہے۔'' ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا ''بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر کہیں دائرے میں پرواز نہیں کرتا اور نہ ڈر کر یوں فرار ہوتا ہے۔''

''دل بہلانے کی بات اور ہے۔ مجھے تمہارے نظریے سے پورا اتفاق ہے۔'' غزالہ ہولے سے بولی ''ایک خطرہ سامنے آ گیا ہے تو ہمیں خود فریبی میں مبتلا رہ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے دلیری سے اس کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وہی کیا جائے گا۔'' اول خان نے اسے یقین دلایا ''مگر اپنے وقت پر۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم سب اسی وقت تلواریں سونت کر ٹام کی طرف مارچ شروع کردیں۔''

اول خان کا جواب بالکل درست لیکن ذرا سخت تھا۔ غزالہ کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھی رہی پھر خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ اتنے ڈھیلے تیوروں کے ساتھ گئی تھی کہ کسی کو اس کی خفگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ میں نے بھانپ لیا کہ اول خان کا کڑک اور دوٹوک جواب اسے پسند نہیں آیا تھا۔

اول خان فرصت کے ایک دو گھنٹے ہمارے ساتھ گزارنے کے ارادے سے آیا تھا۔ پہلے ٹام اور سوبھراج کے ذکر نے اسے فکرمند کیا پھر ہیلی کاپٹر کی مشتبہ پرواز کا چکر چل نکلا۔ وہ وہیں جم کر رہ گیا۔

تین بجے میرے موبائل فون پر ٹام کی کال آ گئی۔ میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں اپنے ذومعنی پیغام کے نتیجے میں اس کال کی توقع کر رہا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میری آواز سنتے ہی ٹام نے کلکھنے کتے جیسی آواز میں سوال کیا۔

''آج تم واقعی اونچی اڑان لے رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر کے لیے تمہیں زمین پر لے آؤں۔'' اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی جگہ سے اضطراری انداز میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا تھا۔

میرے جواب سے ان چاروں نے کال کرنے والے کا اندازہ لگالیا تھا اور اپنے اپنے سانس روک کر ہمہ تن میری طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

''چبا چبا کر کیوں بول رہے ہو۔ کھل کر کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تمہاری آج کی پرواز کیسی رہی؟'' میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ اس سے بات بگڑ چکی تھی۔ مزید بگاڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

''کس پرواز کی بات کر رہے ہو؟'' وہ دہاڑا۔

''تم اپنی دوربین سے مجھے اسٹیشن فور میں تلاش نہیں کرسکے مگر میں نے اپنی دوربین سے تمہیں یو این او کے ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اگر تم کچھ دیر کے لیے وہیں فضا میں رہنے کی ہمت کرلیتے تو میری رائفل تمہیں نیچے لے آتی۔''

میرے دو ٹکے فقرے جھوٹ اور سچ کا مرکب تھے مگر نشانے پر بیٹھے اور وہ بھڑک اٹھا ''کرنل! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ ہم بیس بال نہیں کھیل رہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ روپوشی اختیار کرلو ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں مارنے کے لیے پورے اسٹیشن فور کو تباہ کرنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''معلوم ہوتا کہ مجھے ایس ٹی ایف چھوڑنے کا مشورہ دیتے دیتے تم نے سی آئی اے کی نوکری ترک کرکے یو این او کی ملازمت اختیار کرلی ہے۔''

''تم نے دیکھ لیا ہے کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ تم نے ڈینی کے نام پر بھی بہت گمراہ کیا ہے۔ میں تم سے یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔ روپوش ہوکر بھی تم میری دسترس سے دور نہیں جاسکو گے۔ اب عبرت ناک موت تمہارا مقدر بنے گی۔''

''ایسی باتیں نہ کرو کہ مجھے اپنے انجام پر خود رونا آجائے۔ میں نے ان دونوں کو بھی دیکھ لیا ہے جو ہیلی کاپٹر میں تمہارے ہم سفر تھے۔'' میں نے ترش آواز میں کہا ''اب تمہارے ساتھ وہ دونوں بھی جہنم کا سفر کریں گے۔''

''ڈینی سے زیادہ دہشت گرد تم ہو..... سارے پاکستانی دہشت گرد ہو۔ ان دونوں کا بال بھی بیکا ہوا تو یہاں یو این او کے سارے امدادی دفاتر بند ہوجائیں گے۔ چار دنوں میں تمہارا خزانہ خالی ہوجائے گا اور یہاں دھول اڑنے لگے گی۔''

مجھے طمانیت کا ہلکا سا احساس ہوا۔ ان دونوں کا دفاع کرکے اس نے وہ سب مان لیا تھا جو لاداہن کر ویرا کے ذہن میں کھول رہا تھا۔

''تم مارے گئے تو شاید آسمان ٹوٹ کر گر جائے گا، پہاڑ دھنس جائیں گے اور سمندر ابل پڑیں گے؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''تم زندہ ہاتھ آ گئے تو یقین کرو کہ میں نال تمہارے منہ میں ٹھونس کر گولی چلاؤں گا۔'' اس نے اپنی پرانی بات دہراتے ہوئے کہا ''تم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''مجبوری ہے۔ ایک بڑے آدمی سے چھوٹی باتیں نہیں کی جاسکتیں۔ تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں تمہارے رتبے کا لحاظ کرتا ہوں۔''

''ان باتوں سے تم اپنے برے وقت کو قریب سے قریب تر لا رہے ہو۔'' رفتہ رفتہ اس کا پارا مزید چڑھتا جا رہا تھا اور لہجہ زہریلا ہو رہا تھا ''تمہیں زیادہ مہلت نہیں دی جاسکتی۔ اگلے دو دنوں میں یہ زمین تمہارے ناپاک وجود سے آزاد ہو جائے گی۔''

''میرے لیے یہ گیدڑ بھبکیاں بے سود ہیں۔ اپنے دعوؤں کے باوجود تم آج تک ڈینی کو پکڑ سکے ہو نہ مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ مرد اور اپنی آن کے سچے ہوتے تو آج سے ایک مدت پہلے ڈینی کو مار چکے ہوتے۔ اب میں تمہارے دل کا دوسرا ناسور بن جاؤں گا۔''

''دو دن یا اڑتالیس گھنٹے..... یہ یاد رکھنا۔'' اس کی قہر بار آواز ابھری ''ڈینی صرف ایک نام ہے اس لیے وہ آج تک بچا ہوا ہے۔ تم کو یہ تحفظ حاصل نہیں ہے۔ تم میری نظروں میں ہو۔ دیکھتا ہوں کہ کیسے بچتے ہو!''

وہ اس کی کال تھی۔ اسی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''وہ واقعی غصے میں پاگل ہوا جا رہا ہے۔'' میں نے انہیں بتایا ''اب اس نے اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں مجھے مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔''

''ڈینی کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

''وہ تذکرہ میں نے اسے آزمانے کے لیے جان بوجھ کر چھیڑا تھا۔ معاملہ صاف ہے۔ وہ پوری سنجیدگی سے ان دونوں کو الگ الگ آدمی سمجھ رہا ہے۔''

''اب تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اول خان نے پوری تفصیل سننے کے بعد پوچھا۔

''ایک انوکھی بات ذہن میں آ رہی ہے۔'' میں نے بے خونی سے مسکراتے ہوئے کہا ''کسی طرح کرنل داور کی خودکشی کی خبر اخباروں میں آ جائے تو ٹام کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا ہو جائے گا اور میں اطمینان سے اسے گھیر سکوں گا۔''

''تجویز شاندار ہے۔'' ویرا بول اٹھی ''ویسے بھی اب کرنل داور کا کردار بیکار ہو گیا ہے۔ اس سے خوامخواہ الجھاوے پیدا ہوتے رہیں گے۔''

''یہ اچھا ہوا کہ ٹام سے ہی ہر بات کی تصدیق ہو گئی۔'' میں نے اول خان سے کہا ''ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے بارے میں ابھی تک تمہارے آدمی سے کوئی خبر نہیں ملی۔''

میرے توجہ دلانے پر اول خان نے اسی وقت اپنے ماتحت سے آپریٹس پر رابطہ کیا۔ وہ اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود صرف یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا کہ ہیلی کاپٹر مشن پر تین افراد گئے تھے۔ ان کے نام سختی سے صیغہ راز میں رکھے گئے تھے۔

شام ڈھلے جلال کی طرف سے آنے والی خبر نے ہر شبہ زائل کر دیا۔

اس نے الفا کا سراغ لگانے کے لیے اپنے دو آدمیوں کو ٹام کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ الفا کا قصہ نمٹ جانے کے بعد بھی نگرانی جاری تھی۔ جلال کے لیے یہ خبر حیران کن ثابت ہوئی تھی کہ ٹام نے اس روز تقریباً تین گھنٹے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے دفتر میں گزارے تھے۔ اس کے اندر جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد اس عمارت کی چھت سے ایک ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے بعد اسی مقام پر واپس اترا تھا۔ اس ہیلی کاپٹر کی واپسی کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹام وہاں سے واپس لوٹا تھا اور سیدھا اپنے دفتر چلا گیا۔

وہ دو اور دو، چار والی سیدھی سی بات تھی۔ پرواز سے واپس آنے کے بعد کیمروں وغیرہ کے ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے ٹام کو ایک گھنٹے تک وہاں رکنا پڑا۔ ساری تفصیلات کے حصول کے بعد وہ اپنے دفتر لوٹ گیا۔

سرکاری طور پر وہ سہ نفری ٹیم ایک سروے کے لیے گئی تھی۔ انسپکشن فورکا فضائی سروے کر کے آدھے گھنٹے میں لوٹ آنے سے اس مشن کی حیثیت مشکوک ہو سکتی تھی۔ ٹام اپنا اصل کام ذرا سی دیر میں پورا کر لینے کے باوجود کراچی کی فضاؤں میں موجود رہا اور ڈیڑھ گھنٹے کا معقول وقت گزارنے کے بعد وہ تینوں واپس آ گئے۔

''تمہارے آدمیوں نے بہت کارآمد معلومات حاصل کی ہیں۔'' میں نے وہ باتیں سننے کے بعد کہا ''میرا خیال ہے کہ اب وقت آ گیا ہے۔ مجھے خودکشی کر لینی چاہیے۔''

میرے اس ارادے پر جلال کا بھونچکا رہ جانا ایک فطری امر تھا۔ وہ بھول کر بھی مجھ سے خودکشی جیسی گھٹیا حرکت کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہو گیا۔

''تم نے بہت موزوں ترکیب سوچی ہے۔ اس طرح فوری طور پر کم از کم ایک سرگرم محاذ بند ہو جائے گا۔'' اس نے میری تائید کی ''لیکن ایک بات بتا دوں۔ یہ لوگ بال کی کھال نکالتے ہیں۔ اپنے مجرموں کی ہلاکت کا پکا یقین کرنے کے لیے ان کی ناقابلِ شناخت لاشوں کے ڈی این اے ٹیسٹ تک

Downloaded from https://paksociety.com

کرانے سے گریز نہیں کرتے۔ صرف اخباری خبر سے کام نہیں چلے گا۔''

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں واقعی خودکشی کرلوں؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''اول خان سارا بندوبست کرلے گا۔ اسے بھی کرنل داور کی طرف سے بار بار وضاحتیں کرنے سے چھٹکارا مل جائے گا۔ سرکاری مردہ خانے سے کوئی تازہ لاش لے کر اسے کرنل داور کے نام سے باضابطہ طور پر دفن کرنا بہتر رہے گا۔ وہاں روز لاوارث لاشیں آتی رہتی ہیں۔ قبرستان کے رجسٹر میں بھی اس کا اندراج ہونا ضروری ہے۔'' وہ بتانے لگا ''وہ لوگ چھان بین کریں تو کسی مقام پر انہیں شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ انہیں دھوکا دینے کے لیے کوئی ڈراما رچایا گیا ہے۔''

''کل یہ کام اسی طرح کرلیا جائے گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''پرسوں کے اخباروں میں چھوٹی سی خبر آجائے گی۔ اس دوران میں اپنے آدمیوں کو دوڑاتے رہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی موقع مل جائے اور اس ڈرامے کی نوبت ہی نہ آئے۔''

''یہ ڈراما بہت ضروری ہوگیا ہے۔ میری نظریں بہت دور تک دیکھ رہی ہیں۔ تمہارا اور ٹام کا حساب برابر ہوجانے کے بعد بھی اس کی ضرورت رہے گی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''مشتر کہ اجلاسوں میں تمہاری کارکردگی کی بنا پر تمہارا نام اوپر تک پہنچ چکا ہے۔ ان سے مراسم خراب ہونے کے بعد کرنل داور والا باب اب ہمیشہ کے لیے بند ہوجانا چاہیے۔''

''یہ سوچ لو کہ خودکشی کرنے کے بعد میں اپنی اصل شکل و صورت میں کبھی ان کے سامنے نہیں آسکوں گا۔'' میں نے اس پر ایک منفی پہلو واضح کیا۔

''شاید اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔'' وہ اپنی تجویز پر قائم رہا۔ جو دراصل میں نے ہی پیش کی تھی لیکن جلال نے اسے ایک نیا روپ دے دیا تھا۔

''سوبھراج کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''فی الحال اسے بھول جاؤ۔ اپنا ذہن ایک طرف مرکوز رکھو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ پولیس اور رینجرز کی مدد سے کچے راستے بھی بلاک کردیئے جائیں لیکن تم جانتے ہو۔ میلوں لمبے ناہموار اور دشوار گزار راستوں کو سیل کرنا کتنا مشکل ہے۔''

اس سے بات ختم ہونے کو تھی کہ مجھے چھوٹا راجن یاد آگیا۔ جلال کے لیے وہ نیا نام نہیں تھا۔ وہ اسے ایک سیاسی بدمعاش کی حیثیت سے اچھی طرح جانتا تھا۔ قاسم اس کی تحویل میں تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے پاس جانے سے پہلے وہ اول خان کو کیا کچھ بتا چکا تھا۔

سوبھراج ایک بدمعاش سیاست داں تھا۔ جبکہ چھوٹا راجن سیاسی بدمعاش تھا۔ ذرا سے فرق کے ساتھ سیاست اور بدمعاشی دونوں کے خون میں رچی بسی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ کی اطلاع جلال کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث بنی تھی۔

بنکاک میں جہاں پاکستان سے جانے والے سیاحوں کی بہتات ہوتی ہے وہیں قانونی اور غیر قانونی طور پر طویل عرصے سے مقیم پاکستانیوں کی تعداد بھی قابل ذکر ہے۔ جلال نے بتایا کہ اس شہر کی مقامی آبادی میں پاکستانیوں کی تعداد کے پیش نظر وہاں ان دنوں آئی بی کا ایک نفری بیورو قائم تھا جو عارضی طور پر رکھے گئے مقامیوں کی مدد سے پاکستانیوں کے حالات اور مشاغل پر گہری نظر رکھتا تھا۔

اگر سوبھراج دوبارہ بنکاک کا رخ کرتا تو آئی بی کا وہ آدمی اس پر نظر رکھ سکتا تھا۔

وہ گفتگو سب کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر ہوچکی تھی کہ ٹام، کرنل داور تک رسائی کے لیے اپنی قانونی حدود سے کہیں زیادہ تجاوز کررہا تھا اور اسے اس کی چیرہ دستیوں کی سزا دینا ضروری ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اگلی شام کرنل داور کی خودکشی کی شام تھی!

ہونا کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اس بہروپ کا خاتمہ ہونا تھا جو میں نے ضرورت کے تحت اختیار کیا ہوا تھا لیکن میں نے ایک طویل عرصے تک جس محنت اور دل سوزی سے اس بہروپ کو نبھایا تھا، اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس شام میری ذات کا کوئی لازمی حصہ میرے بقیہ وجود سے الگ ہوجائے گا اور میں ادھورا رہ جاؤں گا۔

میری طبیعت پر اداسی کی لہر غالب آتی جارہی تھی۔ میں اپنا دل بہلانے کے لیے اسٹیشن فور کی طرف ہولیا جہاں جہانگیر مقیم تھا۔ اس بہانے اس کی مزاج پرسی اور خبر گیری بھی ہوجاتی ورنہ اسے اور سلمیٰ کو شکوہ ہوتا کہ میں نے وہاں ڈال کر ان کی خبر تک نہ لی۔

اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مجھے پتا چلا کہ اول خان اپنے اسٹاف کے کئی آدمیوں کے ساتھ کسی کی تدفین میں گیا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ اسے کوئی تازہ اور لاوارث لاش مل چکی تھی جسے کرنل داور کا نام دے کر عزت و احترام سے دفن کرنا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میرے لیے وہاں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں سیدھا اس پر آسائش کمرے کی طرف گاڑی لیتا چلا گیا جہاں وہ دونوں مقیم تھے۔

اسٹیشن فور کی حدود میں گاڑیوں کی آمد و رفت کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں انجن بند کر کے گاڑی سے اترا تو اندر سے کسی ردِعمل کے آثار نظر نہ آئے۔ میں نے دروازے پر دستک دینے کے بعد دروازہ کھولا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑے۔

''آؤ، آؤ..... تم بہت عظیم آدمی ہو۔'' جہانگیر اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے، دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر مسرت آمیز آواز میں بولا ''تم مجھے ایک عذاب سے نکال کر جنت میں لے آئے ہو۔''

میں اس کا لب ولہجہ سن کر چونک گیا۔ وہ ہلکی سی ترنگ میں آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں دو قدم آگے بڑھنے کے بعد، ائرکنڈیشنر کی بند خنکی میں مجھے الکحل کی بو آنے لگی۔

''وہ لوگ تمہیں جنت یا جہنم میں پہنچانے کے ارادے سے لے گئے تھے۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''میں نہ پہنچتا تو اس وقت تم وہیں ہوتے۔''

''تم نے واقعی دوستی کا حق ادا کر دیا۔'' سلمٰی نے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا۔ مجھے غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر وہ یکا یک جذباتی ہو گئی تھی ''اس بار مجھے ان کے بچنے کی امید نہیں تھی۔''

''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے!'' میں نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا ''اور یہ تو چکھنے میں بھی بہت کڑوا ہو گا۔ پتا نہیں تم اسے کیسے برداشت کرتی ہو۔''

''ایسا نہ کہو!'' وہ تڑپ کر بولی ''یہ میرے سرتاج ہیں، میری زندگی انہی کے دم سے ہے۔''

''ضرور ہو گی۔'' میں نے اس کی طرف جھک کر دھیرے سے کہا ''مگر میرا بازو چھوڑ دو۔ تمہارے ناخن میری جلد میں چبھ رہے ہیں۔''

سلمٰی نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے میرا بازو چھوڑ دیا۔

''اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔'' میں نے مسہری کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھال کر بے تکلفی سے کہا ''سلمٰی تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ اس نے تمہارے فراق میں رو رو کر ہمارا برا حال کر دیا تھا۔ تم دونوں بلاوجہ آپس کے جھگڑوں کے ڈرامے کرتے رہتے ہو۔''

''میں نے تمہارا برا حال کر دیا تھا یا میں خود ہلکان ہو رہی تھی؟'' سلمٰی نے تیزی سے پوچھا۔

''تم آنسوؤں سے روئی تھیں تو میرا دل روتا تھا کہ میں کس مصیبت میں پڑ گیا۔ تمہارے لیے جہانگیر کو کہاں سے پیدا کروں!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس وقت ان دونوں کے پاس پہنچتے ہی میرے ذہن پر چھائی ہوئی توطیت کی دھند اچانک معدوم ہو گئی تھی۔

''بڑے بے درد ہو تم!'' سلمٰی نے مجھے کہنی مار کر رکھائی سے کہا ''اس وقت بڑے ہمدرد بنے ہوئے تھے اور اب مذاق اڑا رہے ہو۔ خود آئینہ نہیں دیکھا کہ اس وقت تمہارا منہ کسی گھوڑے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔ اس قدر بونگے لگ رہے تھے کہ بس!''

''اس وقت نہ لڑو سلمٰی!'' جہانگیر کراہا ''تمہاری بک بک سے میرا سارا سرور غارت ہو جائے گا۔''

''تم یہاں بھی پی رہے ہو؟'' میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''یار، کئی وقت کے فاقے سے تھا۔ سالا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ اول بھائی سے التجا کی تو انہوں نے ذرا سی دیر میں ڈیلکس اسکاچ کی مکمل سائز بوتل منگوا دی۔'' جہانگیر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا ''میں نے اس میں سے صرف چار پیگ لیے ہیں۔ باقی بوتل سلمٰی نے تالے میں رکھ دی ہے۔ وہ کل پیوں گا۔''

''تم کون سے فاقے سے تھے۔ کل رات میں نے اپنے سامنے تمہیں کھانا کھلایا تھا۔''

''کھانے کا نہیں، پینے کا فاقہ چل رہا تھا اپنا۔ پینے کے نام پر پانی تک نہیں تھا وہاں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے بھوکا پیاسا مارنا چاہتے تھے!'' اس نے کھسیس نکالیں ''وہ کون لوگ تھے..... مجھ سے ان کو کیا پرخاش تھی۔ اب وہ کہاں ہیں؟''

''ٹیڑھے لوگ ہیں۔'' میں نے سلمٰی کی موجودگی کی وجہ سے اسے گول مول جواب دیا ''ان میں سے ایک کا برا حشر تم رات کو دیکھ چکے ہو۔ اب وہ دونوں بہت بری جگہ پر ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا حال ہے۔''

''اصل پریشانی بھوک اور پیاس کی تھی۔ اس کے بعد آج ذرا سی شراب پیٹ میں پڑی ہے تو طبیعت چونچال ہو گئی۔ اب دماغ صحیح طرح کام کر رہا ہے۔''

''تمہاری یہ باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔'' میں نے چڑ کر کہا ''تم ان پالی شرابیوں کی طرح ندیدے پن کا اظہار کرتے ہو جو دنیا و مافیہا کو بھول کر دن رات شراب کے نشے میں دھت پڑے رہتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''دن رات سلمٰی بیگم کی ایسی باتیں سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ تم آئے ہو تو تم نے بھی وہی تقریر شروع کردی۔ ایسی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ کچھ دن پہلے تک تم میرے ہم پیالہ ہوتے تھے۔ تمہارے خون میں اب تک شراب کے اثرات باقی ہوں گے۔'' جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔

''میں پیتا ضرور تھا لیکن میں نے تمہاری طرح کبھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔''

''لو! میں نے کون سی گھٹیا حرکت کی ہے۔'' اس نے اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر احتجاج کیا۔ گھر میں بندہ بشر سے بھول چوک ہوجاتی ہے۔ یہاں تو مجھے اول بھائی کی بھی فکر ہے کہ ان کے سامنے کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔''

''اس نے تمہیں بوتل منگوادی تو اب وہ تمہارا بھائی ہوگیا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''دو بوتلیں لا دیتا تو تم ابا جان کہہ کر اس کے سینے سے لپٹ جاتے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ شراب کے چکر میں نئے رشتے کیوں ایجاد کررہے ہو؟''

''تمہیں اعتراض ہے تو میں اسے بھائی نہیں کہتا۔'' اس نے سر جھکا کر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا ''میں اسے عزت دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے ہمیں اتنے شان دار اور آرام دہ کمرے میں مہمان رکھا ہوا ہے۔ میں یہاں ہر خوف اور فکر سے بے پروا ہوکر دونوں پاؤں پسار کر سوسکتا ہوں۔ ایسے میزبان آج کل کہاں ملتے ہیں۔''

''وہ بے چارہ رات سے تمہاری میزبانی میں لگا ہوا ہے۔'' سلمٰی نے تیزی سے کہا ''اس وقت تم اسے اول خان کہے جارہے تھے۔ جب سے بوتل ملی ہے وہ تمہارا بھائی ہوگیا۔ ڈینی تمہاری رگ رگ کو پہچانتا ہے۔ اس حرام شربت کے لیے تم گدھے کو بھی باپ بنا سکتے ہو۔''

''آہستہ بولو!'' جہانگیر نے تیز سرگوشی کی ''اس نے سن لیا کہ تم اسے گدھے سے ملا رہی ہو تو وہ کھڑے کھڑے ہمیں یہاں سے نکال دے گا۔''

''میں اسے کچھ نہیں کہہ رہی۔ تمہاری ذہنیت کی بات کررہی ہوں۔'' سلمٰی نے برا سا منہ بنا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم سے خدا سمجھے گا۔'' جہانگیر چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کر بولا ''ڈینی جب بھی مجھ سے ملنے کے لیے آتا ہے تم شیر ہوجاتی ہو۔''

''میں خدا لگتی بات کرتی ہوں۔'' سلمٰی سب کچھ بھول بھال کر اس سے لڑنے پر آمادہ تھی ''مجھے رو رو کر اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنی ہے۔ ڈینی کا کیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر تک بیٹھ کر یہاں سے چلا جائے گا۔''

جہانگیر نے کسی چڑچڑی بیوہ کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور کراہتے ہوئے بولا ''خدایا.....! میں کہاں جاؤں.....؟ یہاں تو دوسرا کمرا بھی نہیں ہے۔ تم مفت کا جھگڑا کھڑا کررہی ہو مجھے غصہ آیا تو بات بڑھ جائے گی۔''

''میں بات بڑھنے سے نہیں ڈرتی۔ تم ہزار بار طلاق دینے کی دھمکی دے چکے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ تم میں ہمت ہے تو ابھی تین بول کہہ دو۔ میں ڈینی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

وہ واقعی مفت کا جھگڑا تھا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ پچھلی رات تک جہانگیر کے لیے رو رو کر بے حال ہونے والی سلمٰی اس وقت بے بات پر نارواطرز عمل کا مظاہرہ کررہی تھی۔ شاید وہ دونوں خلوت میں ایک دوسرے کو آخری حد تک برداشت کرنے کے عادی ہوگئے تھے۔ درمیان میں کسی مشترک شناسا کے آتے ہی وہ ایک دوسرے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر تل جاتے تھے۔ ان کا وہ رویہ میرے لیے بالکل ناقابل فہم تھا۔

''سلمٰی!'' میں نے ترش لہجے میں اسے فہمائش کی ''تم بلاوجہ بات بڑھا رہی ہو۔ اس وقت جہانگیر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ تم طلاق کا مطالبہ لے کر بیٹھ جاؤ۔''

''اس وقت نہیں کہا تو کیا ہوا۔ گھر پر تو یہ کہتے رہتے ہیں!''

''گھر کی باتیں بھول جاؤ!'' میں نے تقریباً دانت پیستے ہوئے کہا ''میرا خیال تھا کہ اس کے اغوا ہوجانے سے تم نے نئی زندگی شروع کی ہے دونوں کو ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوچکا ہوگا مگر یہ میری بھول تھی۔ تم دونوں کے پرنالے اپنی اپنی جگہ پر بہہ رہے ہیں۔''

''پچیس ہزار!'' جہانگیر نے میری سرزنش پر خوش ہوکر ہانک لگائی۔

''کیا بک رہے ہو۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''غصہ مت کرو مائی ڈارلنگ ڈینی!'' وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا ''تم قدر و قیمت کی بات کررہے تھے نا۔ تو مرد بے چارہ ہمیشہ سے دو کوڑی کا رہا ہے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پہلے ماں کی خدمت کرتا ہے پھر بہنوں کے مان رکھتا ہے اور آخر کار بیوی کی ناز برداریاں کرتے کرتے قبر میں اتر جاتا ہے۔ کان میں اذان سے آخری نماز تک عورت کسی خرکار کی طرح اسے گھن چکر بنائے رکھتی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ سلمٰی

Downloaded from https://paksociety.com

ابھی اڑ جائے تو مجھے اس کو پچیس ہزار سکہ رائج الوقت دینا پڑیں گے۔ یہ موجل تھے۔ سلمٰی جب چاہے مجھ سے طلب کرسکتی ہے۔''

''طبیعت چاہ رہی ہے کہ میں پوری قوت سے تم دونوں کے سر آپس میں لڑا دوں۔'' میں نے غصے میں پھنکتے ہوئے کہا۔

''جاؤ! تم باہر کھلی ہوا میں چلی جاؤ۔'' جہانگیر نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلمٰی کو مشورہ دیا ''کچھ دیر ٹہلنے سے طبیعت ہری ہوجائے گی۔ آپس کا جھگڑا ہم ڈینی کے جانے کے بعد طے کرنے کی کوشش کریں گے۔''

سلمٰی نے غصے سے ناک بھوں چڑھا کر اس کی طرف دیکھا اور تنک کر پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس نے جہانگیر کے مشورے یا ہدایت پر بے چون وچرا عمل کرکے مجھے ایک مرتبہ پھر حیران کردیا تھا۔ ان کے باہمی مراسم کی سیمابی نوعیت میری عقل سے بالاتھی۔

''چلی گئی!'' سلمٰی کے نکل جانے اور دروازہ پرشور آواز میں بند ہونے کے بعد وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا ''اب کونے والی الماری سے بوتل نکال لاؤ۔ چابی وہیں لگی ہوئی ہے۔ ہم بیٹھ کر آرام سے باتیں کرسکیں گے۔''

''اب تم بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ تمہیں پہلے ہی کافی چڑھی ہوئی ہے۔''

''تمہارے سر کی قسم، مجھے ذرا سا بھی نشہ نہیں ہوا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''شراب اپنے لیے پانی بن چکی ہے۔ اس کے سامنے میں اداکاری کررہا تھا۔ بہت مزہ آتا ہے۔ اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نشے میں میرے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو ذرا سی دیر میں ہم دونوں کی زندگیاں تباہ ہوجائیں گی۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ سلمٰی کے وہاں سے جاتے ہی جہانگیر کی آواز سے خمار کے اثرات یکا یک کافور ہوگئے تھے۔

''تم اپنی بیوی کے ساتھ مکاری کرتے ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''مجبوری ہے۔ اسے دبائے رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔'' اس نے معصومیت سے کہا ''میں نارمل ہوتا ہوں تو وہ مجھ پر حاوی رہتی ہے۔''

''کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی!'' اس کی سادگی پر میرا غصہ رفع ہوگیا ''اس طرح تم دونوں کا حساب کتاب برابر رہتا ہے۔''

''تمہارے جانے کے بعد وہ ناک منہ چڑھا کر روہانسی آواز میں مجھ سے شکایت کرے گی کہ میں دوسروں کے سامنے اسے برا بھلا کہتا رہتا ہوں اور میں اسے پچکارنا شروع کردوں گا۔ اپنی زندگی میں اسی طرح کچھ رنگ آمیزی ہوتی رہتی ہے ورنہ ہم ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوجائیں۔ ہمارے درمیان یہ سب چلتا رہتا ہے۔ تم ان باتوں کو اپنے دل پر نہ لو۔''

''تمہارے فراق میں سلمٰی کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم دونوں مل کر دوسروں کو چکر دیتے اور بے وقوف بناتے ہو۔ اندر سے شیر وشکر ہو۔''

''ان چھوٹی موٹی باتوں پر لعنت بھیجو۔'' اس نے بے پروائی سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا ''یہ چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کن چکروں میں پھنسے ہوئے ہو۔''

''امریکیوں نے میرے اوپر بڑے انعام مقرر کرکے مجھے دیوار سے لگایا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تسلی کے لیے افسردگی سے بتایا ''زندہ رہنے کے لیے دشمنوں سے چوکھی لڑائی لڑنا پڑ رہی ہے۔ جس دن خطرے کی یہ تلوار میرے سر سے ہٹ گئی، میں نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤں گا۔''

''تم حکومتوں سے لڑ کر نہیں جیت سکتے۔'' وہ پورے ہوش وحواس میں بہت دانش مندی سے بات کررہا تھا ''ایک کے بعد دوسری حکومتیں آتی جاتی رہیں گی۔ یہ انعام واپس نہیں لیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ سو برس بعد بھی خطرے کی تلوار نہیں ہٹے گی لیکن تم سو برس تک نہیں جیو گے۔ بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اپنی جگہ پر تمہاری باتیں درست ہیں مگر میں ان مردودوں کے سامنے ہتھیار ڈال سکتا ہوں، نہ ان سے معافی مانگ سکتا ہوں۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''دیراکا ساتھ مل جانے سے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ وہ ساری آسائشوں کو لات مار کر اپنے ہم وطنوں سے ہماری لڑائی لڑ رہی ہے۔ اس روشن مثال کی موجودگی میں، میں دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ میری پوری زندگی اسی طرح لڑتے لڑتے گزر جائے۔''

''میں تم سے بے وقوفی کی باتوں کی توقع نہیں کرسکتا۔'' وہ اپنی بلا کی سنجیدگی سے مجھے حیران کیے دے رہا تھا۔ خاموشی سے کہیں بھی نکل جاؤ۔ دنیا تمہارے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔ نئے ناموں اور نئی شناختوں کے ساتھ تم چاروں یورپ سے افریقا تک کہیں بھی سکھ کی زندگی گزار سکتے ہو۔ اپنی زندگی کو یوں برباد نہ کرو۔ سنجیدگی سے کچھ سوچو۔ غزالہ پر دھیان دو۔

Downloaded from https://paksociety.com

اب تک اسے ہاں بن جانا چاہیے تھا۔ تمہارے گھر میں اولاد کی بہار آئے گی تو تمہیں خود اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔''

''اب اس زاویے سے بھی سوچوں گا!'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''سوچنے سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ اپنا اور غزالہ کا علاج کراؤ۔ سلمیٰ مجھ سے بار بار پوچھتی ہے کہ تم دونوں اب تک بے اولاد کیوں ہو۔ یہ سوال میرے دل میں بھی پھانس بن کر چبھا ہوا ہے۔ آج ہمت کر کے میں نے تم سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ اس پر غور کرو۔ تمہاری زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جائے گا۔''

''ابے اُلو!'' میں نے مسکراتے ہوئے' بے تکلفی سے کہا ''کیا تو سمجھتا ہے کہ تو ہی بیٹے کا باپ بن سکتا ہے۔ غزالہ کو کسی علاج کی ضرورت ہے نہ مجھے۔ ہم فیصلہ کر لیں گے تو قدرت ہمیں بھی نو مہینوں میں اولاد کی نعمت سے نواز دے گی مگر یار! میں ڈرتا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک خطرناک راہ اختیار کی ہے۔ میں غداروں سے اپنی مٹی کی آبرو کے لیے لڑتا ہوا مارا گیا تو میری اولاد در بدر ہو جائے گی۔ میرے لہو کے پیاسے میری اولاد سے اپنا انتقام لینے پر تل جائیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میرے بچے بھی میری طرح مقدر کے سکندر ثابت ہوں گے۔ ہم دونوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ جب تک ہم بھیڑیوں کے لشکر سے لڑ رہے ہیں' خود لڑتے رہیں' کسی تیسری معصوم زندگی کو اس خطرے میں نہ ڈالیں۔ کبھی نہ کبھی یہ دن گزر جائیں گے۔ مطلع صاف ہوگا تو ہماری گودوں میں بھی معصوم بچے قلقاریاں ماریں گے۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہارے شیر خوار بیٹے کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی تلاش میں ہم نے کس طرح دیوانہ وار شہر کی خاک چھانی تھی۔ اسے اٹھانے والی ویرا تھی۔ وہ بدمعاشی کرتی تھی مگر سفاک اور درندہ صفت نہیں تھی اس لیے تمہارا بیٹا واپس مل گیا اور آج وہ لاہور میں پل کر دھیرے دھیرے اپنی جوانی کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن میرے دشمن ویرا سے بہت مختلف ہیں۔ ان میں رحم اور انسانیت نام کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ درندے اپنی راہ میں آنے والے بوڑھے کو بخشیں گے نہ بچوں پر رحم کھائیں گے۔ میرے دوست..... میرے پیارے! میں تمہاری ہٹ دھرمی اور دردمندی کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ڈینی اور غزالہ اپنے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے نور کو اولاد کی صورت میں مجسم دیکھ سکیں۔ ابھی وطن کی خاک کو ہماری قربانیوں کی ضرورت ہے۔''

جہانگیر کسی بت کی طرح خاموشی سے اپنے بستر پر بیٹھا میری باتیں سنتا رہا پھر اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسوؤں کے دو موتی لڑھک کر اس کی گود میں گر گئے۔

''تم اپنے حق میں اپنے دشمنوں سے زیادہ سفاک اور سرد مہر ہو۔'' وہ اپنی آنکھیں بھینچ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''میں کہہ رہا ہوں کہ امن و امان کے سائے میں کہیں سکھ اور گمنامی کی زندگی گزارنے کے بارے میں سوچو۔ لڑائیاں لڑنے والے دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ سارا بوجھ بار تمہارے سر پر نہیں ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے؟''

اس کا آخری سوال ایک ہلکی سی بے ساختہ چیخ کی صورت میں اس کے حلق سے برآمد ہوا اور دیر تک کمرے کی بند فضا میں گونجتا رہا۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے در و دیوار سے بھی وہ سوال ایک لاہوتی صدا بن کر ابل رہا ہو۔

یکایک وہ سحر ٹوٹ گیا۔ سلمیٰ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر داخل ہوئی اور وہ کرشماتی لمحے چشم زدن میں گزر گئے۔ میں عالم خیال سے عالم ہست و بود میں لوٹ آیا۔

''اول خان ابھی اپنی گاڑی میں یہاں سے گزرا ہے۔'' سلمیٰ نے اندر آتے ہی کچھ سوچے سمجھے بغیر' اپنی دھن میں کہنا شروع کر دیا ''اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں اس کی واپسی کے بارے میں بتا دوں۔ وہ اپنے دفتر میں تمہارا انتظار کرے گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میں تمہارے کمرے سے چائے پیے بغیر جا رہا ہوں۔'' میں نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے سلمیٰ سے شکوہ کیا۔

''ارے بیٹھ جاؤ!'' وہ دوڑ کر مجھ سے تقریباً لپٹ گئی اور مجھے کرسی میں گرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ''تاؤ میں آ کر میں ہر بات بھول گئی تھی۔ تمہارے لیے ابھی چائے منگواتی ہوں۔''

''میں مذاق کر رہا تھا۔ ایسا ہی اصرار کر رہی ہو تو اپنی چائے اول خان کے دفتر میں بھجوا دینا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ہم خود اس کے مہمان ہیں۔ یہاں بھی تمہیں جو چائے ملتی وہ اسی کی ہوتی۔'' سلمیٰ مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ اس وقت اس کی ہر حرکت میں اپنائیت اور بے ساختگی تھی۔ میرے اندیشوں کے برعکس اس کے ذہن میں کسی فتور نے جنم نہیں لیا تھا۔

''ذرا ایک بات کا خیال رکھنا۔'' میرے چلتے چلتے جہانگیر نے ہانک لگائی اور میں ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔

''اب کیا یاد آ گیا تم کو؟'' میں نے پلٹ کر پوچھا۔

''جب تک ہم یہاں موج کر رہے ہیں' ہمارے فلیٹ کو

Downloaded from https://paksociety.com

لاوارث نہ چھوڑ دینا۔ سلمٰی کے کپڑوں کی الماری میں تمہارا خزانہ محفوظ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کہاں اتنا لمبا ہاتھ مارا تھا۔ وہ تھیلا خالی ہونے کا نام نہیں لے رہا۔''

''اب سارا نشہ ہرن ہوگیا۔'' سلمٰی نے خوش ہو کر مجھ سے کہا ''دیکھو کیسی دور دور کی کوڑیاں لا رہے ہیں۔ تمہارے آنے سے ان پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ چکر لگاتے رہا کرو لیکن تمہیں وقت ہی نہیں ملتا۔''

''میرے نہ آنے پر یہ حال ہے کہ جہانگیر آخر کار اغوا ہوگیا۔ میں نے آمدورفت کا سلسلہ شروع کر دیا تو وہاں ایسا دنگا فساد ہوگا کہ بس رہے نام اللہ کا۔''

''فلٹ بلکہ اپنی رقم کے بارے میں تم نے میری بات سن لی نا!'' جہانگیر نے مجھ سے تائید چاہی۔

''تم بے فکر رہو۔ وہاں سے تنکا بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوگا۔ ویسے میری جیب خالی ہوتی جا رہی ہے۔ دو چار دن میں مجھے کچھ ڈالروں کی ضرورت پڑے گی۔''

''اس حساب سے وہ رقم تمہارے عمر بھر کے گزارے کے لیے کافی ہوگی۔ جب ضرورت ہو سلمٰی سے الماری کی چابی لے لینا۔ یہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ ہر وقت اس کے ازار بند سے بندھی رہتی ہے۔'' جہانگیر نے بتایا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ شرم اور خفت سے سلمٰی کا گورا چٹا چہرہ لال بھبوکا ہوگیا۔ وہ جہانگیر کو عصیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

سلمٰی کا وہ بے ساختہ ردعمل میرے لیے حیران کن تھا۔ میرے لیے وہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔ سلمٰی نے مجھے چابی کے ٹھکانے کے بارے میں بہت پہلے بتا دیا تھا۔ اس وقت حد ہوگئی تھی جب اس نے اپنی کسی ذہنی رو کی وجہ سے مجھے خود چابی حاصل کرنے پر اکسایا تھا اور میرے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''بہت محفوظ جگہ ہے۔'' میں نے ایک قہقہہ لگا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ''وہاں تم دونوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

تیزی سے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سنا کہ سلمٰی بے شرمی کے بارے میں جہانگیر کو جھاڑ پلا رہی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور سرعت کے ساتھ چند لمحوں میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا۔

ویسے ہم روز ہی ملتے رہتے تھے لیکن میرا اٹینشن فوری طرف زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ اول خان ایک مہذب اور وضع دار آدمی تھا۔ اس نے اپنے دفتر کے برآمدے سے نیچے آ کر

بیرون ملک مقیم قارئین

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت

کے

سالانہ خریدار

بن کر بذریعہ رجسٹرڈ ڈائریکٹ

اپنا پسندیدہ پرچا گھر بیٹھے حاصل کریں

ایشیا، یورپ اور افریقا کے لئے زرِ سالانہ فی پرچا

2000 روپے

امریکا، آسٹریلیا، کینیڈا اور نیوزی لینڈ کے لئے زرِ سالانہ فی پرچا

2500 روپے

اپنے ڈرافٹ اور منی آرڈر ادارے کے نام ذیل میں درج پتے پر ارسال کریں۔ یہ کراچی میں قابل ادائیگی ہونا ضروری ہیں۔ بیرون شہر/ملک ادائیگی کے لئے بنک کمیشن کے دس ڈالر کے مساوی رقم کا اضافہ کر لیں۔

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500
PHONES: (92) (21) 5802552,
5804200 FAX: 5802551
E-MAIL: jasoosi@attglobal.net

Downloaded from https://paksociety.com

میرا استقبال کیا اور گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام کر واپس اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔

''کس کی تدفین میں گئے ہوئے تھے؟'' میں نے انجان بن کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

اول خان نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا اردلی دروازے کی چق اٹھانے کے لیے لپک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''کرنل داور کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آ رہا ہوں۔''

کرنل داور کا کردار میری تخلیق تھا۔ ایس ٹی ایف کے عام اہلکار اس کے وجود سے باخبر نہیں تھے۔ اس فورس کی ساخت کچھ ایسی پراسرار تھی کہ ہر شخص کا ہر بات سے باخبر ہونا ضروری نہیں تھا۔ اول خان نے بالا ہی بالا اس کردار کو زندہ رکھا ہوا تھا جس سے ایس ٹی ایف کے چند بڑے اور گنے چنے افسر واقف تھے۔ اردلی اپنے افسر کی زبان سے کرنل داور کا نام سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن اول خان اپنی احتیاط کی عادت سے مجبور تھا۔

''مجھے تم سے ایک سنگین شکایت ہے۔'' اس کے دفتر میں تخلیہ میسر آتے ہی میں نے کہا۔

وہ بے چارہ حیران ہو کر مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''تم نے جہانگیر کے لیے اسکاچ کی بوتل کا بندوبست کر کے بہت ظلم کیا۔ وہ شراب کے بغیر یہاں دس پانچ دن گزار لیتا تو شاید میری طرح اس بری عادت کو ترک کر دیتا۔ بوتل ملنے کے بعد یہ امکان سرے سے ختم ہو گیا ہے۔''

''تمہاری شکایت بجا ہے لیکن اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس کا سانس سینے میں رک رک کر آ رہا تھا اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے گڑگڑا کر مجھ سے التجا کی تھی اور میرا دل پسیج گیا۔ میں نے سنا تھا کہ نشے کے عادی کو وقت پر کوٹا نہ ملے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں نے ڈر کر جلدی سے بوتل منگوا دی۔'' اول خان نے اپنی صفائی پیش کی۔

''وہ بہت بڑا اداکار اور مکار ہے۔ اپنی بیوی کو ایسے چکمے دیتا ہے کہ وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ سینے میں سانس پھنسانے اور آنکھیں پھیلانے کے لیے کسی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نے بہت کامیابی سے تمہیں اُلّو بنا لیا۔''

بات پوری کرتے ہی میں نے آنکھیں پھیلا کر دونوں ہاتھ ڈھیلے چھوڑے اور یوں رک رک کر سانس لینے لگا جیسے چند لمحوں میں میرا دم نکلنے والا ہو۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' اول خان مضطرب ہو کر بولا ''اس پاجی کی حرکتیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔ اگر وہ اس کی اداکاری تھی تب بھی وہ بہترین اداکاری کے انعام کا مستحق تھا۔ وہ اسے بوتل کی صورت میں مل گیا۔ اب اسے بھول جاؤ۔''

''میں نے اس پر تمہارا ابھرم رکھا ہوا تھا۔ میں تمہیں گاہے گاہے اس کی حرکتوں کے بارے میں بتاتا رہا ہوں۔ تم اپنا دل سخت کر لیتے تو یہ اس سے شراب چھڑوانے کا بہترین موقع تھا جو تمہاری رحم دلی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔''

''اب اس لکیر کو زیادہ نہ پیٹو۔'' وہ مسکرا کر بولا ''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے واپس لانا ناممکن ہے۔ قصور تمہارا بھی ہے۔ تم نے مجھے کبھی یہ بات نہیں بتائی کہ جہانگیر مکر بھی کر سکتا ہے۔ مکاری کے لیے ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اسے نرا گاؤدی سمجھتا تھا۔''

''اس گمان میں نہ رہنا۔ وہ بہت کائیاں ہے۔ میں نے شی میں پس پردہ رہ کر اسے اپنا پاس بنایا ہوا تھا۔ وہ بہت تحکم اور اعتماد کے ساتھ مجھ سے کام لیتا تھا۔''

''تمہاری خواہش کے مطابق اسپتال میں تجہیز و تکفین کے بعد کرنل داور کو میوہ شاہ قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اس جنازے میں میری فورس کے دس آدمی شامل تھے۔'' اس نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر کے مجھے اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔

''وہ لاش کس بدنصیب کی تھی؟'' میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

''بدنصیب نہیں، اسے خوش نصیب کہو۔ وہ لیاری میں موسیٰ لین کے علاقے میں کچّی کی زہریلی شراب پی کر مرا تھا۔ اسے بہت عزت اور احترام کے ساتھ دفنایا گیا ہے۔ اسپتال میں پڑا رہتا تو نہ جانے کب اسے دفن کرنے کی باری آتی۔ ہر لاوارث لاش کو شناخت کے لیے ایک مقررہ مدت تک مردہ خانے میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایدھی والوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔''

''دیکھنا ہوگا کہ یہ خبر ہمارے حریفوں تک کب پہنچتی ہے'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''یہ پورے پلان کا مرکزی نکتہ ہے۔ خبر لیک کرا دی گئی ہے'' اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے بتایا۔ ''ایس ٹی ایف کا ملک میں کوئی قانونی وجود نہیں ہے۔ اس کا نام کسی خبر میں نہیں آ سکتا مگر صبح کے کم از کم دو اخبارات میں ریٹائرڈ کرنل داور کی خودکشی کی خبر نمایاں طور پر شائع ہو گی۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''میں نے کوشش کی ہے کہ اخبارات آنے سے پہلے یہ خبر پھیل جائے'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے اپنی بات آگے بڑھائی ''کرنل داور کے ساتھ مشترکہ اجلاسوں میں شرکت کرنے والے افسروں کے لیے یہ خبر الم ناک ہونے کے ساتھ سنسنی خیز بھی ثابت ہوگی۔ ہر ذہن میں سوال اٹھے گا کہ اس رتبے کے ایک معزز آدمی کی خودکشی کے کیا اسباب ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات امریکی کیمپ تک پہنچ جائے گی اور ہمارا مقصد حل ہوجائے گا۔''

''رات گزر جائے گی اور صبح کے اخبارات بازار میں آجائیں گے'' میں نے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ رات یوں ہی نہیں گزرے گی۔ میں نے لاش کا بندوبست ہوتے ہی اپنے ایک خاص اخباری رپورٹر کو ٹپ دے دی تھی۔ اب تک وہ کئی دروازوں پر دستک دے چکا ہوگا۔ ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں پھر ان کا ردعمل آنا شروع ہوجاتا ہے۔''

''تم اجلاسوں کے شرکا کی بات کررہے ہو تو ایس ٹی ایف کا نام بھی ضرور سامنے آئے گا'' میں نے ایک قوی اندیشے کا اظہار کیا۔

''بعض سینئر صحافیوں کے لیے ایس ٹی ایف کا نام نیا نہیں ہوگا۔ جب امریکا والے ہر بات سے باخبر ہوسکتے ہیں تو خبروں کی تلاش میں سرگرداں رہنے والے مقامی صحافی کیسے بے خبر رہ سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ایس ٹی ایف ایک ریاستی راز ہے جسے قانون سے بالاتر رکھ کر بھرپور تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کسی نے ان چنگاریوں کو کریدنے کی کوشش کی تو اس کا دامن جل اٹھے گا۔''

''کرنل داور کی خودکشی کی خبر کس ادارے نے جاری کی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

میرا سوال سن کر اول خان مسکرادیا ''کرنل داور ایس ٹی ایف کے لیے کام کررہا تھا۔ قانونی طور پر یہ فورس بے وجود ہے۔ خبر کون جاری کرتا۔ یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ کسی نے کوئی خبر جاری نہیں کی بلکہ یوں ظاہر کیا گیا ہے جیسے اس واقعے کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہو۔ تم نے غور نہیں کیا۔ میں نے خبر لیک ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اخباروں میں جو کچھ آئے گا وہ اخباروں کے اپنے ذرائع سے آئے گا۔ ایک خاموش اور پراسرار جنازہ کسی بھی رپورٹر کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''تم نے اس معاملے کے ہر نشیب و فراز پر نظر رکھی ہے۔ اب میں بھی تمہارا

علی یار خان کی سرگزشت

سباھہ

فلسطین کی جنگ آزادی میں شامل
ایک پاکستانی جاں باز کی ناقابل فراموش جدوجہد

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں
سب خون جگر جرأت ہوا

(ماہنامہ 11 صفحات پر مشتمل) ہوچکا ہے

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلہ وار شائع ہونے والی داستان

بارہ حصے ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف 450 روپے

قیمت فی حصہ -/60 روپے

ڈاک خرچ -/23 روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ پیشگی ڈرافٹ، منی آرڈر یا کراسڈ چیک ارسال فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5895313-5802551 فیکس: 5802551 E-Mail: kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

Downloaded from https://paksociety.com

ہم خیال ہوں کہ یہ رات خالی نہیں جائے گی۔''

''ابھی صرف چھ بجے ہیں'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا ''آنے والی رات بہت لمبی ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کرنل داور کی خودکشی کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔ کیا ہوگا..... کیسے ہوگا..... پہل کہاں سے ہوگی۔ اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں نے اول خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں از خود ٹام کا خیال ابھر آیا تھا۔ پچھلی رات کے آخری پہر میں اس سے ہونے والی باتوں کی روشنی میں کرنل داور کی خودکشی کی خبر اس کے لیے کسی ایٹمی دھماکے سے کم نہیں ہوتی۔

اردلی چائے کی ٹرے لایا تو اول خان کے لیے انٹرکام پر ایک کال آ گئی۔ وہ چند ثانیوں تک ہوں ہاں کر کے دوسری جانب والے کی باتیں سنتا رہا پھر مجھے چائے پینے کا مشورہ دے کر چند منٹ میں واپسی کے وعدے پر اپنے دفتر سے نکل گیا۔

دفتر میں تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن غیر ارادی طور پر سلمٰی کی طرف پھسل گیا۔

میری واپسی کے آخری لمحات میں اس کا رویہ میرے لیے بہت حیران کن رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تنہائی میں مجھ سے بے حجابی سے باتیں کرنے والی یکا یک اتنی شرمیلی ہو سکتی ہے کہ اپنے شوہر کے چند الفاظ پر شرم سے گلابی ہو جائے۔

وہ کسی بنا پر مجھ سے بدظن ہو گئی تھی یا پھر اسے دھیان آ گیا تھا کہ وہ جس راستے پر چل رہی تھی وہ شوہر سے کھلی بے وفائی کی طرف جاتا تھا۔

ماضی میں، میں نے سلمٰی کی کسی پیش قدمی کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ لغزشوں کے بہت سے لمحات میں نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے محض ہنس بول کر گزار دیے تھے۔ وہ میرے ایک عزیز ترین دوست کی بیوی تھی۔ اس کے حوالے سے میرے ذہن کے دور دراز گوشوں میں بھی گناہ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ پھر بھی مجھے اس کی بے تکلفیاں اچھی لگتی تھیں۔ اس نے ایکا ایکی تکلف کا بالواسطہ اظہار کر کے مجھے بے نام سی خلش میں مبتلا کر دیا تھا۔

شاید اس کے بدلے ہوئے تیوروں سے میرے مردانہ پندار کو کوئی ٹھیس پہنچی تھی۔

اول خان اپنے وعدے کے مطابق بہت جلد لوٹ آیا اور میری سوچ کی وہ لڑی وہیں بکھر گئی۔

چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے لیے فون آتے رہے۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ بار بار ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔ اول خان نے افادیت کے پیش نظر اپنی میز پر اسپیکر فون لگوا لیا تھا۔ کاغذات اور فائلوں کو نمٹاتے ہوئے وہ ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون استعمال کر رہا تھا۔

ساڑھے چھ بجے اول خان اخراجات کا ایک گوشوارہ دیکھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذوں سے نظریں ہٹائے بغیر، بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

''ہائے..... میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں'' وہ جملہ خالص امریکی لب و لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔ وہ آواز پہچانتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

آواز اول خان کے لیے بھی اجنبی نہیں تھی۔ اس نے گوشوارے کو یوں چھوڑا جیسے اسے ان کاغذوں پر بچھو نظر آ گیا ہو۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی نگاہیں بلور کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چارا کامیاب رہا تھا۔ شکار نے اس پر منہ مار دیا تھا۔

''تم کون بول رہے ہو؟'' اول خان نے نہایت پرسکون آواز میں سوال کیا۔

''ٹام..... ٹام پیٹرک فرام سی آئی اے۔ مجھے اول خان سے ضروری بات کرنی ہے'' اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کی آواز میں رعونت آ گئی تھی۔ وہ اول خان کی آواز نہیں پہچان سکا۔

''ہیلو ٹام! میں اول خان ہی بول رہا ہوں'' اس نے دھیمی مگر بوجھل آواز میں کہا ''تم نے مجھے کیسے فون کر لیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ رابطہ پروٹوکول کے خلاف ہے۔''

''ان رسمی باتوں کو چھوڑو'' ٹام کی آواز دوستانہ ہو گئی ''میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ یہ بتاؤ کہ آج کی کیا خبریں ہیں؟''

''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر کہلاتا ہے'' اول خان نے انگریزی محاورہ دہرا دیا۔ اس وقت مجھے اس کے صبر اور سکون پر رشک آ رہا تھا۔ وہ میرے بدترین حریف کو بہت خوب صورتی سے ہینڈل کر رہا تھا۔

''تم بے شناخت لوگ ہو۔ میں نے پروٹوکول توڑ کر کچھ دوستانہ تبادلۂ خیال کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔''

''میری انگریزی کمزور ہے۔ اپنی مادری زبان میں، میں روانی سے بات کر سکتا ہوں۔ اس وقت تم کس قسم کے تبادلۂ خیال کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟''

''کرنل داور تو بہت شستہ اور رواں انگریزی بولتا ہے''

Downloaded from https://paksociety.com

ٹام نے اول خان کے سوال کو نظر انداز کر کے کرنل داور کے ذکر کا موقع نکال لیا۔

اول خانہ ایک ہنکارہ بھر کر رہ گیا۔

''کرنل داور کے ذکر پر تم چپ کیوں ہو گئے؟''

''کہنے کے لیے کچھ نہ ہو تو چپ رہنا بہتر ہوتا ہے۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''اس وقت کرنل داور کہاں ہے؟'' ٹام کو براہِ راست وہ تجسس آمیز سوال کرنا پڑ گیا۔

''ہم سے اچھی جگہ پر ہے'' جواب مبہم لیکن اول خان کے عقیدے کے عین مطابق تھا۔ اس کی سرد اور سپاٹ آواز سن کر مجھے مان لینا پڑا کہ وقت اور ضرورت کے مطابق وہ اپنی آواز پر قابو رکھنے پر قادر تھا۔

''شہر میں خبر گرم ہے کہ اس نے خودکشی کر لی ہے'' اول خان نے آخر کار اسے کھل کر سوال کرنے پر مجبور کر دیا ''کیا یہ خبر درست ہے؟''

''اوہ!'' اول خان کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ سی آواز برآمد ہوئی ''مجھے افسوس ہے کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خبر لیک ہو گئی۔''

میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے اول خان کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ بہت کامیابی کے ساتھ بات آگے بڑھا رہا تھا۔

''اخباری رپورٹر جونکوں سے کم نہیں ہوتے۔ پاتال سے بھی خبریں نکال لاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی رپورٹر نے اس افواہ کی تصدیق کے لیے آئی جی سے رابطہ کیا تھا۔''

''وہ واقعی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا اور ذہین ساتھی تھا۔ اس کے لیے میرا دل اداس ہے۔'' اول خان نے رقت سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اس کی نیک روح کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں۔''

''لیکن اس نے اچانک خودکشی کیوں کر لی؟''

''ان باتوں کو نہ کریدو تو بہتر ہے۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''

''میں.....؟'' ٹام کی پاٹ دار آواز ابھری ''تم نے مجھ پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا دیا؟''

''ایس ٹی ایف کا بہت مضبوط نیٹ ورک ہے۔ باتیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔'' اول خان نے کسی بحث کا آغاز کرنے کے بجائے کوئی کہانی سوچ لی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''میں تم لوگوں کا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ وہ واقعی ذہین افسر تھا۔ مجھے اس کے انجام پر دکھ ہوا ہے۔ میں اس کی غلطیوں کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں۔''

''ڈینی کے معاملے میں وہ فورس کی پالیسی سے انحراف کر کے اپنی راہ پر چل پڑا تھا'' اول خان کی اس تمہید نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''ملک اور قوم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم سب امن و امان کے علم بردار اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ اس جذبے کے تحت میں نے کسی عذر کے بغیر، تمہاری سنائی ہوئی خبر کی تصدیق کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اسی رواداری سے کام لو گے۔ ہمیں مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ وہ تم لوگوں سے قریبی رابطے میں ہے۔ اس نے ڈینی کی نقل و حرکت کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا تھا۔ اپنی معلومات اپنی ذات تک محدود کر لی تھیں۔ دفتر میں کوئی رپورٹ داخل نہیں کر رہا تھا۔ شبہ کیا جا رہا تھا کہ بڑے انعام کے لالچ میں وہ تم لوگوں سے ڈینی کا سودا کرنے کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے رویے سے اسے شبہ ہو گیا تھا کہ اس کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے اور اس کی ذاتی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیا جا رہا ہے۔ ان باتوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ کئی دنوں سے خاموش اور فکرمند رہنے لگا تھا۔ آج اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔''

اول خان بہت تسلسل اور روانی کے ساتھ بولتا چلا گیا۔ اس کی وہ صلاحیت پہلی مرتبہ میرے مشاہدے میں آئی تھی۔

''خودکشی کے وقت کو تم کوئی اہمیت دیتے ہو؟'' ٹام نے اول خان کے الزامات کی تردید کیے بغیر پوچھا۔

''مزید کسی سوال کا جواب دینے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کرنل داور کی خفیہ سرگرمیوں کی رپورٹیں کس حد تک درست تھیں؟'' اول خان نے باوقار انداز اپنایا ہوا تھا۔

''میں کسی بات کی تردید نہیں کروں گا'' قدرے سکوت کے بعد ٹام کا جواب آیا ''تمہیں بخوبی اندازہ ہونا چاہیے کہ ڈینی نے ہمارے مفادات کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ وہ خونی درندہ ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر قیمت پر اسے پکڑ کر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری میرا اور میرے پیش رووں کا مشن ہے۔ وہ خونی دہشت گرد امریکی حکومت کے لیے ایک چیلنج اور انا کا مسئلہ بن چکا ہے لیکن کسی طرح ہاتھ نہیں آ رہا۔ سننے میں آیا ہے کہ بعض پاکستانی ایجنسیاں اس کی پشت پناہ ہیں۔ کرنل داور اس کی راہ پر لگ گیا تھا۔ اسے انعام کی ہوس تھی۔ ہمیں ڈینی کا سر درکار تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے درمیان بہت سنجیدہ ڈیل چل رہی تھی۔ میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی اس موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا پھر کرنل نے کیوں خودکشی

Downloaded from https://paksociety.com

کرلی؟''

''کوئی نہیں جانتا کہ کرنل کے دل میں کیا تھا'' اول خان نے کہنا شروع کیا ''وہ کئی دنوں سے پریشان تھا لیکن کل صبح سے وہ عجیب کرب اور اضطراب کے عالم میں تھا۔ شاید کوئی نئی بات رونما ہوئی تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایس ٹی ایف کا اعتماد کھو کر کڑی نگرانی میں آچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے اسے تمہاری نیت پر شبہ ہوگیا ہو۔ ڈینی کو اپنی تحویل میں لے کر تم انعام کی رقم دینے سے انکار کردیتے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تم اسے بلیک میل کرسکتے تھے۔''

''تم نے کہا کہ کل صبح سے وہ اضطرابی کیفیت سے گزر رہا تھا'' ٹام نے تائید چاہی۔ وہ کرنل داور کی حرام موت کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کررہا تھا۔

''میرا یہی مشاہدہ ہے'' اول خان نے گمبھیر لہجے میں کہا ''رات گئے کچھ نہ کچھ ہوا تھا جس نے کرنل داور کے دل ودماغ کو زیروزبر کردیا۔ شاید وہ اپنی فورس سے غداری کررہا تھا۔ اس کے صلے میں تم سے کچھ پانے کی امید ختم ہوگئی تو اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ ہر سیکرٹ سروس کی طرح ایس ٹی ایف میں بھی غداری کی ایک ہی سزا ہوتی ہے۔ کرنل داور کسی جان لیوا حادثے میں نہیں مرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی لیکن بھٹکے ہوئے افسر کا افسوس ناک انجام تھا۔ اس کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے میں ساری رپورٹوں سے واقف ہوں پھر بھی مجھے کرنل کی موت کا قلق ہے۔ میں نے اپنا ایک بہترین ساتھی کھودیا۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو'' ٹام کی آواز میں عجیب سی وحشیانہ طمانیت ابھر آئی ''گیری ہارٹ کے بعد میں محسوس کررہا تھا کہ کرنل نے ہماری کمزوری کو بھانپ لیا ہے۔ وہ ڈینی کے نام پر ہمارے ساتھ کھیل رہا تھا۔ پرسوں رات میں نے اسے اپنی بے لاگ سوچ سے آگاہ کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کے بعد اس کا دماغ الٹ گیا ہو اور اس نے خودکشی کا مصمم ارادہ کرلیا ہو۔''

''تم نے ابھی تک اس تبادلہ خیال کی ابتدا نہیں کی جس کا شروع میں حوالہ دیا تھا!'' اول خان نے سپاٹ انداز میں اسے یاد دلایا۔

''وہ یہی سب باتیں تھیں۔ میں تم سے کرنل کی خودکشی کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے ہر بات صاف کردی۔ تم بہت کھرے اور اچھے انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ اپنا مخلص دوست پاؤ گے۔ میں رسمی مراسم سے بڑھ کر تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔''

کرنل داور کا قصہ نمٹ گیا تھا۔ وہ بہت ہوشیاری کے ساتھ اول خان کو دانہ ڈالنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اول خان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''آج اداکاروں اور صداکاروں کا دن ہے۔'' فون بند ہوتے ہی میں نے کہا ''پہلے جہانگیر نے تم کو اپنی اداکاری کے جوہر دکھا کر موم کیا۔ اب تم نے اپنی صداکاری سے ٹام کو چت کردیا۔ اتنی عمدہ اور مربوط کہانی گھڑنا میرے بس سے باہر تھا۔''

''لیکن یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔'' اول خان نے مایوسی سے کہا ''باتوں ہی باتوں میں معاملہ ٹل گیا۔ وہ اپنے گھر خوش ہے۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم کسی چاند ماری کی آس لگائے بیٹھے تھے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم نے اپنے ہاتھوں سے کرنل داور کی تدفین کی ہے تو دشمن کا بھی ایک آدھ آدمی گرنا چاہیے۔'' اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور مرنے لگتے تو آج ہم بھی سبزی خور ہوتے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''سب کچھ ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ دیکھتے ہیں کہ ٹام کب ہماری دھار پر آتا ہے۔''

وہ مجھے رد کنارہ گیا لیکن میں واپسی کا قصد کرچکا تھا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہاں آکر میں نے اپنے وقت کا بہترین مصرف تلاش کیا تھا۔

ٹام کرنل داور سے پر پیچ باتیں کرتا تھا۔ اس نے اول خان سے گفتگو میں اپنے دل کا سارا غبار نکال لیا تھا' اس کی نیت اور ارادوں کے بارے میں ہماری سوچی ہوئی ہر بات درست نکلی تھی۔

وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے میرے بدترین انجام کا خواہاں تھا اسی طرح میں اسے ہر قیمت پر نیچا دکھانے کا آرزومند تھا۔

☆☆☆

میں گھر پہنچا تو جلال مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی موجود تھا لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی میزبانی کا بیشتر بوجھ ویرا نے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پورے زور و شور کے ساتھ اس سے کسی بحث میں الجھی ہوئی تھی۔

''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج سرکاری ریکارڈ کے مطابق تم اپنے ایک روپ میں مرحوم و مغفور ہو چکے ہو۔'' جلال نے مجھ سے ملتے ہی پرتپاک انداز میں کہا۔

''کس سرکاری ریکارڈ کی بات کر رہے ہو۔ کرنل داور ایک خیالی افسانہ تھا۔ کس سرکاری ریکارڈ میں اس کا اندراج تھا؟'' ویرا نے برجستہ سوال کیا۔

''زندگی میں اس کا کہیں ریکارڈ نہ رہا ہو۔ خودکشی کے بعد قبرستان کے ریکارڈ میں اس کا نام ضرور آ چکا ہے۔'' جلال نے خوش دلی سے اسے یاد دلایا۔

''اول خان بہت زیرک اور پھرتیلا آدمی ہے۔'' میں نے ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بتایا ''اس کی لیک کی ہوئی خبر تیزی سے اپنا سفر طے کرتی ہوئی ہمارے دشمن تک پہنچ گئی ہے۔''

''خبر واقعی سرعت سے پھیلی ہے۔ کرنل داور کو ایک زندہ کردار سمجھنے والے بہت سے افسران اس خبر کی تصدیق کے لیے اِدھر اُدھر فون گھما رہے ہیں۔ جلال بولا ''یہ پتا چلنا چاہیے کہ تمہارے حریفوں کے کیمپ میں اس خبر پر کیا ردِعمل ہے۔''

''وہ سامنے آ چکا ہے۔'' میں نے کہا ''ٹام نے کہیں اور بھٹکنے کے بجائے براہِ راست اول خان کو فون کیا تھا۔ ساری گفتگو میری موجودگی میں ہوئی ہے۔ وہ اس خبر پر بہت خوش ہے۔''

''تم خاموشی سے ادھر کیوں نکل گئے تھے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اپنی خودکشی کے پروگرام پر دل اداس تھا۔ جہانگیر سے ملنے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر بہت سی باتیں سامنے آئی ہیں۔ ٹام نے اپنی کئی چالبازیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔''

''مجھے یقین تھا کہ یہ خبر ان کے لیے طمانیت کا باعث بنے گی۔'' جلال نے کہا ''ٹام نے جس طرح الفا کو داؤ پر لگا کر تم کو مروانے کی ناکام کوشش کی تھی اس سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ اب تمہارا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

''وہ مجھے مروانے میں ناکام رہا۔ اب اس کی باری ہے!''

''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جلال کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''کچھ کہو یا چپ رہو میری مدد تو کرتے رہو گے نا.....!'' میں نے پوچھا۔

''اس بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی تو فصل خانے کے باہر موجود ہیں۔ وہ اپنے شب و روز وہیں بسر کر رہا ہے۔''

''اس قلعے میں گھسنا محال ہے۔ اسے وہاں سے نکلنا چاہیے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''اس نے الفا کو بھی وہیں روکا ہوا تھا۔ وہ کب تک وہاں محصور رہ سکے گا۔''

''تو فصل خانے میں آسائشوں کی کمی نہیں ہے۔'' جلال نے بتایا ''حساس ملکوں میں ان کی سرکاری عمارات بہت وسیع و عریض ہوتی ہیں جہاں سوئمنگ پول سے بلیرڈ ٹیبل تک کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ایسی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی برے وقت میں ان کے شہریوں کی ایک معقول تعداد وہاں پناہ لے سکے۔ ٹام ایک لمبی مدت تک وہاں رہ سکتا ہے۔''

''تم اپنی کتھا سناؤ۔'' ویرا نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''تمہاری تدفین کے علاوہ دوسری اطلاعات بھی بہت دلچسپ ہونی چاہئیں۔''

اس روز جہانگیر سے پہلی مرتبہ کھل کر باتیں ہوئی تھیں جن کا تعلق صرف میری ذات سے تھا۔ اس نجی گفتگو کا ہمارے کاموں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ذکر گول کر کے میں نے دوسری تمام باتیں پوری جزئیات کے ساتھ دہرانا شروع کر دیں۔

میرے پہنچنے کے بعد غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ ان چاروں نے گہری دلچسپی کے ساتھ وہ تفصیلات سنیں۔ اس دوران میں میری بیشتر توجہ جلال پر مرکوز رہی تھی۔ واقعات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات میں پل پل تبدیلی آ رہی تھی۔

''مجھے ڈر تھا کہ کرنل داور کا کردار ختم ہوتے ہی ہماری صفوں میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔'' میرے خاموش ہونے کے بعد جلال نے طمانیت سے بھرپور لہجے میں کہا ''لیکن اول خان نے بہت کامیابی سے یہ خلا پر کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس قماش کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔'' ویرا نے اقرار کیا ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اول خان نے یہ مرحلہ کامیابی سے سر کر لیا۔''

''اس سے ایک غلطی ہو گئی'' جلال نے توقف کے بعد اپنی بات آگے بڑھائی ''ٹام سے اس کی اتنی لمبی گفتگو ہوئی تھی تو اسے کرنل داور کے حوالے سے کوئی ایسا شوشا بھی چھوڑ دینا چاہیے تھا کہ ٹام اس سے فوری طور پر ملنے کے لیے بے چین ہو جاتا۔''

''اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آ رہی تو

Downloaded from https://paksociety.com

بے چارہ اول خان ذہنی دباؤ کے عالم میں کیا سوچ سکتا تھا؟'' ویرا نے اول خان کی طرف داری کی۔

''بس اپنی اپنی سوچ کی بات ہوتی ہے۔ میں جلال کے خیال سے متفق ہوں۔'' میں نے کہا ''اور کچھ نہیں تو کرنل داور کی چھوڑی ہوئی کسی ڈائری کا ذکر کیا جاسکتا تھا۔ ٹام اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوجاتا۔''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اپنے کانوں سے ساری باتیں سننے کے باوجود اس وقت یہ نکتہ تمہارے دماغ میں نہیں آیا ہوگا تو بے چارہ اول خان کیسے یہ بات سوچ سکتا تھا'' ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

''یہ بحث بے سود ہے۔ اب آنے والے وقت پر نگاہ رکھو'' جلال نے بردباری سے کہا۔

''اب سارا انحصار تمہارے آدمیوں کی رپورٹ پر ہے۔ ہم میں سے کوئی ان اطراف میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''ان کی طرف سے تم بے فکر رہو'' جلال میری بات کے جواب میں بولا ''وہ پل پل کی خبریں دیتے رہیں گے۔ دونوں تجربے کار آدمی ہیں۔ عقاب جیسی نگاہیں رکھتے ہیں۔ میں یہ بھی بتادوں کہ اب اس مہم میں ہمارا زبانی کلامی ساتھ رہے گا۔ عملی فیصلے تمہارے ہوں گے۔ اس میدان میں میرا کوئی آدمی تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گا۔''

اسے وہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ضابطوں کی سختی سے پابندی کرنے والا افسر تھا۔ اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ ہم سے اپنے مراسم نبھانے کے لیے سرکاری پالیسی سے تجاوز کرکے کسی بدطینت امریکی افسر کی گوشمالی میں ہمیں عملی مدد فراہم کرے گا۔

''ٹام کے چکر میں ہم نے سوبھراج کو فراموش کردیا ہے'' میں نے دھیرے سے کہا ''گرین کو برا کی وجہ سے اس وقت وہ زیادہ اہم ہے۔''

''اس پر بھی کام ہورہا ہے۔ اس کا سراغ مل جائے تو ہم بے خوف ہوکر اسے رگید سکتے ہیں۔ ٹام کے معاملے میں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے صرف تم نمٹ سکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے لیے کہا ہے۔ جو سامنے ہے اسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ سوبھراج بھی جلد ہی سامنے آجائے گا۔ اس وقت تک تم ٹام سے نمٹ چکے ہوگے۔''

''تم نے اپنے طور پر کام بانٹ لیا ہے لیکن معلومات میں شراکت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔'' میں نے نرمی سے کہا ''سوبھراج کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟''

''فی الحال سناٹا ہے'' جلال نے بتایا ''میں نے بنکاک والے آدمی کو ہوشیار کردیا ہے۔ اس سے چھوٹے راجن کا ذاتی موبائل فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ سوبھراج نے ادھر کا رخ کیا تو ہمیں بلاتاخیر اطلاع مل جائے گی۔ میں کسی طرف سے غافل نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں وہ فوری طور پر یہاں سے نہیں جائے گا'' ویرا پرخیال انداز میں بولی ''کسی نہ کسی طرح یہ بات جلد ہی سامنے آجائے گی۔''

وہ سلسلہ آگے بڑھانے سے پہلے میں نے جلال سے راجن کا فون نمبر مانگ لیا۔ دوسرے مسائل میں الجھ کر وہ نکتہ میرے ذہن سے نکل سکتا تھا۔ جلال کو پہلے سے میری فرمائش کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک مڑا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا اور خود ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''تمہارے اس اندازے کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوگی'' اس نے ویرا سے کہا۔

''ابھی تک وہ ڈینی کے نام پر امریکیوں سے سودے بازی کی کوشش کررہا تھا۔ شاید ڈینی کے بدلے ایف بی آئی اس کے ناکردہ گناہ کو معاف کردیتی لیکن جہانگیر کی بازیابی نے سوبھراج کی بساط الٹ دی ہے۔ وہ مر کر بھی دوبارہ اس پوزیشن میں نہیں آسکتا۔ اب اس کے ہاتھ میں گرین کو برا کارڈ ہے۔ اسے اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ اس پر کوئی سمجھوتا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے وقت درکار ہے۔ وہ یہاں رکنے پر مجبور ہوجائے گا۔''

سوبھراج نے مجھ سے گرین کو برا کی نیلامی کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی تھی وہ میرے لیے اس کے جذباتی ابال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ اس معاملے میں ویرا نے بہت قوی امکان کی نشاندہی کی تھی۔ سوبھراج کے پاس کالے دھن کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اپنی تمام تر بدنصیبی کے باوجود وہ بہت خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا اہل تھا اور زندگی اس کے لیے سب سے بڑا سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ جب تک ایف بی آئی والے اسے معاف نہیں کرتے، وہ سکھ کی نیند نہیں سوسکتا تھا۔

اس موضوع پر جلال کے ذہن میں کئی سوال مچل رہے تھے۔ ان پر اطمینان ہوجانے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہوا تو سوبھراج کے معاملے میں وہ ویرا کا ہم خیال ہوچکا تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیالات کے گرداب سے بن اور

Downloaded from https://paksociety.com

بگڑ رہے تھے۔ میرے لیے ٹام اور سوبھراج دونوں ہی اہم حریف تھے۔ اپنی سہولت کے لیے ان میں سے کسی ایک کو نظرانداز کر کے دوسرے پر پوری توجہ مرکوز کرنا مناسب نہیں تھا۔ دونوں مہلک اور موذی دشمن تھے۔ ان پر بیک وقت نگاہ رکھنی ضروری تھی۔

پھر غزالہ بھی کمرے میں آ گئی۔ دوسرے مسائل کے باوجود جہانگیر سے ہونے والی باتیں میرے دل پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ میں نے بہت نرمی اور چاہت کے ساتھ غزالہ سے اس ذاتی موضوع پر بات چھیڑ دی۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ میرے موبائل فون پر جلال کی کال آ گئی۔

''تمہاری دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ ٹام اپنی کمین گاہ سے نکل کر ساحل سمندر کی کھلی فضا میں پہنچ چکا ہے'' اس نے پرجوش آواز میں بتایا۔

''خبر بہت اچھی ہے۔ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آج چودھویں نہیں لیکن چاندنی رات ہے'' جلال کہہ رہا تھا ''ٹام دو گاڑیوں میں سات نفری کارواں لے کر شب بسری کی پوری تیاری کے ساتھ ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچا ہے۔ ایک گاڑی میں اس کے ساتھ ایک اور مرد اور دو عورتیں تھیں۔ دوسری گاڑی میں سوار تینوں آدمیوں نے اپنے اسلحے کے ساتھ ہٹ کے گرد اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں۔ وہ کمانڈوز معلوم ہو رہے ہیں۔''

''دو مرد، دو عورتیں، تین کمانڈوز اور شب بسری کے لوازم!'' میں نے اس کی بتائی ہوئی تفصیل دہراتے ہوئے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرنل داور کی موت کا مادر پدر آزاد جشن منانے کی نیت سے وہاں پہنچا ہے۔ دو مردوں کے لیے دو عورتوں کی موجودگی بتا رہی ہے کہ رات گہری ہونے تک وہاں طرب و نشاط کی محفل سج چکی ہوگی۔''

''معلوم یہی ہو رہا ہے'' اس نے میری تائید کی۔ تم دو عورتوں کے لیے دو مرد بھی کہہ سکتے ہو۔ ان لوگوں کی جدید معاشرت میں جنس سے عزت و عصمت کا تصور ناپید ہو چکا ہے۔ اسے جسمانی تفریح کا ایک درجہ دے دیا گیا ہے۔''

''ان کی اخلاقیات پر زیادہ دھیان مت دو۔ یہ سوچو کہ اس وقت ہمارا ہدف ایک ساحلی ویرانے میں موجود ہے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہمارا نہیں صرف اپنا ہدف کہو'' اس نے میری تصحیح کی ''اور یہ بھی سن لو کہ آج ہفتے کی رات ہے۔ شہر کے من چلوں کی خاصی تعداد وہاں پہنچی ہوئی ہے۔ ساحل پر خاصے ہٹ آباد نظر آ رہے ہیں۔ کوئی بھی پلان بناتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔''

''وہ سات ہیں۔ ساحل پر دوسرے لوگ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ زیادہ نفری درکار ہوگی۔ مجھے اول خان کو ٹٹولنا پڑے گا'' میں نے فکر آمیز انداز میں کہا۔ میرے ذہن میں ہاکس بے کی ساحلی پٹی کا نقشہ جمنا شروع ہو گیا تھا۔

''جنرل کی طرف سے پابندیاں ہٹائے جانے کے بعد وہ تمہارا ساتھ دے سکے گا'' جلال نے اپنا خیال ظاہر کیا ''آج کی رات تمہارے لیے فیصلہ کن ہے۔ یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہے، دو بجے کے بعد کرنا۔ شراب کے بغیر ان کا کوئی جشن پورا نہیں ہوتا۔ وہ دو جوڑے ہیں۔ اس وقت تک نشے میں دھت ہو چکے ہوں گے اور آسانی سے زیر ہو جائیں گے۔ تم کو تینوں کمانڈوز سے اصل مقابلہ کرنا ہوگا۔ ان کے لیے بہت زیادہ آدمیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''تمہارے دونوں آدمی کب تک وہاں رہیں گے؟''

''انہیں بھول جاؤ۔ اپنے بارے میں وہ خود فیصلہ کریں گے۔ فی الحال وہ وہیں موجود ہیں۔ کوئی نئی بات سامنے آئی تو وہ فوراً مجھے اطلاع دیں گے۔''

''او کے جلال۔ میں ان تفصیلی معلومات کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''میں تمہاری سلامتی اور کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا'' ان کلمات کے ساتھ فون خاموش ہو گیا۔

اس خبر پر ہمارے درمیان جوش اور سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ غزالہ سمیت ہر ایک اس مہم پر جانے کے لیے کمربستہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے اول خان کو فون کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر رک گیا۔ دو عیش کوش جوڑوں کو مقابلے سے خارج کر کے تین کمانڈو رہ جاتے تھے۔ وہ ہٹ کے گرد موجود اور آنے والے وقت سے بے خبر تھے۔ ہم پوری تیاری کے ساتھ ان پر شب خون مارتے تو ان تینوں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ہم چاروں کافی تھے۔ اضافی نفری اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

میں کچھ دیر تک اس مشن کے نشیب و فراز پر غور کرتا رہا۔ ہمارے پاس پستول، ریوالور، بیم گن اور زہریلی انگوٹھیوں جیسے

Downloaded from https://paksociety.com

دستی ہتھیار موجود تھے جب کہ اس مہم کے لیے لمبی رینج کے جدید ہتھیار لے جانے ضروری تھے جو اول خان ہی ہمیں فراہم کرسکتا تھا۔

فائرنگ کے نتیجے میں پولیس کی مداخلت متوقع تھی۔ اس سے نمٹنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مجھے اس جشن کے دوسرے شرکا سے کوئی سروکار نہیں تھا مگر میری خواہش تھی ٹام کو زندہ قیدی بنایا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کی صورت میں اسے ہاکس بے سے شہر لانا ایک دشوار ترین مرحلہ تھا۔ جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھا۔ ٹام کو صرف اسٹیشن فور لے جایا جاسکتا تھا۔

وہ ایک خطرناک اور بڑی مہم تھی۔ اس میں اول خان کی عدم شمولیت کی وجہ سے ہماری اولین کامیابی کسی بھی مرحلے پر بدترین ناکامی اور سنگین مسائل سے دوچار ہوسکتی تھی۔

وہ بہت واضح خطرات تھے۔ مجھے اس بارے میں کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس فیصلے پر پہنچتے ہی اول خان سے موبائل فون پر رابطہ کرلیا۔

اس وقت وہ اپنے گھر پر آرام کررہا تھا۔ نئی خبر سنتے ہی وہ چونچال ہوگیا ''میں کہہ رہا تھا کہ میری چھٹی حس مجھے آج کی رات بھاری پڑنے کی خبر دے رہی تھی۔ دیکھ لو کہ بڑی خبر آ ہی گئی۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ وہ سات ہیں تو ہم بھی دس بارہ ہونے چاہئیں۔''

''یہ رات ہم پر نہیں، ان پر بھاری پڑے گی۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے تفصیلات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔ ان میں جلال کے بیش قیمت مشورے بھی شامل تھے۔

اس نے بہت سکون اور تحمل سے ہر بات سنی پھر بولا ''جلال نے تجربے کے گر بتائے ہیں۔ سب کچھ اسی طرح ہوجاتا ہے تو زیادہ پھیلاوے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی جیپ میں ایک آدمی کے ساتھ ہتھیار لے کر آتا ہوں۔ تم چاروں روانگی کی تیاری شروع کردو۔ دونوں گاڑیوں میں تین تین کی نفری بٹ جائے گی۔ چاہو تو صرف میری جیپ میں چل سکتے ہو۔ سب آرام سے اس میں سما جائیں گے۔''

''اس اہم مشن میں دو گاڑیاں بہتر رہیں گی۔ راستے میں کوئی ٹائر پنکچر ہوگیا تو بلاوجہ کوفت ہوگی۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے اپنی گاڑی اور اس کے ٹائروں کی شان میں کچھ قصیدے سنائے مگر اصولی طور پر میری تجویز مان لی۔

اس سنہرے موقع کے انتظار میں ہم کب سے گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہے تھے۔ سب کچھ یکا یک اتنا آسان نظر آنے لگا تھا جیسے ہم ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچیں گے اور ٹام دست بستہ ہمارے سامنے آجائے گا۔ آنے والے وقت کی ہم میں سے کسی کو خبر نہیں تھی۔

اول خان کا گھر ہتھیار خانہ نہیں تھا۔ ضروری ہتھیاروں اور میگزین وغیرہ کے لیے اسے اپنے گھر سے اسٹیشن فور جانا تھا۔ وہ ہر طرف سے فارغ ہوکر ٹھیک گیارہ بجے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

ٹام سے ہماری ذاتی لڑائی چل رہی تھی۔ اس کے اسباب کی جڑیں قومی سلامتی کے اہم ترین معاملات تک جاتی تھیں لیکن یہ کھلی بدنصیبی تھی کہ وہ ہمارے قوانین کی نظروں میں مجرم نہیں، ایک مراعات یافتہ سفارتی اہل کار تھا جسے انگلی لگانا بھی قابلِ تعزیر تھا۔

ہاکس بے کے ساحل پر جم کر ان لوگوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجرم ہوتے تو ان سے ڈٹ کر محاذ آرائی کی جاسکتی تھی۔ میں اس مشن میں مارنے اور بھاگ نکلنے کے نظریے پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

بارہ بجے ہم دونوں گاڑیوں میں گھر سے روانہ ہوگئے۔ میں اول خان اور اس کے آدمی کے ساتھ جیپ میں سوار تھا۔ بقیہ تینوں نفوس ہماری گاڑی میں پیچھے آرہے تھے۔

ہم وقت سے پہلے ہاکس بے پہنچ کر حملے سے پہلے سنی ہٹ اور اس کے قرب وجوار میں پائے جانے والے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینا چاہتے تھے تاکہ بعد کی امکانی دشواریوں پیشگی سدِباب کیا جاسکے۔ ڈرائیونگ میں کسی غلبت کا مظاہرہ کیے بغیر ہم مقررہ وقت سے بہت پہلے آبادی کو بہت پیچھے چھوڑ کر سمندر کے متوازی پھیلی ہوئی سڑک پر پہنچ گئے جہاں چڑھتی رات کی خنک ساحلی ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا۔

عام دنوں میں تاریک اور ویران ساحل کے ساتھ ساتھ جا بجا روشنیوں کے جگنو چمک رہے تھے۔ جلال کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق بہت سے ہٹ روشن نظر آرہے تھے۔ ہوا کے دوش پر کبھی کبھی مسرت آمیز انسانی آوازیں اور چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

راستے میں تین مقامات پر پولیس موبائلوں سے ہمارا سامنا ہوا تھا لیکن کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عام پولیس والے افراد سے پہلے شان دار گاڑیوں سے مرعوب ہوجاتے ہیں۔ اول خان کی چمچماتی ہوئی جیپ ان کے سامنے ہماری ڈھال بنی ہوئی تھی۔

اپنے رقبے، ساخت اور بلندی کی وجہ سے سنی ہٹ اس علاقے کی مشہور عمارت تھی۔ اس پر جس فراخ دلی سے کثیر

Downloaded from https://paksociety.com

سرمایہ لگایا گیا تھا اس سے اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ عمارت امریکی قونصل خانے کی ملکیت رہی ہوگی۔

اول خان کے ایما پر ڈرائیور نے جیپ کی رفتار کم کردی۔ میری نگاہیں سنی ہٹ پر مرکوز ہوگئیں۔ درمیان میں آنے والے ناہموار ٹیلوں کی وجہ سے اس طرف کی ساحلی پٹی ابھر ابھر کر معدوم ہورہی تھی۔ چاند کی ٹھنڈی اور دھیمی روشنی میں مجھے ساحل ویران نظر آیا۔ ٹام اور اس کے تینوں ساتھیوں میں سے کوئی بھی باہر نظر نہیں آرہا تھا۔ ان کے محافظوں میں سے صرف ایک میری نظر میں آسکا۔ وہ وسیع ہٹ کے عقبی چبوترے پر اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

سنی ہٹ کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے ہم آگے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ اس دوران میں اول نے اس مقام کا تعین کرلیا تھا جہاں سے ہم اپنی گاڑیاں ریتیلی پگڈنڈی پر اتار کر سنی ہٹ کے ایک قریبی ہٹ تک پہنچ سکتے تھے جو تاریک اور ویران نظر آرہا تھا۔

جیپ بائیں طرف مڑ کر ریت میں اتری تو مجھے دوسرا کمانڈو نظر آگیا۔ وہ سنی ہٹ کی بغلی سمت میں بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے بھاری وجود پر منڈھے ہوئے کپڑوں پر نظر آنے والی گن کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تیسرا ساتھی ہٹ کے دوسرے پہلو کی حفاظت کررہا ہوگا۔

بظاہر کوئی خطرہ نہ ہونے کے باوجود وہ تینوں نہایت پیشہ ورانہ انداز میں اپنی اپنی جگہوں پر چٹان بنے ہوئے تھے۔

تاریک ہٹ سے آگے نکل کر جیپ روک دی گئی۔ وہاں سے سنی کا برآمدہ اور اگلا حصہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔ وہ چاروں نہانے کے مختصر ترین لباسوں میں روشن برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر رکھی ہوئی کسی شراب کی بڑی بوتل دوسرے لوازم سے بہت ممتاز تھی۔

اتنی دور سے ٹام مجھے نہیں پہچان سکتا تھا مگر پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ میں خالی ہاتھ جیپ سے دوسری طرف اتر گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کوفت ہوئی تھی کہ ڈیڑھ بجنے کے باوجود وہ چاروں اس قابل تھے کہ ساحل کی طرف سے کھلے ہوئے برآمدے میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرسکیں۔

صرف ایک بات حوصلہ افزا تھی کہ وہ چاروں شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ان کی دلچسپیاں جھاگ اڑاتے سمندر سے ہٹ کر ایک دوسرے کے جسموں تک محدود ہوچکی تھیں۔ مردوں کی چھیڑ چھاڑ اور لڑکیوں کے بے ساختہ قہقہے فضا میں ترنم سا بکھیر رہے تھے۔

اس سے آگے بہت سے سرپھرے لڑکے لڑکیاں پانی سے اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ وہ خوش حال گھرانوں کے روشن خیال چشم و چراغ تھے۔ انہیں نیم برہنہ سفید فاموں اور ان کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہاں آئے ہوئے سب لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن تھے۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہم شہر سے میلوں دور، ساحل پر آگئے تھے لیکن کسی کے پاس تیراکی کا لباس نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہاں متعدد لوگ پائنچے چڑھا کر پورے لباس کے ساتھ سمندر کی خنکی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ میں نے جھک کر پائنچے چڑھائے اور خراماں خراماں ساحل کی لکیر کی طرف ہولیا۔

میں خود کو ٹام کی نظروں سے بچائے رکھنے کی پوری کوشش کررہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا سفید فام ہونے کی وجہ سے مجھ سے زیادہ مشکل سے دوچار ہوگی۔ اول خان کا بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔

چند منٹ بعد ہم سب سنی ہٹ سے کافی دور، سمندر کے اتھلے پانی میں کھڑے ہوئے تھے۔

''چاروں بلانوش لگتے ہیں۔'' ویرا تشویش آمیز آواز میں بڑبڑائی ''ان کے مدہوش ہونے کا انتظار کرتے رہے تو ہمیں سویرا ہوجائے گا۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' میں نے کہا ''یہاں تک آگئے ہیں تو انتظار کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہمارے اطمینان کے لیے کافی ہے کہ ٹام ہمارے سامنے ہے۔ کچھ دیر تک تیل اور تیل کی دھار دیکھتے ہیں پھر فیصلہ کریں گے کہ انتظار کرنا بہتر رہے گا یا اللہ کا نام لے کر دھاوا بول دینا چاہیے۔''

''انتظار بھی کرلیا جائے گا۔'' سلطان شاہ بولا ''اس دوران میں یہ فیصلہ کرلو کہ کون کدھر کا رخ سنبھالے گا۔ تینوں کمانڈوز الگ الگ سمتوں میں جمے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک پوزیشن سے نشانے پر نہیں لیا جاسکے گا۔''

مجھے چاندنی کی فکر ہونے لگی۔ وہ باضابطہ طور پر مسلح کمانڈوز کو اپنے ساتھ لے کر سمندری پکنک پر آئے تھے اور بے فکری سے اپنے ہتھیاروں کی نمائش کررہے تھے۔ ان کی بے خبری میں حملہ آور ہونے کے لیے آڑ بہت ضروری تھی لیکن چاند کی پھیکی روشنی نے دور دور تک سب کچھ اتنا واضح کردیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے ریتیلے ٹیلے ہمیں کوئی تحفظ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔

میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند پر بدلی آنے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھے۔

گھر بیٹھ کر نہایت آسان نظر آنے والا وہ مشن میدان میں اترتے ہی دشواریوں کا شکار ہوتا نظر آرہا تھا۔ ان تینوں محافظوں کو بیک وقت پہلے فائر میں ہلاک یا زخمی کرنا بہت ضروری تھا۔ انہیں ذرا بھی مہلت ملتی تو وہ اپنے جوابی فائر سے سامنے والے کو بھون ڈالتے۔ ہماری کسی غلطی سے فائدہ اٹھا کر وہ کمانڈوز ہٹ میں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے تو ہم کسی قیمت پر اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ پولیس یا اپنے قونصل خانے سے کوئی کمک آنے تک وہ ہمیں آسانی سے باہر روک سکتے تھے۔ سنی ہٹ کی چھت پر پہنچا ہوا ایک کمانڈو باہر پھیلے ہوئے بیس آدمیوں کے لیے کافی ہوتا جبکہ ہماری نفری کل چھ تھی جن میں دو عورتیں شامل تھیں۔

میرا ذہن بری طرح الجھ گیا۔ وہاں تک آجانے کے بعد دشمن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر واپس لوٹ جانا ناممکن تھا۔ تصادم میں پوشیدہ خطرات و امکانات دماغ کو ماؤف کیے دے رہے تھے۔ میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہو چکا تھا۔

مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں ٹام بھی سوبھراج کی طرح ہمیں اپنی جھلک دکھا کر صاف نہ نکل جائے۔ اندیشوں کے اس ہجوم میں کامیابی کی صرف ایک راہ نظر آرہی تھی کہ بے مقصد گولیاں چلا کر انہیں ہوشیار کرنے کے بجائے سنی ہٹ پر ایک ساتھ کئی دستی بموں سے حملہ کردیا جائے۔ یقینی طور پر وہ ایک اندھا دھند اور خودکش حملہ ہوتا جو جس کی زد میں آتا، مارا جاتا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر سرعت سے ٹام تک پہنچنا ممکن تھا۔

وہ کامیابی کی ایک راہ ضرور ثابت ہوسکتی تھی لیکن ہمیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی۔ ہماری ٹیم میں سب ایک دوسرے کے چہیتے اور پیارے تھے کوئی ایسا نہیں تھا جسے اس نازک وقت پر قربانی کا بکرا بنایا جاسکے۔

ٹام کے لیے وہ قیمت بہت زیادہ تھی، میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

''کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آرہے ہو!'' اول خان نے مجھے ایک طرف لے جا کر پوچھا۔

اسے سب کچھ بتانا ناممکن نہیں تھا۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا ''آمنے سامنے کے مقابلے کے لیے ان کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط ہے۔ میں سنی ہٹ پر دستی بموں سے اچانک حملہ کرنے کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔''

اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسے بہت سے تماشے دیکھے ہوئے تھے۔ اس نے دو ٹوک الفاظ میں انکار کردیا ''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہم میں سے ایک بھی مارا گیا تو تم ساری زندگی خود کو کوستے رہو گے۔ اس سے بہتر ہوگا کہ ہم جس طرح آئے ہیں، خاموشی سے واپس لوٹ جائیں۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ یہ بھی بتادوں کہ ہم یہاں بمباری کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ میری جیب میں دو چار ہلکے دستی بم ضرور ہوں گے لیکن وہ سنی ہٹ کی مضبوط عمارت کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔''

''میں پہلے ہی نکال چکا ہوں، اپنی تسلی کے لیے تمہاری رائے لے رہا تھا۔''

''اوہ! اندھیرا ہوگیا!'' یکا یک ویرا کی بے ساختہ آواز ابھری۔

میں نے چونک کر سر گھمایا تو سنی ہٹ کا روشن برآمدہ تاریک ہوچکا تھا۔ وہ چاند کی براہِ راست کرنوں سے محروم تھا لیکن ادھر ادھر سے آنے والے انعکاس میں صاف نظر آرہا تھا کہ برآمدے کی دو کرسیاں خالی ہوچکی تھیں۔ ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے بعد بے چین اور بھاری ہیولوں کی کل تعداد دو رہ گئی تھی۔

ان کے معدوں میں اتری ہوئی شراب ان کے دماغوں میں چڑھ رہی تھی۔ بنتِ عنب نے اپنا کام دکھانا شروع کردیا تھا۔ عفت و آبرو کے مفہوم سے ناآشنا کھوپڑیوں پر شیطان نے اپنی سواری گانٹھنی شروع کردی تھی۔

ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے ہلکے ہلکے ماورائی شور میں وہ چاروں تاریک برآمدے میں بیٹھے رہے۔ میری نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں مگر میرا ذہن کہیں اور تھا۔ میں نے سنجیدگی سے اول خان کی دی ہوئی واپسی کی تجویز پر غور کرنا شروع کردیا۔

اچانک رات کے سناٹے میں کہیں سے فائر کی ایک گرج دار آواز گونجی اور میں بے اختیار اپنے سینے کے بل نرم اور گیلی ریت پر گرتا چلا گیا۔ آواز قریب کی تھی۔ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شمی کے شکنجے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کے مہیب دنوں کی دباسے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکر ایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شمی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا تشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کررہا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیچے جال بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بنی دیرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ دیرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کے ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈوون کو انگ نوما کی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارزما صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارزما اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے پر گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسپر گم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کررہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہم راج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں نقب لگا کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوہم راج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہم راج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہاتھ کاٹنا شروع ہوگیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوہم راج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو نکلے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ کسی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوہم راج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوہم راج کو سنیل کے ساتھ اغوا محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کرچکا تھا مگر سوہم راج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اسی دوران سوہم راج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوہم راج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سکمی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوہم راج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آگیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کرکے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس سے سوہم راج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی پی و اسلام آباد مگر سوہم راج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آگیا۔ اسی دوران میں ایس پی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران انٹیشن فورس کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کردیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کرلی۔ دوسری طرف سوہم راج نے بتایا کہ راکے کو واپس کراچی آچکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوہم راج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں۔ ہم ہیڈیالی لہروں کے ذریعے لگانے والی انٹیشن گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار ہی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آگیا۔ اس سے تفتیش آئی بی پی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوہم راج کا سامنا ویرا سے ہوگیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کرڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچادوں۔ میں رضامند ہوگیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوہم راج سے ملاقات ہوگئی۔ میں اس سے ڈیل کا بہکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کرسکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر واپس ہوگیا تاہم اسے بھی شاید اس بات سے کچھ عقل آگئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کردیا۔ اس دوران راکے دوسرے ایجنٹ کا بھی پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں قوی توقع تھی کہ راکے ایجنٹ کے ہاتھ لگنے کے باعث کارروائی نہیں کرسکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر کاما قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کررہی تھی کہ راکے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کرلی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوہم راج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران نام نہاد مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنادیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کرلیا تھا۔ وہ ایجنٹ افطاری تھا جو مجھے مارنے کے لیے ایک رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اترا تو اب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس پی ایف کے ہمراہ قاسم شریر پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوہم راج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد شریر کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرالیا۔ اب بازی سوہم راج کے ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کو برا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کردی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوہم راج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوہم راج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کو برا الپا کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں انٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکر لگا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خود کشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں پہنچادی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سماں پیدا کردیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ موقع اچھا تھا اور اس موقع پر انہیں گھیرا جاسکتا تھا۔

☆☆☆

Downloaded from https://paksociety.com

ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے دھیمے دھیمے مگر پُر ہول شور میں فائر کی وہ آواز کسی بھیانک آسیبی چیخ سے کم نہیں تھی۔ نام اور اس کے ساتھی اس ساحلی ویرانے میں بے فکری سے جشن منانے کے ارادے سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے وہ فائر قطعی غیر متوقع تھا۔

میں نے سینے کے بل نرم ریت پر گرتے ہی اپنے گردو پیش میں نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میرے تمام ساتھی میرے آس پاس' کم و بیش اسی دفاعی پوزیشن میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

فائر کی گرج دار آواز سے صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی طاقت ور رائفل سے کیا گیا تھا۔

فضا میں اس فائر کی گونج معدوم ہونے سے پہلے اچانک غزالہ کی دبی دبی ہیجانی آواز ابھری ''وہ کیا..... ابھی ابھی ہوا میں کوئی چوپایہ سا اچھلا ہے!''

اس وقت میں ان لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی آواز سنتے ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر اس سمت میں اٹھ گئیں جدھر غزالہ دیکھ رہی تھی۔

''میں نے بھی سنی ہٹ کے پیچھے وہ سایہ اچھلتے دیکھا ہے۔'' اول خان نے دھیمی آواز میں غزالہ کی تائید کی ''کوئی کتا یا بھیڑیا معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے ان دونوں کی آرا پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری نگاہیں سنی ہٹ کی طرف جمی رہیں۔

وہ شہر سے بہت دور' ویران ساحلی علاقہ ضرور تھا لیکن وہاں بھیڑیوں اور گیدڑوں وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اگر غزالہ اور اول خان نے مختصر وجود والے کسی چوپایے کو فضا میں اچھل کر گرتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ کوئی آوارہ کتا ہی ہو سکتا تھا۔

کھلے ویرانے میں فائر کی آواز بہت دور تک پھیلی تھی۔ وقتی طور پر شاید لوگ چونکے ہوں مگر ان کی تفریحی سرگرمیاں دوبارہ بحال ہو چکی تھیں۔

وہ ایک تفریحی علاقہ تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ شہر کے اوباش امراء اپنی عیاشیوں کے لیے اکثر اپنے ان ساحلی ٹھکانوں میں راتیں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جہاں قانون کی عمل داری برائے نام ہے۔ جب تک کہیں کوئی دنگا فساد نہ ہو' قانون کے رکھوالے لوگوں کی خلوتوں میں دخل انداز ہو کر رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے۔ کبھی کبھار نشے میں بہکا ہوا کوئی شخص اپنی والہانہ خوشی کے اظہار میں اکا دکا ہوائی فائر بھی کر ڈالتا ہے جسے لوگ جشنِ طرب کا ایک حصہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہماری ٹولی کی کیفیت وہاں آئے ہوئے دوسرے سیلانیوں سے بہت مختلف تھی۔ ہم اپنے ایک اہم اور خطرناک دشمن کی سرکوبی کے مشن پر آئے ہوئے تھے۔ دشمن مسکٹ اور چوکنا تھا۔ اس کے عشرت کدے کی طرف سے چلائی جانے والی گولی کو ہم میں سے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ میں کئی ثانیوں تک ریت پر اسی طرح پڑا' کسی اور فائر یا جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔ پہلے کی طرح ہر طرف سکوت کا راج ہو چکا تھا۔ سمندری پانی میں تفریح کرنے والوں کی مسرت آمیز آوازیں' ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کی مہیب آوازوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔

اس فائر کے نتیجے میں سنی ہٹ کا ساحلی برآمدہ ویران ہو چکا تھا۔ وہاں کی روشنیاں گل ہونے کے بعد دو کرسیاں پہلے ہی خالی ہو چکی تھیں۔ بقیہ دو کرسیوں پر باہم شیر و شکر ہونے والے چاروں وجود فائر ہوتے ہی اندر بھاگ گئے تھے۔ اس وقت چاروں خالی کرسیاں ہمارا منہ چڑا رہی تھیں۔

ابتدائی جھٹکے سے سنبھالا لینے میں کئی ثانیے گزر گئے۔ اندھیرا ہونے کے باوجود ہم میں سے کسی نے فائر کی چمک نہیں دیکھی تھی لیکن آواز کی سمت سے یہ تعین ہو گیا تھا کہ گولی سنی ہٹ کی طرف سے چلائی گئی تھی۔ وہاں نظر آنے والے چاروں افراد کا رزمل ہم سے مختلف نہیں تھا۔ گولی چلتے ہی وہ اضطراری طور پر اندر بھاگ گئے تھے۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ سامنے آ رہا تھا کہ وہ گولی سنی ہٹ کے گرد مامور کسی کمانڈو نے چلائی تھی۔

اس مفروضے کو غزالہ اور اول خان کے مشاہدے سے جوڑنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی امکان ابھر رہا تھا کہ خوراک کی بُو پا کر سنی ہٹ کا رخ کرنے والا کوئی آوارہ کتا کسی محافظ کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ گولی کی زد میں آ کر مرنے والے کتے کی چیخ نہ ابھرنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ طاقت ور رائفل کے فائر نے چشم زدن میں کتے کی مختصر سی کھوپڑی اڑا دی ہو۔

وہ خیال ذہن میں راسخ ہوتے ہی میں زمین چھوڑ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' ویرا میری پتلون کا گیلا پائنچا کھینچ کر

Downloaded from https://paksociety.com

مضطربانہ آواز میں بولی ''کچھ دیر تک نیچے پڑے رہو۔ پتا نہیں کب دوسری گولی چل جائے۔''

''اب کوئی گولی نہیں چلے گی۔'' میں نے نیچی آواز میں پورے اعتماد سے جواب دیا ''سنی ہٹ کی طرف بڑھنے والا کوئی بھوکا اور آوارہ کتا مارا گیا ہے۔ ابھی انسانوں کا نشانہ لینے کی باری نہیں آئی ہے۔ میں بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے۔''

میرے تجزیے سے میرے ساتھیوں کو حوصلہ ملا اور وہ ایک ایک کر کے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے چلے گئے۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن وہ سب ہوشیار ہیں۔ اس وقت تمہارا ان کی طرف جانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔'' اول خان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''کتا مارا گیا ہے تو اسے دیکھ کر تم کیا تیر مار لو گے!'' ویرا نے اپنے مخصوص انداز میں مجھے پیش قدمی سے روکنے کی کوشش کی۔

میں نے ان دونوں کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس واقعے کے نتیجے میں مجھے اپنی مشکل آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔ چند منٹ پہلے میں بے تیل و مرام واپسی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا تھا مگر عین وقت پر قدرت نے مجھے سنی ہٹ تک جانے کا ایک سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں یکا یک روشن امکانات کی ایک یلغار ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کو چند فقروں میں وہ سب سمجھانا ممکن نہیں تھا۔ میرے لیے کچھ کر گزرنے کے بس وہی چند لمحے تھا۔ وقت گزر جاتا تو میری حکمتِ عملی بری طرح ناکام ہوسکتی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد انہیں یقین دلایا ''ہوسکتا ہے کہ مجھے ان سے مل بیٹھنے کا کوئی موقع مل جائے۔ خطرہ دیکھتے ہی میں لوٹ آؤں گا۔''

میں نے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چھوٹے چھوٹے قدموں سے سنی ہٹ کی طرف ہولیا۔ یہ خیال میرے ذہن میں شروع سے ہی جاگزیں تھا کہ اس علاقے میں ٹام اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کی اطلاع ہمیں جلال کے آدمیوں سے ملی تھی جو الفاوا لے قصے کی ابتدا سے سایہ بن کر ٹام کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان لوگوں سے ہمیں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی مگر یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ تجسس سے مجبور ہو کر اس کھیل کا اختتام ضرور دیکھنا چاہتے جس کی داغ بیل انہوں نے ڈالی تھی۔

آئی بی والے ہماری نظروں سے اوجھل تھے مگر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس وقت بھی کسی نہ کسی بہروپ میں کسی ایسے مقام پر منڈلا رہے ہوں گے جہاں سے سنی ہٹ پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں چند قدم آگے بڑھا تو میں نے یہ دیکھ لیا کہ سنی ہٹ کی وہ سمت خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس طرف مامور کمانڈو شاید فائر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کسی اور طرف نکل گیا تھا۔

میں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔

سنی ہٹ کی باہر کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور شاید ان پر پردے بھی کھنچے ہوئے تھے لیکن درزوں سے جھلکنے والی روشنی اندر کی زندگی کی خبر دے رہی تھی۔ چار سفید فام افراد یا دو جوڑے باہر سے بھاگ کر اندر پناہ لے چکے تھے۔ گزرے ہوئے لمحوں میں انہیں اپنے کسی محافظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ فائر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ وہ باہر کی دنیا سے اپنا ہر رابطہ ختم کر کے اندر مگن تھے۔

میں عجلت میں آگے بڑھتا رہا پھر مجھے وہ دونوں کمانڈو نظر آگئے جو سنی ہٹ کی پچھلی سمت میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے تیسرے ساتھی نے ان کے ساتھ آملنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں بہت تیزی سے گردوپیش کا نقشہ اپنے ذہن میں محفوظ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

اچانک ایک کمانڈو نے مجھے دیکھ لیا۔ وہاں میرے چھپنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں ان میں سے کسی سے ملاقات کا ارادہ کر کے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوا تھا۔

''ہالٹ! کون ادھر آرہا ہے؟'' اس نے اضطراری آواز میں مجھے للکارتے ہوئے اچانک اپنی گن سے نشانہ لے لیا۔ ''میں دوست ہوں۔'' میں نے خطرے کے پیشِ نظر اپنی پیش قدمی ترک کر کے نرمی سے جواب دیا ''ابھی ابھی ادھر سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ کیا تم نے سنی تھی؟''

اکلوتے فائر کی آواز نہ سننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر میرا آخری سوال اضطراری سا تھا۔ اس نے بلا توقف کہا ''ہاں۔ ہم نے ایک آوارہ کتا مارا ہے۔ ادھر آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس جا کر موج کرو۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''کیا میں ایک نظر مرے ہوئے کتے کو دیکھ سکتا ہوں؟ میرا پالتو کتا کہیں بھٹک گیا ہے اور ڈیڑھ دو گھنٹے سے غائب ہے۔''

''کتا مر چکا ہے!'' اس نے اپنی رائفل شانے سے لٹکا کر جواب دیا ''اگر یہ تمہارا پالتو کتا تب بھی تم اسے دیکھ کر زندہ نہیں کر سکو گے۔ ہم لوگوں کے جانے کے بعد اچھی طرح اسے دیکھ لینا۔ اس وقت یہاں سے دور رہو۔''

Downloaded from https://paksociety.com

جواب دیتے ہوئے اس نے میری طرف بڑھنا شروع کردیا۔ اس کا انداز کسی بھی اعتبار سے جارحانہ نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے اپنی جگہ پر واپس پہنچنے کے ارادے سے اچانک میری طرف چلنا شروع کردیا تھا۔

شاید اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس کے اپنی جگہ پر موجود نہ ہونے کے باعث مجھے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر رہتا تو مجھے پہلے ہی روک سکتا تھا۔

''تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''لیکن ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکیں گے۔ ہمارے ساتھ گڑ بڑ ہوگئی ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں شہر واپس چلے جائیں گے۔''

وہ میرے قریب پہنچ کر رک گیا اور اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر بولا ''کیسی گڑبڑ ہوئی ہے.....؟ تم بلاوجہ بحث کیوں کررہے ہو؟'' اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

''میں بلاوجہ بحث نہیں کررہا۔ میری شکل وصورت سے تم کو اندازہ لگالینا چاہیے کہ میں ایک معزز اور شریف آدمی ہوں۔'' اس بار میں نے اسے قائل کرنے کے لیے ہلکی سی خفگی کا اظہار ضروری سمجھا ''ہم نے پکنک منانے کے لیے جو ہٹ کرایے پر لیا تھا اس کا چوکیدار چابی سمیت غائب ہے۔ پتا نہیں اس پر کیا مصیبت آئی ہے۔ ہم اس موسم میں کھلے آسمان کے نیچے پوری رات نہیں گزار سکتے۔ ہمیں ابھی واپس جانا پڑے گا۔ آخر تم مجھے کتے کو دیکھنے سے کیوں روک رہے ہو؟''

''صورت سے تم واقعی شریف لگتے ہو۔'' اس نے میرے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں کہا ''خالی ہاتھ بھی ہو۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ تمہارا پالتو کتا غائب ہوگیا اور ہٹ کا چوکیدار بھی نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار ہوگیا ہو۔ کبھی کبھی ایسے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں۔ جاؤ اور اس پاکستانی کتے کو ایک نظر دیکھ کر فوراً لوٹ آؤ۔''

وہ حد سے تجاوز کرگیا تھا۔ اس سے اجازت مل جانے پر میں نے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں اس کی زہر فشانی برداشت نہ کرسکا۔

''میں نے بہت سے امریکی کتے بھی دیکھے ہیں۔ وہ انگریزی نہیں بولتے۔ پاکستانی کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔ کیا تمہیں ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟'' میں نے کڑوے لہجے میں پوچھا۔

''تم نے کیسے اندازہ لگالیا کہ میں امریکی ہوں؟'' اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

''میں نے تمہارا نہیں' امریکی کتوں کا ذکر کیا تھا۔'' مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں..... تمہیں فرنچ' جرمن یا انگلش کتے کیوں یاد نہیں آئے؟''

''میرا مخاطب کوئی جرمن ہوتا تو میں جرمن کتے کی بات کرتا۔''

''میں یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے مجھے امریکی کیسے سمجھ لیا؟''

اس کا سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ میں مشتعل ہوکر اسے منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ضرور ہوگیا لیکن اس کی قومیت کا حوالہ میرے لیے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ وہ ان ڈھیٹ اور بے شرم لوگوں میں سے نظر آرہا تھا جو دوسروں کو گالی دینے میں عار سمجھتے ہیں نہ گالیاں کھا کے بے مزہ ہوتے ہیں۔ اس نے یکا یک وہ نکتہ پکڑ لیا تھا جو مجھے لاجواب کرسکتا تھا۔

اسے برابری سے جواب دینے کے بعد میرا غصہ دب چکا تھا۔ بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں مجھے موزوں جواب سوجھ ہی گیا۔ میں نے بہت نرمی سے کہا ''اس طرف آنے والوں کو معلوم ہے کہ سنی ہٹ امریکیوں کی ملکیت ہے۔ یہاں وہ خود آتے ہیں یا ان کے مہمان۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔''

وہ پرغرور انداز میں دھیرے سے ہنس پڑا۔ یہ جان کر اس کی انا کی تسکین ہوئی تھی کہ کسی واضح حوالے کے بغیر بھی اس کی قومیت کا تعین کرلیا گیا تھا۔

''جاؤ اور اسے دیکھ کر الٹے قدموں لوٹ آؤ۔ ہماری موجودگی میں یہ ممنوعہ علاقہ بن جاتا ہے۔ میرے للکارنے پر تم نہ رکے ہوتے تو میں ایک گولی تمہارے نام بھی کردیتا۔ آج رات یہاں پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' اس سے کسی غیر ضروری بات میں الجھنے کے بجائے میں ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اس وقت میں کامل بے یقینی کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہوجائے گا۔ مجھے اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہورہا تھا اور دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں سی مار رہا تھا۔

ان میں سے کسی نے ایک آوارہ کتے پر طبع آزمائی کرکے اچانک ایک نئی راہ کھولی تھی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر کی کچھار میں قدم رکھ دیا تھا جہاں سے واپسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں لوٹتا تو وہ مجھے بے دریغ گولیوں کی باڑ پر لے کر بھون ڈالتے۔ واحد راستہ یہ تھا کہ میں مردانہ

Downloaded from https://paksociety.com

دار ان سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی کوشش کرتا۔ کامیابی کی صورت میں مجھے زندہ رہنے اور لوٹنے کا حق مل سکتا تھا۔

مجھے پیش قدمی کی اجازت دینے والا کمانڈو پیچھے رہ گیا تھا۔ سنی ہٹ کے عقبی حصے کی حفاظت کرنے والا پوری مستعدی کے ساتھ میرے استقبال کے لیے تیار تھا۔ سنی ہٹ کے دوسرے پہلو پر مامور تیسرا کمانڈو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

''مرنے والا کتا تمہارا ہے؟'' میرے قریب پہنچنے پر اس نے تفتیشی رکھائی کے ساتھ سوال کیا۔

''میں اسے دیکھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے محتاط لہجے میں کہا ''وہ کوئی آوارہ کتا لے بغیر مرا ہے۔ چیخا ہوتا تو شاید میں اسے اس کی آواز سے پہچان لیتا۔''

ان کے درمیان پہنچنے تک میں نے کچھ طے نہیں کیا تھا کہ میں کس حیلے سے ان کا قرب حاصل کر سکوں گا۔ بات سے بات نکلی اور میں نے مرنے والے کتے کی ملکیت کا امکانی دعویٰ کر دیا۔ وہ بہت معمولی سا واقعہ تھا جو اچانک اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ میں اپنے دوسرے حریف سے مکالمہ کرتے ہوئے اپنے دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کتے کی ملکیت کا دعویٰ میرے گلے نہ پڑنے پائے۔

''پالتو کتے اپنے مالک کی بُو پہچانتے ہیں۔ یوں ویرانوں میں مارے مارے نہیں پھرتے!'' وہ آسانی سے مجھے راہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں تمہارے ساتھی کو اپنی کتھا سنا چکا ہوں۔'' میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''اب تم کو بھی بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے ہٹ کرایے پر لیا تھا۔ ہم یہاں آ گئے۔ چوکیدار نہیں پہنچا۔ ہٹ پر تالا پڑا ہوا ہے۔ ہمارا کتا بوکھلا کر غائب ہو گیا۔ ہم اس کی تلاش میں یہاں رکے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں مر چکا ہے تو ہم ابھی لوٹ جائیں گے۔''

''اوہ! اس کا مطلب ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟'' اس خبیث کو ایک نئی بات سوجھ گئی۔

''وہ دو یا دو سو بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے چڑ کر جواب دیا ''تمہیں ان سے کیا لینا ہے۔ تمہارے پاس میں اکیلا آیا ہوں۔ تم لوگ ایک معمولی سی بات کو اتنا طول کیوں دے رہے ہو۔ کتے کی لاش دکھانے میں تم اتنی حیل حجت کیوں کر رہے ہو؟''

''بات کتے کی نہیں' سنی ہٹ کی ہے۔'' اس نے میرے لہجے کا برا منائے بغیر تشویش زدہ لہجے میں کہا ''تم نے مشتبہ انداز میں ہمارے ہٹ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ اپنا اطمینان کرنا میرا پورا حق ہے۔ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے کہ میں نے ایک کتے کو مارا اور تم اس کے مالک ہونے کا دعویٰ کر کے سامنے آ گئے۔ ساحلوں پر کون پالتو کتے لے کر آتا ہے!''

''تم غیر ضروری باتیں کر رہے ہو۔ لوگ کتوں کو بستر میں اپنے ساتھ لے کر سوتے ہیں۔ میں اسے ساحل پر ہوا خوری کے لیے لے آیا تو کیا برا کیا؟''

''یہ انگریزوں کے شوق ہوتے ہیں۔'' میرے چڑنے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا ''تم کسی کالے انگریز سے کم نظر نہیں آتے۔ جاؤ! اسے دیکھ لو۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے۔'' اس نے چند گز دور ایک تاریک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت وہ میری پہنچ سے دور تھا۔ میں نے سرسری انداز میں سر گھمایا تو پہلا کمانڈو نظر آیا۔ وہ پوری طرح ہم دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ اس وقت میں ذرا بھی گڑبڑ کرتا تو وہ لمحہ بھر میں اپنے ساتھی کی مدد کے لیے آ سکتا تھا۔ میرے لیے ان مسلح گینڈوں کا مقابلہ کرنا محال تھا۔

میں سر جھٹک کر اس مختصر سی ڈھلان سے اترنے لگا جو ریتیلے ٹیلے پر ختم ہو رہی تھی۔

میں نے ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا تو چاند کی پھیکی روشنی میں مجھے کتے کا بے جان دھڑ نظر آ گیا۔ اس بے حس و حرکت وجود کا سر سرے سے غائب تھا۔

اس وقت تک میں انہیں فریب دینے میں کامیاب رہا تھا اور ان کے درمیان گھس آیا تھا لیکن مجھے ان پر وار کرنے کا کوئی بے داغ موقع نہیں مل سکا تھا۔ میری صحیح سلامت واپسی کے لیے اتنا کافی ہوتا کہ میں متوفی کتے کی ملکیت کے دعوے سے یکسر دستبردار ہو جاتا' اسے پہچاننے سے انکار کر دیتا اور ان دونوں زور آور کمانڈوز کا شکریہ ادا کر کے واپس لوٹ جاتا۔

مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ مجھے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تشویش میں اضافہ ہونا لازمی تھا۔ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ سب اپنی اعصابی کشیدگی کے نتیجے میں کسی بھی لمحے میرے لیے کوئی امدادی کارروائی عمل میں لا سکتے تھے۔ اس وقت تک انہیں ایک ہی بات نے کسی عملی قدم سے روکا ہوا تھا کہ اپنے حریفوں سے میرے مذاکرات میں کوئی شدید تلخی پیدا ہوئی تھی نہ کوئی ہنگامہ خیز شور شرابا ہوا تھا۔ تصادم کی ایسی کوئی بھی علامت انہیں اندھا دھند حملے پر مجبور کر سکتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں ٹیلے پر بس لمحہ بھر کے لیے رکا۔ خالی ہاتھ واپس لوٹنا ذلت کے مترادف ہوتا۔

''اوہ! مائی ہمیگ ڈارلنگ!'' میں نے ایک بہت ہلکی سی جذباتی چیخ ماری اور ٹیلے سے نیچے کود گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری آواز دوسرے کمانڈو کے کانوں تک ضرور پہنچی ہوگی۔

نرم ریت پر قدم ٹکاتے ہی میں نے کسی آنے والے کے استقبال کی تیاری کرنے کا ارادہ کیا مگر اسے فوری طور پر ماتوی کردیا۔ وہ دونوں محتاط تھے۔ ان سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ میری دردمندانہ آواز سنتے ہی ٹیلے سے نیچے کود پڑیں گے۔ وہ اوپر رک کر نگاہیں دوڑاتے اور مجھے اوٹ میں دبکا ہوا دیکھتے تو ایک ہی سانس میں کئی گولیاں میرے بدن میں اتار دیتے۔

میں لپک کر کتے کی لاش کی دوسری جانب پہنچ گیا۔ اس پوزیشن سے میں ٹیلے پر نمودار ہونے والے ہر شخص پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر اپنائے ہوئے اس بے نام ونشان کتے کی لاش کے قریب ریت پر بیٹھ گیا۔

چند لمحوں میں میری توقع پوری ہوگئی۔ میری ترکیب کارگر رہی اور کتوں کی ساحلی سیر پر اعتراض کرنے والا دوسرا کمانڈو ٹیلے کے سرے پر آموجود ہوا۔

''اب کیا مصیبت ہے۔'' وہ اوپر سے غرایا ''تم نے اپنے کتے کو پہچان لیا ہے تو اسے اٹھاؤ اور یہاں سے چلتے بنو..... ہمارا وقت برباد مت کرو!''

''تم بہت نرم دل اور مہربان ہو!'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''اپنے چہیتے کتے کی لاش کو یہاں گیدڑوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس بدنصیب کا وقت پورا ہوگیا تھا جو یہ تمہارے نشانے پر آ گیا۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ذرا نیچے آ کر اسے میرے کندھے پر ڈلوا دو۔ میں چلا جاؤں گا۔ تمہارا وقت برباد نہیں کروں گا۔''

اس نے ریت پر ٹھوکر مار کر بڑبڑاتے ہوئے چند پیچیدہ گالیاں دیں اور کود کر نیچے آ گیا۔ میں اسی مبارک لمحے کا منتظر تھا۔ نیچے قدم ٹکانے کے بعد وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں چھوٹی سی جست لگا کر اس کے قریب پہنچا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے اپنا بایاں ہاتھ اس کی ننگی گردن پر رکھ دیا۔

میری انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کا 'موت کا زہر اگلنے والا کھوکھلا نگینہ میری ہتھیلی کے رخ پر آیا ہوا تھا۔ اس کمانڈو کی گردن پر میری گرفت قدرے سخت ہوتے ہی سریع الاثر زہر اس کے بدن میں سرایت کرگیا۔

مرے ہوئے کتے کی طرح کمانڈو کے حلق سے کوئی آواز نکلی نہ وہ اپنے ہاتھ پیروں کو کوئی دفاعی حرکت دے سکا۔ میں نے اس کے گرتے ہوئے وجود کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کی بے جان لاش اوندھے منہ کتے کے دھڑ پر جا گری۔

امریکی اور کتا بلکہ امریکی کتا۔ میرے دل و دماغ کی گہرائیوں سے ایک اچھوتا خیال ابھرا اور میرے پورے وجود کو نہال کرگیا۔

باتوں کا وقت گزر چکا تھا۔ تیز ترین عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک لمحے کی لغزش بھی میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میں نے کمانڈو کی لاش سے رائفل اتارنے کے بارے میں سوچا لیکن اس وقت میرا یوں مسلح ہونا سودمند نہیں تھا۔ نہتا رہ کر میں اپنے حریفوں سے بہتر انداز میں نمٹ سکتا تھا۔

میں بغلی سمت سے قدرے لمبا چکر کاٹ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ دوسرے کمانڈو کی نگاہیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان کا تیسرا ساتھی میری نظروں سے بدستور اوجھل تھا۔ وہ کسی ایسی پوزیشن میں موجود تھا جہاں سے اسے اپنے دونوں ساتھیوں کی خیر خبر نہیں مل سکتی تھی۔

میری چیخ وپکار تیسرے کمانڈو کو بھی ہوشیار کر دیتی۔ میں نے ٹیلے پر پہنچتے ہی اپنے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر دوسرے کمانڈو کو اپنی طرف بلانا شروع کردیا۔

اپنے ساتھی کے بجائے مجھے ٹیلے پر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ رہی سہی کسر میرے مضطربانہ اشاروں نے پوری کردی۔

''منہ سے کچھ پھوٹو..... وہاں کیا ہو رہا ہے؟'' وہ میری طرف دوڑتے ہوئے غرایا۔

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ ہوا کے دوش پر تیسرے کمانڈو کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ اپنی رائفل تانے اوٹ سے نکل آیا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔

وہ سنی ہٹ کی دوسری سمت میں تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر میں ایک وقت میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

تیسرے کمانڈو کو واقعات کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اپنی رائفل تانے بہت احتیاط سے ایک ایک قدم کرکے آگے بڑھ رہا تھا۔

اسی اثناء میں دوسرا کمانڈو دوڑتا ہوا سنی ہٹ کی اوٹ سے نکل آیا۔ تیسرے کمانڈو نے اسے دیکھ لیا لیکن دوڑنے والے کی پشت سنی ہٹ کی طرف تھی۔ وہ میری سمت میں آ رہا تھا' اپنے تیسرے ساتھی کو نہیں دیکھ سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''کیا ہوا..... ٹیڈ کہاں ہے؟'' اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹیلے سے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے کی طرف اشارہ کر کے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا ''وہ..... وہ اچانک کتے پر گر گیا.....!''

غصے، تجسس اور تشنگی سے مغلوب ہو کر وہ اپنے ساتھی کا جائزہ لینے کے لیے بس لمحہ بھر کے لیے ٹیلے کے سرے پر رکا۔ اس کی ساری توجہ نشیب میں مرکوز تھی۔ میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے اچانک اس کی داہنی کلائی تھام لی۔

میرے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ اتنی دیر میں زہر اس کے دوران خون میں شامل ہو کر اپنا رنگ دکھا چکا تھا۔ وہ ٹیلے سے اچانک نشیب میں گرا۔ میں نے اس سے پہلے نیچے چھلانگ لگا دی۔

میں نے قلیل سے وقت میں بہت کامیابی سے اپنے دو حریفوں کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ تیسرے نے کچھ مناظر دیکھ لیے تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس جال میں پھنس سکے گا۔

میں نے پھرتی سے دونوں کمانڈوز کی رائفلوں پر قبضہ کر لیا۔ ایک اپنے شانے سے لٹکا کر دوسری کو ہاتھ میں رکھا اور جیب سے اپریٹس نکال لیا تا کہ اپنے انتظار میں سوکھتے ہوئے ساتھیوں کو اپنی تازہ ترین پوزیشن سے باخبر کر سکوں۔

''ہے..... ٹیڈ..... گراہم.....! تم کہاں ہو..... وہاں کیا ہو رہا ہے؟'' فضا میں تیسرے کمانڈو کی بھاری اور تشویش زدہ آواز گونجی۔

''میں نے دو کو مار دیا ہے۔'' اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لا کر میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا ''ان کی رائفلیں میرے پاس ہیں۔ تیسرا زندہ ہے۔ سارا کھیل ہٹ کے پیچھے مرکوز ہے۔ تم لوگ بقیہ تین سمتوں سے دھاوا بول دو! اوور!''

میں نے اس خطرناک نشیب سے کسی بہتر پوزیشن کی تلاش میں نکلتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔'' اول خان کی آواز ابھری ''تیسرے کو اسی طرف الجھائے رکھو۔ ہم بڑھ رہے ہیں..... اوور.....''

میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر اپریٹس اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ دوسروں نے میرا پیغام سن لیا تھا۔ میرے ذہن سے یہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کہیں میں بے خبری میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں نہ مارا جاؤں۔

میں نرم ریت پر بھاگنے میں دقت محسوس کر رہا تھا۔ اندھیرے میں خودرو جھاڑیاں بھی میری راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی فائر ہونے سے پہلے میں اس نشیب سے کافی دور نکلنے میں کامیاب ہو گیا جہاں دو کمانڈوز کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

''ٹیڈ..... گراہم..... میری آواز کا جواب دو!'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد پھر وہی آواز گونجی۔ اس بار آواز خاصی بلند تھی اور اس میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔

میں ٹیلے کی طرف گھات لگائے، جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا بیٹھا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے دو ساتھیوں کی اچانک اور پراسرار خاموشی تیسرے کمانڈو کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دے گی۔ کوئی گولی چلی تھی نہ تصادم ہوا تھا پھر بھی ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو سنی ہٹ کے عقب میں دوڑ لگاتے اور پھر ریتیلے ٹیلے سے نشیب میں کودتے یا گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد اسے صورتِ حال کا صحیح ادراک کرنے کے لیے ٹیلے پر آنا چاہیے تھا۔ اسے صرف ایک خوف نے فوری طور پر ادھر کا رخ کرنے سے روکا ہوا تھا۔ وہ دوسرے کمانڈو کے ساتھ مجھے دیکھ چکا تھا۔ اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے میں دوسرے کمانڈو کا کام تمام کرتا ہوا نشیب میں کود گیا تھا۔ اسے یہ خوف ہو سکتا تھا کہ میں نے طاقت کے بل پر اس کے ساتھی یا ساتھیوں کو یرغمال بنا رکھا ہو اور جب وہ سامنے آئے تو اسے بھی میں اپنی زد پر لے لوں۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میری بے چینی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ میرے اصل حریف وہ کمانڈوز نہیں تھے۔ وہ تینوں ہماری راہ کی بھاری رکاوٹیں بنے ہوئے تھے۔ دو کے مارے جانے کے بعد تیسرے نے مجھے اٹکایا ہوا تھا۔ اس کا قصہ نمٹ جاتا تو میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنے اس اصل حریف سے ٹکر لے سکتا تھا جو سنی ہٹ کی چار دیواری میں پناہ گزیں تھا۔

اول خان وغیرہ کی طرف سے بھی خاموشی تھی۔ شاید وہ سنی ہٹ کے گرد اپنی فارمیشن ترتیب دے رہے تھے۔ وقت مل جانے کے بعد اس حملے کے لیے منصوبہ بندی ناگزیر تھی۔

اچانک مجھے ٹیلے کے سرے پر ایک سیاہ دھبا ابھرتا ہوا نظر آیا اور میرے سینے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ٹیڈ اور گراہم کی تلاش میں نکلا ہوا شخص منجھا ہوا کمانڈو ثابت ہوا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ریت کا ٹیلا اس کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتا ہے۔ اپنے قدموں پر چل کر وہاں تک

Downloaded from https://paksociety.com

پہنچنے کے بجائے وہ کسی عبار چیتے کی طرح سینے کے بل ریت پر سرکتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ ٹیلے پر اس کے ابھرے ہوئے سر کا نشانہ لینا آسان نہیں تھا۔

میں نے اسے وہاں ٹکنے کا وقت نہیں دیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے نشیب کا منظر دیکھ لیتا تو بہت کچھ سمجھ سکتا تھا۔ اس کا تجسس اور بے یقینی میں مبتلا رہنا میرے لیے سود مند تھا۔ ٹیلے پر اس کا سر ابھرتے ہی میں نے شست باندھ کر امریکی رائفل سے فائر کر دیا۔

فضا میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ میری چلائی ہوئی گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ اسی لمحے وہاں سے غائب ہو گیا۔

اگلے لمحے میں ٹیلے سے ایک پرشور آواز کے ساتھ گولی میری طرف آئی۔ میں نے فائر کرتے ہی اپنی جگہ تبدیل نہ کر لی ہوتی تو میرے حریف کا فائر مجھے چاٹ گیا ہوتا۔ اس کی عقابی نظروں نے میرے فائر کی چمک سے میری پوزیشن کا بالکل صحیح اندازہ لگاتے ہی بے خطا فائر کیا تھا۔

میرے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ میں نے زبردست مکاری سے کام لے کر دو کمانڈوز کو اپنا نشانہ بنا لیا تھا۔ مجھے گمان تھا کہ تیسرا بھی میرے لیے آسان شکار ثابت ہوگا مگر اس کے طور طریقے بتا رہے تھے کہ وہ آسانی سے مار کھانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے فنِ حرب پر پوری دسترس حاصل تھی۔ اس سے مقابلہ طول پکڑتا ہوا نظر آنے لگا۔

دور دور سے گولیوں کے تبادلے میں اسے مات دینا مشکل نظر آ رہا تھا۔ مجھے فکر و تشویش نے آن گھیرا۔ اس معرکے میں ایس ٹی ایف پس پردہ تھی اس لیے اول خان نے مقامی پولیس سے کسی قسم کی مراعت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مقابلہ طول پکڑتا تو پولیس کی مداخلت یقینی تھی۔ ایک مسلمہ سفارتی پارٹی کے مقابلے میں ہم بے نام و نشان جملہ آور تھے۔ پولیس ہمارے خلاف پوری طرح ان لوگوں کا ساتھ دیتی اور ہمارا مشن ناکام ہو جاتا۔

چند لمحوں کے بعد فضا پستول یا ریوالور کے فائروں سے گونج اٹھی۔ اول خان اور دوسرے لوگوں سے اس مقابلے میں ایسے بے وقعت ہتھیاروں کے استعمال کی توقع نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے خاموشی سے سنی ہٹ پر دھاوا بول دیا تھا۔ اپنی خلوت کے اطراف میں مشتبہ قسم کی نقل و حرکت کے آثار محسوس کر کے ٹام یا اس کے بہکے ہوئے ساتھی نے خوف زدگی کے عالم میں اپنا پورا پستول یا ریوالور خالی کر دیا تھا۔ پورے سات فائر ہونے کے بعد وہ آوازیں دم توڑ گئیں۔

میں نے مضطرب ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر سنی ہٹ تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ تیسرا کمانڈو میری تلاش میں وہیں بھٹکتا رہ جاتا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ رکاوٹیں ختم ہو جانے کے بعد مجھے صرف ٹام تک رسائی کی جستجو تھی۔

میں دوہری ہوئی وزنی رائفلوں کے بوجھ کے ساتھ دوڑتا ہوا آخر کار ایک ایسے مقام پر جا نکلا جہاں سے سنی ہٹ صاف نظر آ رہا تھا۔

بھاری فائرنگ کے نتیجے میں پوری ساحلی پٹی ویران ہو چکی تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ رات کے گہرے سکوت میں بکھری ہوئی ہلکی سی چاندنی میں سمندر کا مزہ لینے والے قتل و غارت گری کے خوف سے اپنے اپنے ہٹ کی چار دیواری میں سمٹ چکے تھے۔

رائفل کا ایک فائر ہوا۔ وہ آواز امریکی رائفلوں کے فائر سے مختلف تھی۔ اسی کے ساتھ ایک کرب ناک انسانی چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بتدریج دم توڑ گئی۔ چیخ اجنبی تھی۔ یقینی طور پر دشمن کا کوئی اور آدمی گرا لیا گیا تھا۔

سنی ہٹ کی طرف دوڑتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ چیخ کسی بند چار دیواری سے نہیں ابھری تھی۔ اس کی گونج بتا رہی تھی کہ کوئی کھلی فضا میں مارا گیا تھا۔ اگر میرے ساتھی سنی ہٹ میں گھس چکے تھے تو انہیں اپنے بدمست حریفوں کو زیر کرنے کے لیے رائفل جیسے طاقت ور ہتھیار کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ انہیں ٹام کو بے بس کرنا تھا۔ اسے مارنے یا زندہ رکھنے کا فیصلہ کرنے کا حق صرف مجھے حاصل تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے کوئی اسے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات طے تھی کہ سنی ہٹ میں موجود دونوں جوڑوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا تھا۔ لے دے کر وہ تیسرا کمانڈو ہو سکتا تھا جو اپنی بدقسمتی سے میرے کسی ساتھی کی زد میں آ گیا ہو۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی میرے وجود میں جوش و ولولے کی ایک نئی لہر سرایت کر گئی۔ میں پوری طاقت سے دوڑتا ہوا سنی ہٹ کے برآمدے تک پہنچ گیا۔

وہاں بدستور اندھیرے کا راج تھا مگر ہلکی چاندنی میں سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ ویران برآمدے میں پڑی ہوئی خالی کرسیوں اور مے نوشی کے لوازمات کے سوا وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ البتہ اندر سے کچھ عجیب و غریب اور ملی

Downloaded from https://paksociety.com

جلی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں ان پر دھیان دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ تاریکی میں سے اچانک ایک سایہ برآمد ہوا اور میرے گلے میں جھول گیا۔ مجھے اس کو پہچاننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کے وجود کی خوشبو بتا رہی تھی کہ وہ غزالہ تھی۔

''تم یہاں اندھیرے میں کہاں چھپی ہوئی تھیں؟'' میں نے تحیر زدہ سرگوشی میں پوچھا۔

''یہاں پہرا دے رہی ہوں۔ ویرا عجیب سنکی عورت ہے۔ رائفل لے کر آپ کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اول خان اپنے آدمی اور سلطان شاہ کے ساتھ اندر ہے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

''ابھی رائفل کہاں چلی تھی؟'' میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''باہر!'' عقب سے آواز آئی۔ میں بری طرح چونک کر مڑا تو ویرا اپنی رائفل سمیت موجود تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر آنکھوں کے نچلے حصے تک سیاہ اسکارف باندھا ہوا تھا۔ اس نے ہم دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے تمہاری تلاش تھی۔ میں نے تیسرے کمانڈو کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اب اندر والے چار رہ گئے ہیں۔ ان کی طرف جانے سے پہلے اپنے چہرے پر رومال یا پھر اپنا بنیان باندھ لو۔ اول خان نے بھی یہی کیا ہے۔ ٹام ہم تینوں کو دیکھتے ہی پہچان لے گا۔''

ویرا کا مشورہ بہت صائب اور قیمتی تھا۔ جیب میں رومال رکھنے کی پرانی عادت اس وقت میرے کام آئی۔ میں نے ہاتھ میں موجود امریکی رائفل غزالہ کے حوالے کی اور شانے سے دوسری رائفل اتار کر بہت تیزی سے اندر گھس گیا۔

برآمدے سے گزر کر میں لابی میں پہنچا جہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی داہنی طرف وہ تینوں ایک بند دروازے کے دائیں بائیں موجود تھے۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔

''چاروں اندر بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں، میں.....'' اول خان نے میری آمد کا اندازہ لگاتے ہی کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم دروازہ کیوں نہیں توڑ دیتے؟'' میں نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کوشش کی تھی۔ اس نے اندر سے فائرنگ شروع کر دی'' منہ پر چڑھے ہوئے بنیان کے پیچھے سے اول خان کی آواز آئی ''دروازہ بہت مضبوط ہے مگر کوئی بھی گولی دروازہ پار کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''ٹام! دروازہ کھولو ورنہ ہم تمہیں اڑا دیں گے'' میں نے بدلی ہوئی اونچی آواز میں اپنے اصل حریف کو للکارا۔

''اس سے پہلے تم فنا ہو جاؤ گے'' اندر سے آنے والی ٹام کی آواز میں دور دور تک نشے کا شائبہ نہیں تھا ''میں نے اپنے موبائل پر آگے خبر دے دی ہے۔ کسی بھی وقت تم سب گھیر لیے جاؤ گے۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

وہ اس کا سفید جھوٹ بھی ہو سکتا تھا مگر ہم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وقت کھونے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اول خان وہاں خاصا وقت ضائع کرنے کے باوجود کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ شاید وہ اس احتیاط میں الجھا رہ گیا تھا کہ اسے ٹام کو ہر حال میں زندہ پکڑنا ہے۔

ٹام نے مجھے للکارا تھا۔ وہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ میرے لیے اس کی سلامتی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں نے دوسروں کو صرف اس وجہ سے محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔ میری وہ ہدایت اس وقت تک اول خان کے قدموں کی زنجیر بنی ہوئی تھی۔

میں نے اپنے قبضے میں موجود رائفل کی نال ٹھوس لکڑی کے بنے ہوئے دروازے کے اس اوپری کونے پر ٹکا دی جہاں اندر کا بولٹ ہو سکتا تھا۔ ٹریگر دباتے ہی فضا لرز اٹھی۔ اندر سے کئی بے ساختہ چیخوں کی آوازیں آئیں جن میں لڑکیوں کی بہکی بہکی چیخیں نمایاں تھیں۔ چیخنے کے ساتھ انہوں نے رونا بھی شروع کر دیا تھا۔

میں نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر زوردار لات ماری لیکن وزنی دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ انہوں نے اندر سے دروازے کا مضبوط قفل بھی بند کیا ہوا تھا۔

ٹام کی زبان سے موبائل فون کا ذکر سن کر میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔ ہماری مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ اس بار میں نے دروازے کے قفل کا نشانہ لے کر رائفل سے فائر کیا اور خوش نما دروازے میں تالے کی جگہ ایک بھدا سا سوراخ نمودار ہو گیا۔

اندر چیخ و پکار کا ایک طوفان برپا تھا۔ تاہم ان میں سے کسی نے جوابی گولی چلانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اس بار سلطان شاہ نے پوری طرح بے خوف ہو کر دروازے پر زور ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

پے دھڑک ہو کر اندر گھسنا دل گردے کا کام تھا جو ہم

Downloaded from https://paksociety.com

چاروں میں سے کسی ایک کو کرنا تھا۔ اول خان کے آدمی نے ہمیں اس بارے میں سوچنے کی کوئی مہلت دیے بغیر پہل کر ڈالی۔ کمرے میں چند قدم آگے بڑھتے ہی وہ بہت تیزی سے پلٹا تھا۔ اس وقت تک میں بھی اندر پہنچ چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ چاروں دروازے والی دیوار سے لگے، خوف سے کانپ رہے تھے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد انہیں اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔

لڑکیاں نیم برہنہ اور شرمناک حالت میں تھیں۔ دونوں خوش شکل اور سیمیں بدن تھیں لیکن سلطان شاہ میرے پیچھے کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے بھی مرمر سے تراشے ہوئے ان گلابی پیکروں سے محظوظ نہ ہوسکا۔ وہ خاصا نیک نفس آدمی تھا۔ انہیں دیکھتے ہی آگ بگولا ہوکر ان کی طرف لپکا اور ان میں سے ایک کے کولہوں پر زوردار لات رسید کرکے بے ساختہ اردو میں گرجنے لگا ''بے شرمو! دفع ہوجاؤ یہاں سے۔ منہ کالا کرلو اپنا۔''

اردو ان دونوں کے بس سے باہر کی بات تھی۔ ان کے رونے کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں نے شہادت کی انگلی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کرکے پاٹ دار آواز میں گٹ آؤٹ کہا تو وہ گرتی پڑتی اسی سمت میں بھاگ نکلیں۔

مجھے توقع تھی کہ برآمدے میں موجود غزالہ اور ویرا انہیں وہاں سے نکلنے نہیں دیں گی۔ ان کی مزید درگت بنا کر انہیں بے حال کردیں گی۔ ان بدکار لڑکیوں سے نمٹنے کے لیے وہی دونوں موزوں تھیں۔

سلطان شاہ نے ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے بھگا کر مجھے ایک نئی راہ سجھادی۔ ہمارے سامنے صرف ٹام اور اس کا ساتھی رہ گیا تھا۔

وہ چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ وہ عیاشی میں ٹام کا ساتھی تھا لیکن جرائم میں شاید اس کا شریک کار نہیں تھا۔ اسے صرف اس بنا پر مارنا مناسب نہیں تھا کہ اپنے چہرے مہرے سے وہ بھی امریکی نظر آرہا تھا۔

اس بار میں نے اپنی انگلی میں پڑی ہوئی دوسری انگوٹھی کو گھمایا اور بڑھ کر ٹام کے ساتھی کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک ہچکی سی برآمد ہوئی اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ دو تین گھنٹوں سے پہلے اپنے ہوش وحواس میں نہیں آسکے گا۔

''تم لوگ کون ہو..... ہم سے کیا چاہتے ہو؟'' ٹام کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

اس کے لٹکے ہوئے داہنے ہاتھ میں اس وقت بھی پستول دبا ہوا تھا۔ ٹام دہشت کی وجہ سے اپنے اس ہاتھ کو جنبش دینے سے معذور ہوچکا تھا۔ یا پھر میگزین خالی ہوجانے کے سبب سے وہ پستول لوہے کے ایک ٹکڑے کی طرح بے وقعت ہوکر رہ گیا تھا اور ٹام نے اس سے کوئی کام لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ پستول فرش پر گرادے۔ ٹام نے میرے الفاظ پورے ہونے سے پہلے اپنا پستول چھوڑ دیا۔

''تم کون ہو..... تم دونوں کے چہرے چھپے ہوئے کیوں ہیں؟'' ٹام کی مضطربانہ آواز ابھری۔

سلطان شاہ کی عمدہ حکمت عملی کی بنا پر میدان صاف ہوچکا تھا۔ وہاں کوئی ایسا گواہ نہیں رہا تھا جو اپنے زندہ بچ جانے کی صورت میں ٹام کے کہے ہوئے الفاظ کو کسی اور تک پہنچاسکے۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے چہرے سے رومال الگ کردیا۔

''کک..... کرنل تم.....!'' اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ بے یقینی کے سبب سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں ''تت..... تم تو خودکشی کرچکے تھے۔''

''میں زندہ ہوں اور تمہارے سامنے موجود ہوں۔ میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑسکتا تھا۔'' میں نے زہریلی آواز میں کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں، میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ فساد کی جڑ ڈینی ہے۔ اس کی وجہ سے میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لیا تھا۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے تیزی سے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

وہ میرے دام میں آیا ہوا دلچسپ شکار تھا۔ مہلت ہوتی تو میں گھنٹوں اس کا خون خشک کرسکتا تھا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے ترشی سے کہا ''یہ اور بھی بری بات ہے کیونکہ تمہارے اسی خادم کو کچھ لوگ ڈینی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ آؤ، اب میں دیکھوں کہ تمہارے بازوؤں میں کتنا دم خم ہے؟''

میں نے اپنی رائفل سلطان شاہ کی طرف اچھال دی۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھے جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے میرا انکشاف سن کر اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو۔

میں نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک فلائنگ کک ماری اور وہ کریہہ چیخ مار کر اپنی عقبی دیوار سے جاٹکرایا۔

''آؤ!'' میں نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا ''میں تمہیں گولی بھی مار سکتا تھا مگر میں تمہارا گھمنڈ توڑنا چاہتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔ تم نہتے ہو تو میں بھی خالی ہاتھ ہوں۔ تمہارے ہاتھوں میں دم ہے تو آگے بڑھ کر اپنے ارمان پورے کرلو۔''

''میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں'' وہ اپنے دہانے سے بہنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا ''میں امریکا کو مطلوب مجرموں کی فہرست سے تمہارا نام نکلوا سکتا ہوں۔''

''ان باتوں کا وقت گزر گیا۔ اب تم آسمان سے تارے توڑ لانے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہو۔ مجھے کسی سودے سے زیادہ تمہارے انجام سے دلچسپی ہے۔''

''ڈینی! یہ تماشا ختم کرو'' اول خان نے مجھے تنبیہ کی ''پولیس کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔''

اول خان کی بات سننے کے لیے میں لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ٹام نے اپنا سر آگے جھکا کر اچانک میری طرف دوڑ لگا دی۔

وہ میرے پیٹ میں ٹکر رسید کر کے مجھے مفلوج کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جوں ہی وہ میرے قریب آیا، میں نے پھرتی سے ایک طرف سرک کر اس کے جبڑے پر ایسا زوردار مکا رسید کیا کہ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا اپنے بے ہوش ساتھی پر جا گرا۔

میں نے اسے وہاں سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔ اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

وہ بری طرح مچل کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ میرے اندازے سے زیادہ جان دار ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے جھک کر اس کی گردن کو اپنی بے رحمانہ گرفت میں جکڑ لیا۔ میری دونوں کہنیاں آہنی شکنجوں کی طرح اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنس گئی تھیں۔

ٹام کے حلق سے صحیح طرح آواز نہیں نکل پا رہی تھی لیکن وہ بے تحاشا مغلظات بکنے پر اتر آیا تھا۔

بہت احتیاط کے ساتھ میں نے اس کی پشت پر دھیرے دھیرے سرک کر ایسی سواری گانٹھی کہ اس کے لیے ہلنا جلنا مشکل ہو گیا۔ میں نے پوری قوت مجتمع کر کے اس کی گردن کو پیچھے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹنے کی آواز بہت نمایاں تھی۔ وہ اس قدر وحشیانہ انداز میں اچھلا کہ اس بار میں اس کی پشت پر سوار نہ رہ سکا اور الگ جا گرا۔

اس کے حلق سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں اور جسم بری طرح تھرا رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے آخری لمحے تھے جو نہایت عبرت آموز تھے۔

مجبوری

گاؤں میں رہنے والے پپو میاں کے نانا جان نہایت کم گو اور ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرنے والے آدمی تھے۔ ایک روز وہ صبح سیر کرنے گھر سے نکلے تو شام ڈھلے تک واپس نہیں آئے۔ اندھیرا پھیلنے لگا تو گھر والوں کو تشویش ہوئی۔ انہیں تلاش کرنے کے لیے پپو میاں کو روانہ کیا گیا۔ کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد آخر کار وہ پپو میاں کو جنگل کے قریب ایک جگہ جھاڑیوں میں کھڑے مل گئے۔

''نانا جان! شام ہو گئی ہے۔'' پپو میاں نے آغاز کلام کیا۔

''ہاں۔'' نانا جان نے حسب عادت مختصر جواب دیا۔

''نانا جان! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' پپو میاں نے اپنی دانست میں انہیں احساس دلانے کی کوشش کی کہ انہیں گھر سے نکلے کتنی دیر ہو گئی ہے۔

''ہاں۔'' ساکت کھڑے نانا جان نے اس بار بھی پپو میاں سے اتفاق کیا۔

''کیا آپ کو بھوک نہیں لگی نانا جان؟'' پپو میاں نے دریافت کیا۔

''لگی ہے۔''

''تو کیا آپ گھر نہیں چلیں گے؟''

''نہیں۔''

''کیوں نہیں؟''

''مجبوری ہے۔''

''مجبوری.....؟ کیسی مجبوری؟'' پپو میاں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں پتا ہے یہاں کچھ لوگوں کو گیدڑ پکڑنے کا شوق ہے۔''

''جی ہاں۔'' پپو میاں نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ اِدھر اُدھر پھندے لگا دیتے ہیں؟''

''جی ہاں، نانا جان! مجھے پتا ہے۔''

''میرے دونوں پاؤں اس وقت ایسے ہی ایک پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔'' نانا جان نے اب ہلکی سی کراہ کے ساتھ کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اسے دوبارہ ہاتھ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کی بھیانک دلدل میں ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

آخرکار اس کے جسم نے آخری جھٹکا لیا۔ اس کا پورا وجود فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ دھپ سے فرش پر دوبارہ گرنے کے بعد اس کا جسم بالکل ساکت ہوگیا۔

میرے نزدیک اس کی کوئی قومیت تھی نہ عہدہ۔ وہ امریکی تھا اور نہ سفارت کار۔ وہ صرف ایک مجرم تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے دنیا کے کسی اخلاقی یا تعزیری قانون کو خاطر میں نہ لانے کا عادی ہو چکا تھا۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ بہت آسان طریقے سے اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ میرے سر پر پولیس کی مداخلت کا خوف سوار نہ ہوتا تو اس کے لیے گھنٹوں اور دنوں پر محیط موت کا سسکتا اور تڑپتا ہوا عمل اس قدر بھیانک بنا دیا جاتا کہ وہ جہنم میں بھی اس کا تصور کر کے دہشت سے لرز جاتا۔

ٹام کو بے جان چھوڑ کر ہم تینوں بہت تیزی سے برآمدے تک پہنچے۔ غزالہ رائفل لیے ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے ایک خالی کرسی پر بیٹھی اس اسکاچ کا گلاس نوش کر رہی تھی جو ٹام اور اس کے ساتھی گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس کی رائفل اس کے شانے سے جھول رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس وقت اسے کسی قسم کی فکر لاحق نہیں تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ اندر سے نکالی جانے والی دونوں نیم برہنہ لڑکیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا نے انہیں بے مصرف سمجھ کر وہاں سے بھگا دیا تھا۔

پہلے کمانڈو سے سامنا ہونے سے ٹام کی گردن توڑنے تک میں نے سب سے زیادہ جاں گسل لمحات گزارے تھے۔ ویرا کو اس حالت میں دیکھتے ہی میرا پارا چڑھ گیا ''یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں آئی ہو'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

معاملے کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہی اول خان کا ماتحت برآمدے میں رکنے کے بجائے ریت پر اتر کر سیدھا گاڑیوں کی طرف ہولیا۔

ویرا نے میری بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکاچ اور سوڈے سے بھرے ہوئے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بجائے اس نے پانی کی طرح وہ ساری شراب غٹاغٹ اپنے معدے میں اتار لی اور خالی گلاس کو زور سے میز پر رکھ کر کرسی سے اٹھ گئی۔

''دشمنوں کے مال پر موج نہ اڑانا کفران نعمت کہلاتا ہے'' اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ان میں سے کوئی بھی اب شراب نوشی کے قابل نہیں رہا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ بچی کھچی اسکاچ میں ہی ٹھکانے لگا دوں۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ دیتی تو اس سے پولیس والوں کا اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔''

''تمہیں احساس نہیں ہے کہ ہم کتنے نازک اور خطرناک مشن پر آئے ہوئے ہیں؟'' میں نے غصے سے تقریباً دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

''سب معلوم ہے'' اس نے بے پروائی سے کہا ''فساد کی اصل جڑ دو تینوں کمانڈو تھے۔ دو کو تم نے مار دیا، تیسرے کا میں نے صفایا کر دیا۔ اب کیا رہ گیا تھا۔ میرے اور تمہارے لوٹ آنے کے بعد چار شرابیوں کے خلاف رسمی کارروائی ہونی تھی۔ وہ ہو گئی ہوگی۔ اس میں مجھے کیا کرنا تھا۔ میں نے چوکیداری کرنے کے ساتھ ذرا اپنا دل بھی بہلا لیا۔''

''وہ دونوں لڑکیاں کہاں ہیں جنہیں میں نے اندر سے بھگایا تھا؟'' اس بار سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''اوہ..... تو تمہیں ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا قلق ہے؟'' وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ جل پریاں تھیں۔ سمندر کے کنارے مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہوں گی۔ میں نے ان کے جسموں پر نظر آنے والی چند دھجیاں بھی نوچ کر اتار دی تھیں۔ مطلع صاف ہوگا تو کوئی بھی شوقین سیلانی انہیں سمندر کا تحفہ سمجھ کر اپنے ہٹ میں اٹھا لے جائے گا۔ چاہو تو یہ نیک کام تم بھی کر سکتے ہو۔ زیادہ دیر تک وہاں پڑے رہنے سے بے چاریوں کو نمونیا نہ ہو جائے۔''

''ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں'' اول خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ''ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔''

''میں تیار ہوں'' یہ کہہ کر ویرا برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی ''لڑکیوں کے چکر میں سلطان شاہ وقت خراب کر رہا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مہنگی تفریح کے شوق میں بہت سی ناسمجھ لڑکیاں مجرموں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔''

کسی نے ویرا کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس مہم

Downloaded from https://paksociety.com

کے مثبت نتائج کے بارے میں حد سے زیادہ پرامید نظر آرہی تھی۔ حد یہ تھی کہ اس نے کسی سے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ ہم نے ٹام کو وہاں کس حال میں چھوڑا تھا۔

ہم سب بہت تیز رفتاری کے ساتھ اپنی گاڑیوں تک پہنچے۔ اول خان کی سرزنش کے بعد ویرا نے بھی چپ سادھ لی تھی لیکن اس کی حرکتوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ وہاں تک غزالہ اور سلطان شاہ سے۔ ماتھ آئی تھی۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلے اول خان کی گاڑی کی عقبی سیٹ میں جا گھسی۔

اول خان نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں بے بسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

میرے ایما پر اول خان کا آدمی اپنی گاڑی کو ساحل کے متوازی دور تک لیتا چلا گیا۔ سلطان شاہ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ اس وقت میں سنی ہٹ کے قریب سے سڑک پر نکلنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

کئی سو گز دور نکلنے کے بعد ہمارے ڈرائیور نے ایک موزوں مقام پر جیپ بائیں طرف گھمالی۔ ہماری گاڑی کہیں سے بھی ریتیلا راستہ پار کر سکتی تھی مگر ہمیں اپنی کرولا کا بھی خیال تھا۔ کہیں وہ ریت میں پھنس جاتی تو اسے نکالنے کی کوششوں میں ہمارے کئی گھنٹے برباد ہو سکتے تھے۔

پانی کی چمکیلی ساحلی لکیر اور بسوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بیشتر بسیں روشن اور آباد تھے لیکن باہر کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ سنی ہٹ کے قرب و جوار میں ہونے والی روح فرسا فائرنگ نے اس طرف آئے ہوئے لوگوں کو خوف زدہ کر کے اندر محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ سنی ہٹ کو ہم دور چھوڑ آئے تھے۔ اس وقت سنی ہٹ کے قرب و جوار کا علاقہ بہت حساس ہو چکا تھا۔ پولیس کی نفری وہاں پہنچنے کے بعد کئی غیر ملکیوں کی لاشیں دریافت کرتی تو ان اطراف میں موجود افراد، تفتیش کے نام پر خاصی پریشانیوں سے دوچار ہو سکتے تھے۔

''تم نے اب تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ٹام کا کیا انجام ہوا ہے'' ہموار سڑک پر کچھ دیر کے سفر کے بعد اول خان نے ویرا سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے مار آئے ہو؟'' ویرا پورے اعتماد سے بولی۔

''کیا الہام ہوا ہے تم کو؟'' اول خان نے چڑ کر پوچھا۔

بیرون ملک مقیم قارئین

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت

کے

سالانہ خریدار

بن کر بذریعہ رجسٹرڈ ایئر میل

اپنا پسندیدہ پرچا گھر بیٹھے حاصل کریں

ایشیا، یورپ اور افریقا کے لئے زرِ سالانہ فی پرچا

2000 روپے

امریکا، آسٹریلیا، کینیڈا اور نیوزی لینڈ کے لئے زرِ سالانہ فی پرچا

2500 روپے

اپنے ڈرافٹ اور منی آرڈر ادارے کے نام، ذیل میں درج پتے پر ارسال کریں۔ یہ کراچی میں قابل ادائیگی ہونا ضروری ہیں۔ بیرون شہر/ملک ادائیگی کے لئے بنک کمیشن کے دس ڈالر کے مساوی رقم کا اضافہ کر لیں۔

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500
PHONES: (92) (21) 5802552,
5804200 FAX: 5802551
E-MAIL: jasoosi@attglobal.net

Downloaded from https://paksociety.com

''ڈینی اپنے چہرے پر رومال باندھ کر اندر گیا تھا۔ واپس آیا تو اس کا چہرہ بے نقاب تھا۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ ڈینی نے اپنی رونمائی کرانے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑا ہوگا ورنہ ٹام دنیا کو بتاتا پھرتا کہ کرنل داور زندہ ہے۔ اس کی خودکشی محض ایک ڈراما تھی۔''

اس وقت ویرا کا انداز چڑانے والا تھا اور اول خان کی کھوپڑی واقعی سنک گئی۔ اس نے ترش لہجے میں کہا ''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ڈینی نے برآمدے کی طرف آتے ہوئے، راستے میں اپنا چہرہ بے نقاب کیا ہو۔''

''ایسا ہوا ہوتا تو تم بھی اپنے چہرے سے بنیان اتار لیتے۔ تم دونوں ٹام کے قتل کے ٹرانس میں آئے ہوئے تھے۔ راستے میں تم دونوں کو کسی بات کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ تم نے برآمدے میں پہنچنے کے کئی منٹ بعد اپنے چہرے سے بنیان اتارا تھا'' ویرا کے پاس اس وقت ہر سوال کا ایک منطقی جواب موجود تھا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''چلو اب بتا دو کہ ٹام کا کیا، کیا گیا۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اول خان کو سکی سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے جواب دیا ''اسے ہر قیمت پر جہنم واصل ہونا تھا۔ آج اس سمیت چار آدمی مارے گئے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس خوں ریزی پر ہمارا مخالف کیمپ کس ردِعمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''وہ بلبلا اٹھیں گے'' ویرا آسودہ لہجے میں بولی ''اب جلال اور دوسرے اعلیٰ سرکاری افسروں کا کڑا امتحان شروع ہوگا۔ ہونے والا کام ذرا سی دیر میں ہو جاتا ہے۔ اس کے اثرات برسوں تک زائل نہیں ہوتے۔''

''میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم ان لوگوں میں گھس کر دیر تک کیا کرتے رہے اور تم نے خاموشی سے دو کمانڈوز کو کیسے مار لیا؟'' اول خان کو میدانِ کارزار سے دور نکلنے کے بعد دوسری باتیں یاد آنا شروع ہو گئی تھیں۔

''تمہارا اور غزالہ کا مشاہدہ سو فیصد درست تھا۔ انہوں نے میرے پالتو کتے کو مار دیا تھا.....''

''تمہارا پالتو کتا کہاں سے آ گیا؟'' ویرا نے میری بات درمیان سے اڑا کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''پہلے کمانڈو سے ملاقات ہوئے تک مجھے خود بھی اس بے چارے کے وجود کا علم نہیں تھا'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''انہوں نے مجھے بہت مشکل سے اپنے کتے کے پاس جانے کی اجازت دی اور وہیں سے میرا کھیل شروع ہو گیا۔ وہ دونوں ایک ایک کر کے انگوٹھی کے شکار ہوئے تھے۔ سچ پوچھو تو آج کا اصل ہیرو وہی آوارہ اور گمنام کتا ہے جو اُن کا نشانہ بنا تھا۔ وہ نہ مارا گیا ہوتا تو ہم سنی ہٹ کے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔''

''دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے'' اول خان بولا ''ذرا تفصیل سے واقعات سناؤ۔ سفر مزے سے گزر جائے گا۔''

''گھر چل کر بات ہوگی۔ حسب منشا نتائج حاصل کر لینے کے بعد مجھے یکا یک تکان کا احساس ہونے لگا ہے۔ میں کچھ دیر اونگھنا چاہتا ہوں'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''بڑے معرکوں کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ تم واقعی تھک گئے ہو گے!'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں میری تائید کی اور پھر چپ سادھ لی۔

ویرا بھی خاموش ہو گئی۔ وہ دشمن کا خون نہیں پی سکی تھی لیکن اس کی خاصی شراب پی گئی تھی اور شاید کچھ دیر کے لیے اس کے سرور میں کھو جانا چاہتی تھی۔

میں نے نشستوں کی درمیانی جگہ میں اپنے پاؤں پسار کر اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

اول خان کی جیپ ویران سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی تیزی سے منزل کی طرف رواں تھی۔

☆☆☆

کہیں سے خبر تولد ہونے کی موہوم سی امید بھی ہو تو اخباری رپورٹر وہاں منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہاکس بے اور اس سے ملحقہ طویل ساحلی پٹی کراچی کے شہریوں اور باہر سے آنے والے سیاحوں کے لیے نہایت پرکشش ضرور ہے لیکن خبروں کے اعتبار سے وہ پوری پٹی خاصی بنجر تصور کی جاتی ہے۔ اخباری صنعت سے وابستہ افراد سیر و تفریح کے لیے ادھر جا نکلیں تو اور بات ہے، خبر کی تلاش میں کوئی سمجھ دار رپورٹر اس دور افتادہ ساحل ویرانے کا رخ نہیں کرتا۔ وہاں کوئی واقعہ رونما ہونے کے بعد ریکارڈ پر آ ہی جائے تو اس کی خبر متعلقہ تھانے کے ذریعے چند گھنٹوں میں اخبارات تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صبح کے اخباروں میں ہاکس بے کی اس خوں آشام رات کے بارے میں کوئی خبر جگہ نہیں پا سکی۔ واقعہ بہت دیر سے رونما ہوا تھا۔ جب تک اخبار والوں کو اس کی بھنک ملتی، اخبارات کی آخری کاپیاں شاید طباعت کے آخری مراحل سے گزر رہی تھیں۔

واقعہ بلکہ واقعات بہت سنگین اور سنسنی خیز تھے۔ سلطان شاہ دس بجے بازار سے سودا سلف لینے کے لیے گیا تو واپسی پر

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی بغل میں کئی اخباری ضمیمے دبے ہوئے تھے جن کی چنگھاڑتی ہوئی سرخیاں کراچی کے ساحلی ویرانے میں ہولناک دہشت گردی کی خبر دے رہی تھیں۔ ایک ضمیمے کی شہ سرخی میں میرا نام نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کے لائے ہوئے وہ اخباری ضمیمے ہم سب کے لیے گہری دلچسپی کا مرکز بن گئے۔ ہر ضمیمے کی سرخیوں میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ متن میں ایسی کوئی نئی بات نہیں ہوگی جسے سرخیوں میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ میں نے عجلت میں سب ضمیموں کی سرخیاں دیکھ ڈالیں۔

وہاں کمانڈوز کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہر کمانڈو اپنے آخری لمحات کی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے سدھار گیا تھا۔ اخبارات نے ان تینوں کی اموات کے بارے میں قیاس آرائیاں کی تھیں۔ ان کے نزدیک اہم ترین نکتے صرف دو تھے۔ اول یہ کہ دو کمانڈوز کی بے داغ لاشیں، ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ پڑی ہوئی ملی تھیں۔ اسے قاتل کی طرف سے ایک پیغام قرار دیا گیا تھا، جس کا ایک مفہوم یہ نکالا گیا تھا کہ کراچی میں باہر سے آئے ہوئے مسخ فوجیوں کو اس کتے جیسے انجام سے دوچار کر دیا جائے گا۔ میں متعلقہ نامہ نگار کی افتادِ طبع پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ دوسرا نکتہ بہت اہم اور پُرمغز تھا۔ کتے کے بغیر سر والی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز بظاہر کسی زہر کا شکار ہوئے تھے۔ شہر میں اس سے پہلے پائی جانے والی ایسی لاشیں ڈینی کے نام سے منسوب کی جاتی رہی تھیں۔ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ تازہ واردات میں میرا ہاتھ تھا۔

امریکی قونصل خانے کے حکام نے اپنے ابتدائی ردِعمل کے اظہار میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بیم گن کی طرح زہریلی سوئیوں سے ہونے والی ہلاکتیں ڈینی کی شناخت ضرور بنی ہوئی تھیں لیکن نئے واقعات کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوتا۔ لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور دیگر شواہد کے سامنے آنے کے بعد قاتل کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

ٹام کے رنگین مزاج ساتھی کا نام فشر تھا۔ وہ کراچی میں ایک امریکی بینک کا افسر تھا۔ وہاں آگ میں ہوئی دونوں لڑکیاں بھی اسی بینک میں اہم عہدوں پر کام کر رہی تھیں۔ ان تینوں کے بیانات کو صیغۂ راز میں رکھا جا رہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ تینوں پولیس یا امریکی حکام کو کوئی قابلِ ذکر بات نہیں بتا سکیں گے۔

ویرا کے اندازے کے عین مطابق شہر کے ایک نامور گھرانے کے نوجوان ساحل پر بے ہوش پڑی ہوئی لڑکیوں کو انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اٹھا کر اپنے ہٹ میں لے گئے تھے لیکن جب وہاں ہونے والے کشت و خون کی خبریں ان کے کانوں تک پہنچیں تو انہوں نے رضاکارانہ طور پر دونوں لڑکیوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

ان خبروں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹام اور تینوں کمانڈوز کی موت نے امریکی حکام کو بری طرح خائف کر دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نک اور گیری کے بعد ٹام نے کسی سے تصادم مول لیا ہوا تھا۔ انہوں نے بیک وقت اپنے چار انتہائی اہم آدمیوں کے جانی نقصان کی صورت میں میری طاقت کا مظاہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ کھل کر کہہ سکتے تھے کہ ان چاروں کی موت میں میرا ہاتھ تھا مگر وہ ڈرے ہوئے تھے کہ ان کی کھلی الزام تراشی پر مشتعل ہو کر میں ان کے مزید آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دوں۔ ان کے وہ رجحانات میری نگاہ میں پسپائی سے کم نہیں تھے۔ مجھے جہانگیر کی کہی ہوئی یہ بات لغو محسوس ہونے لگی کہ حکومتوں سے ٹکرا کر کوئی فرد زیادہ دیر تک نہیں پنپ سکتا۔

امریکی انتظامیہ کے بہترین دماغ میرے خلاف یک جا تھے، وہ میری بو پر لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جدید ترین وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی مگر وہ سہم گئے تھے۔ وہ ان کی سرکاری مشینری کی ایک فرد کے ہاتھوں کھلی شکست تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو!'' ویرا نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ''تمہارے ہونٹوں پر خود بخود ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی ہے'' وہ بہت غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال تھا کہ وہ بلبلا اٹھیں گے۔ وہ بے چارے تو کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجھ پر الزام لگانے سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کے بجائے اخبار والوں نے میرا نام اچھالنے کی کوشش کی ہے۔''

''ان کی مجبوری پر نازمت کرو۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں چرچل نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری فوجیں بہادری سے پسپا ہو رہی ہیں۔ ان کی یہ پسپائی مصلحت آمیز اور خطرناک ہے۔ اندر کا حال تمہیں اپنے گرد گھنٹال سے معلوم ہوگا۔''

''میں دو مرتبہ جلال کا فون ملانے کی کوشش کر چکا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔ اس کا موبائل بند پڑا ہوا ہے۔ دونوں بار ریکارڈنگ چل پڑی تھی۔''

''اب اس کا نمبر ملانے کی غلطی نہ کرنا۔ اس وقت تمہاری پوزیشن بہت مخدوش ہے۔ وہ تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہارے کسی رابطے سے بچنے کے لیے اپنا فون بند کیا ہوگا۔ موقع ملنے پر وہ خود تم سے رابطہ کرے گا۔'' ویرا نے بہت سنجیدہ ہو کر مشورہ دیا ''یہ کھیل بہت خطرناک حدوں میں داخل ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے پہلے وہ کسی ناگہانی عتاب کا نشانہ بن جائے!''

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جلال کے بارے میں وہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی اغلاس وغیرہ میں الجھا ہوا ہوگا۔

''اخبار والوں نے بدنصیب کتے کو بھی زبردستی ایک علامتی دھمکی بنا ڈالا ہے۔ کیا ان دونوں کی لاشیں وہاں ڈالتے ہوئے تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خیال آیا تھا؟'' سلطان شاہ نے اپنے سامنے پھیلا ہوا آخری ضمیمہ ایک طرف ڈالتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''میں نے کسی کو نہیں ڈالا!'' میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا جو کچھ ہوا، وہ ہوتا چلا گیا۔ اس میں میری حاضر دماغی کے علاوہ کسی منصوبہ بندی کا دخل نہیں تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے لڑکیوں کے بارے میں بے چارے سلطان شاہ کی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔''

''میری کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی۔ یہ سب تمہارے دماغ کی گندگی ہے۔'' سلطان شاہ نے کھسیا کر جواب دیا ''میں نے تو ان بے شرموں کو لات مار کر کمرے سے بھگایا تھا۔''

''اور ندیدے انہیں ساحل سے اٹھا لے گئے!'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

''وہ شہر کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ تھے!'' میں نے متاسفانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

''ایسی حرکتیں بڑے گھرانوں کے بگڑے ہوئے لڑکے ہی کرتے ہیں۔'' ویرا نے برجستہ جواب دیا ''کوئی ایرا غیرا ان لڑکیوں کو ہاتھ لگانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔''

''اخبار والوں نے ان لڑکوں کے نام نہیں دیے لیکن سینہ بہ سینہ بات بہت پھیلی ہوگی۔'' سلطان شاہ نے کہا ''انہیں اپنے گھرانے کی عزت و آبرو کا بھی خیال نہیں آیا!''

''یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ عورت کا نشہ آدمی کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتا ہے۔'' ویرا کو اس پر فقرہ چست کرنے کا موقع مل گیا ''تم ذرا بڑے ہو جاؤ تو یہ نازک باتیں تمہاری سمجھ میں آنے لگیں گی۔''

''میں اتنا بڑا ضرور ہوں کہ تمہاری گھٹیا باتوں اور حرکتوں کو سمجھ سکوں۔ نشہ عورت کا ہو یا شراب کا۔ یہ ہر وقت تمہارا پسندیدہ موضوع ہوتا ہے۔ شی کی تربیت تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے۔ آج تک تم اس سحر سے باہر نہیں آ سکیں۔'' سلطان شاہ نے یکا یک بہت لمبی چھلانگ لگا ڈالی مجھے ڈر تھا کہ شی کے حوالے پر ویرا بپھر جائے گی لیکن وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آج میں اسی تربیت کے سہارے زندہ ہوں۔'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا ''شی میں رہ کر میں نے بدترین حالات میں زندہ رہنا سیکھا ہے۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک دس دفعہ خودکشی کر چکی ہوتی۔''

''اپنے اس اعتراف پر ٹھنڈے دل سے غور کر لو۔ مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' سلطان کا لہجہ طنز کی تہ میں ڈوبا ہوا تھا ''آن کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والے لوگ دوسرے ہوتے ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خوبو نہیں ہے۔''

''دونوں کان پکڑ کر اپنے منہ پر زور سے تھپڑ لگاؤ۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا ''تم حرام موت مرنے والوں کی شان میں قصیدے پڑھ رہے ہو۔ خودکشی کرنے والے دنیا کے بزدل ترین لوگ ہوتے ہیں جس میں زندگی کی تلخ و ترش سچائیوں سے لڑ کر جینے کا حوصلہ نہ ہو وہ موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔''

''میں بھی خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا ''لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جانتے بوجھتے ہوئے موت کو گلے لگانے کے لیے دل گردہ درکار ہوتا ہے۔''

''تم دوغلی باتیں کر رہے ہو۔'' ویرا نے احتجاج کیا ''ایک حرام کام کی تکمیل میں کہیں بھی کوئی قابلِ تعریف مرحلہ آ ہی نہیں سکتا۔ جس فعل کا کل حرام ہو، اس کا ہر جز حرام ہوگا۔ اس میں دل گردوں اور پھیپھڑوں کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔''

بات لڑکیوں کے ذکر سے شروع ہوئی تھی لیکن ایک

Downloaded from https://paksociety.com

دوسرے کو نیچا دکھانے کی بحث میں وہ دونوں اپنے اصل موضوع کو بھول کر بہت آگے نکل گئے تھے۔ میں نے سختی سے کہا ''تم دونوں شرفا کی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ ہر وقت چڑی ماروں کی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔''

''اوہو..... تو یہاں کوئی شریف بھی ہے!'' ویرا نے اپنے اردگرد نگاہیں دوڑاتے ہوئے بے ساختہ کہا ''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔''

''تم نے اپنی زبان بند نہ کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔'' میں نے جھلا کر دھمکی دی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اندر سے خالی نکلے گا۔'' اس بار سلطان شاہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''تم اس کی زبان درازی پر دھیان نہیں دیتے۔'' ویرا تنک کر بولی ''بس یہ چاہتے ہو کہ میں اس کی کسی بات کا جواب نہ دوں۔ یہ جو چاہے بکتا رہے!''

''میں کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔'' میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے کہا ''تھوڑی دیر کے لیے ذہنی سکون چاہتا ہوں۔''

''ہم پنگ پانگ نہیں کھیل رہے۔'' غزالہ نے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر نا صحانہ لہجے میں کہا ''دشمنوں سے ہونے والی لڑائی بہت نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، ہم کو ہر وقت سنجیدہ اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔''

''میری رائے تم سے مختلف ہے۔'' ویرا ایک بیک سنجیدہ نظر آنے لگی ''نازک ترین مرحلہ پچھلی رات کو گزر گیا۔ ٹام کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہمیں کچھ دنوں کے لیے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل گیا ہے۔ ان کو اپنا کوئی متبادل مہرہ میدان میں اتارنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔''

''وہ ٹام کی موت کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے۔'' غزالہ نے متانت کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ہمیں اخباری اطلاعات پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ پسِ پردہ نہ جانے کیا کچھ ہو رہا ہوگا۔''

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا ''چند منٹ پہلے میں ڈینی کو یہی سب سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تم میری کہی ہوئی بات دہرا رہی ہو۔''

''پھر تم نے نازک ترین مرحلہ گزر جانے والی بات کیوں کہی؟ میرا خیال ہے کہ اصل امتحان اب شروع ہوگا۔'' غزالہ بولی۔

''میں جسمانی مشقت اور مار دھاڑ کی بات کر رہی تھی۔ ٹام کو ٹھکانے لگا کر ہم نے وہ محاذ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اب ذہنی جمناسٹک کا آغاز ہوگا۔ ٹام کا کوئی جانشین سامنے آنے تک ہم دہری مشقت سے بچے رہیں گے۔''

غزالہ کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ان دونوں کے موڈ اور ماحول میں یکا یک سنجیدگی کا عنصر آ گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تینوں حالات و واقعات پر اپنا سر کھپانے میں مصروف ہو گئے۔ میرے کان ان کی طرف لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

شام کو پانچ بجے غیر متوقع طور پر سوبھراج کا فون آ گیا۔ وہ اسی شام مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔

میرے لیے اس کی وہ فرمائش بہت انوکھی تھی۔ پچھلے دن تک وہ مجھ سے کترا رہا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی تھا، مکمل روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا اور اس وقت یکا یک مجھ سے مل بیٹھنے کی نرالی بات کر رہا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا مگر پھر میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ سب کچھ بھی ہو رہا ہو یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ کئی بار مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر چکا تھا اور ہمیشہ یہ کہتا رہا تھا کہ وہ موزوں وقت پر مجھ سے ضرور ملے گا۔ شاید اس کی دانست میں وہ موزوں وقت آ ہی گیا تھا۔

اس ملاقات کا امکان سامنے آتے ہی میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھرے تھے مگر میں نے اس سے کوئی بات پوچھنی مناسب نہیں سمجھی۔ میں اس کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وقت گزر جانے کے بعد میری نگاہوں میں اس ملاقات کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ ملنے کا خواہاں تھا تو میں کسی پس و پیش کے بغیر اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔

سوبھراج کی دانست میں میری اور اس کی پوزیشن تقریباً یکساں تھی۔ وہ قانون کو مطلوب تھا۔ ریکارڈ کی حد تک میری بھی وہی حیثیت تھی۔ اسے ایف بی آئی والوں کی کسی خون ریز انتقامی کارروائی کا خدشہ تھا تو میری گرفتاری کے لیے امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے خطیر انعام کا اعلان کیا ہوا تھا۔ دونوں کے مسائل مشترک تھے۔ ہم دونوں روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے اور بے خوف ہو کر منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ملاقات پر اصولی آمادگی کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ کہاں ملا جائے۔ وہ میرے طے کیے ہوئے مقام پر آنے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں اس کی تجویز قبول کرنے سے گریزاں تھا۔ زبان

Downloaded from https://paksociety.com

سے دونوں ایک دوسرے کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلا رہے تھے مگر اسے مجھ پر بھروسا تھا نہ میں اس کے لیے آسان شکار بننے پر آمادہ تھا۔

میں نے شہر کے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ملنے کا مشورہ دیا تو وہ اس پر بھی رضامند نہیں ہوا۔ یہ بات کئی مرتبہ اس کے تجربے میں آچکی تھی کہ وہ اپنی شکل وصورت میں لاکھ تبدیلیاں کرلے، اپنی ناک کی غیر معمولی بناوٹ کو نہیں چھپا سکتا۔ بڑے ہوٹلوں کے اخراجات ہر کس وناکس کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ وہاں وہی لوگ پہنچتے ہیں جن کے لیے بھاری اخراجات کی کوئی وقعت نہ ہو۔ یہ ہمارے ملک کی بڑی بدنصیبی ہے کہ سیاست اور سماج میں کسی کو عقل ودانش کے اعتبار سے رتبہ نہیں ملتا۔ جس کی جیب میں پیسے ہوں اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔ سوبھراج کے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں بکثرت آنے والے متمول اور مقتدر لوگوں میں اس کے شناساؤں میں سے کسی نے اسے دیکھ کر پہچان لیا تو وہ ناقابلِ تصور مشکلات کا شکار ہوجائے گا۔

آخر اس نے خود ہی پارک ٹاورز کا نام تجویز کیا۔

وہ کلفٹن کے مہنگے اور ستھرے علاقے کی ایک جدید اور کئی منزلہ مارکیٹ ہے جہاں نیچے سے اوپر تک ہر قسم کے ساز وسامان کی خوب صورت دکانیں خریداروں کے استقبال کے لیے تیار رہتی ہیں۔

اس مارکیٹ کی ایک الگ پری منزل خریداروں کے ستانے اور کھانے پینے کے لیے مخصوص ہے جہاں شہر کے مشہور ریستوران وغیرہ اپنے اسٹال سجائے بیٹھے ہیں۔ روغنی نان سے اطالوی پزا تک ہر شے مناسب نرخوں پر دستیاب ہوتی ہے۔ جی چاہے تو پیسے دے کر خود کچھ خریدیں، اپنی میز پر لائیں اور شوق کریں۔ کوئی ٹھکا ہارا خریدار اس فوڈ کورٹ کی دکانوں سے کچھ خریدے بغیر وہاں بیٹھا سستا تا رہے تو کوئی اس سے یہ پوچھنے کے لیے نہیں آتا کہ وہ وہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ شہر کے متوسط طبقے کے بالائی خاندانوں کا ایک مقبول ٹھکانا ہے۔

پارک ٹاورز میں عام خریداری کے لیے امرا اور رؤسا یا پھر شاہ خرچ نوجوان آتے ہیں۔ فوڈ کورٹ ان کی منزل نہیں ہوتی۔ شاید وہ جگہ سوبھراج کی دیکھی بھالی تھی۔ اسے یقین رہا ہوگا کہ اس کے جاننے والوں میں سے کوئی وہاں نہیں پھٹکے گا اور وہ شناخت کے خطرے سے محفوظ رہ کر مجھ سے ملاقات کرسکے گا۔

پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں سات بجے ملاقات کا وقت طے ہوجانے کے بعد سوبھراج نے میری پہچان کا سوال اٹھادیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اسے بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا مگر اس نے اپنی دانست میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک حقیقت تھی کہ اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود میں کبھی ڈینی کی حیثیت میں اس سے نہیں مل سکا تھا۔ کرنل داور کے روپ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے راج محل پہنچا تو وہ غائب تھا۔ مجھے سنیل سے مل کر لوٹ آنا پڑا۔

میں نے اسے حادثے میں تباہ ہونے والی کالی اکارڈ یاد دلائی۔ وہ اس واقعے کو زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

وہ میرے بھیجے ہوئے اس آدمی کو بھی نہیں بھول سکا تھا جو اس کی مولوی تمیز الدین روڈ پر چھوڑی ہوئی گاڑی کو کرین کے ذریعے لے کر ڈاکٹر صادق کے گھر پہنچا تھا۔

سوبھراج نے رقم کا لالچ دے کر اس آدمی کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میرے جال میں پھنستے پھنستے رہ گیا تھا۔

جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ میرا آدمی نہیں، میں خود تھا، وہ اس صورت کو اپنے ذہن میں تازہ کرلے تو پل بھر میں

ضروری گزارش

ای میل اور فیکس کی سہولیات مختصر پیغامات اور تبصروں کے لئے جملہ قارئین کے لئے حاضر ہیں۔ بعض قارئین طویل خطوط، کوپن والے اشعار وسوالات ڈاک سے بھیجنے کے بجائے ان ہی ذرائع سے بھیج دیتے ہیں۔ ٹرانس مشن اور اسکے نتیجے (SCANNING) کی بعض فنی وجوہ کی بنا پر بسا اوقات یہ متن پوری جزئیات کے ساتھ موصول نہیں ہوتا اور ضائع ہوجاتا ہے۔ ازراہِ کرم اپنی تخلیقات اور اشعار وسوالات اصل کوپن کے ساتھ صرف ڈاک سے ارسال کریں تاکہ یہ ضائع نہ ہوں۔ ای میل پر تبصروں وغیرہ کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ازراہِ کرم اپنے شہر اور ملک کا نام ضرور لکھیں۔

نوٹ:- غیر ملکی قارئین کے خطوط ہم تک بروقت نہیں پہنچ پاتے، لہٰذا غیر ممالک میں بسنے والے تمام قارئین کے لئے ای میل اور فیکس کی سہولت بدستور برقرار ہے..... (ادارہ)

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے پہچان لے گا تو فرطِ حیرت سے وہ ہکلا کر رہ گیا۔

اس واقعے کے بارے میں سوبھراج نے دل کھول کر مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور میں نے اسے اصلیت سے آگاہ کیے بغیر یہ شکایت کی تھی کہ اس سے رقم لینے کے بعد میرا آدمی واپس نہیں لوٹا تھا۔ اس نے اپنی فیاضی کے سبب سے مجھے اپنے ایک کارآمد آدمی سے محروم کر دیا تھا۔

اس وقت میں نے سوبھراج سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مجھے کیسے پہچان سکے گا لیکن اس کے دل میں چور تھا۔ اس نے میرے بہروپ سے فریب کھا کر مجھ سے بہت زہریلی باتیں کی تھیں۔ اس نے ازخود کہا کہ وہ سات بجے کی مجوزہ ملاقات میں اس واقعے کے بارے میں اپنی پوزیشن صاف کرے گا۔

میں نے ہنس کر اس کی بات سنی اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔

''اسے اچانک تم سے ملنے کا خیال کیوں آ گیا؟'' ویرا میرے اور سوبھراج کے درمیان طے ہونے والی ملاقات کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔

''وہ آزاد ہے اس لیے ابھی تک اسے قانون کا کوئی خوف نہیں ہے۔ اسے دو فریقوں کی طرف سے خطرات لاحق ہیں۔ الیف بی آئی اور میں۔ ہوسکتا ہے اب وہ مجھ سے مفاہمت کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ اس ملاقات میں جنگ و جدل کا امکان نہیں ہے۔ یہ بس ملاقات ہی رہے گی۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ بچھو سے بوسے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ جب آگے بڑھے گا، ڈنک مارنے کی کوشش کرے گا۔ تم اسے نہ مارو لیکن وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''

''اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔'' غزالہ نے اس کی تائید کی ''آپ نے بہت آسانی کے ساتھ اس کی تجویز قبول کر لی۔''

''تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں اس پر بھروسا کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا ''میں وہاں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اسے وہیں پگھل دیا جائے گا۔''

''اسے اپنی شناخت بتا کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' ویرا بولی ''ابھی تک تم اس کے لیے صرف ایک نام تھے۔ تم اس کے برابر میں سے گزر جاتے تو بھی وہ تمہیں نہیں پہچان سکتا تھا.....''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں اس سے اپنے ایک آدمی کے روپ میں مل چکا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں ڈینی کی بات کر رہی ہوں۔'' ویرا زور دے کر بولی ''اسے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ تم ڈینی ہو۔ اب تم اس کے سامنے آ گئے ہو۔ وہ ایک نظر میں تمہیں پہچان لے گا۔''

''تم ایک دور از کار اندیشے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے ذہن پر ذرا سا زور دو۔'' اس نے کہا ''ہوسکتا ہے اس نے یہی جاننے کے لیے ملاقات کا ڈراما رچایا ہو۔ تمہیں مان لینا چاہیے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔''

''ویرا ایک معقول اندیشے کا اظہار کر رہی ہے۔ آپ اس کی بات پر غور کیوں نہیں کرتے۔'' غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

''ہم ان اندیشوں میں الجھتے رہے تو یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''آسمان ہمارے سروں پر معلق ہے۔ کل کلاں کو یہ اچانک نیچے گر سکتا ہے۔''

''آسمان کچھ بھی نہیں ہے۔'' ویرا نے پرسکون رہتے ہوئے نکتہ آفرینی کی ''یہ ہماری حدِ نگاہ کا ایک نام ہے مگر سوبھراج ٹھوس زمینی حقیقت ہے۔ ہم یہ بات فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ پرلے درجے کا عیار اور مکار ہے۔''

''تمہاری دانست میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''اپنی شناخت بتانے کے بجائے اسے آمادہ کرتے کہ وہ مقررہ وقت پر نوڈ کوٹ میں پہنچ جائے۔ تم خود اسے پہچان کر اس تک پہنچ جاتے۔''

''اسے کیسے پتا چلتا کہ وہ ڈینی ہی سے مل رہا ہے؟''

دل ہی دل میں ویرا کی بات کی معقولیت کو ماننے کے باوجود میں نے کج حجتی اختیار کر لی۔

''اپنے اور اس کے درمیان ہونے والی کلیدی باتوں کو دہرا کر تم آسانی سے اسے باور کرا سکتے تھے کہ تم کون ہو؟''

''چلو، مان لیا کہ مجھ سے یہ احمقانہ غلطی سرزد ہو گئی۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''ہوشیاری کے ساتھ ہوش میں رہنا چاہیے۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سرمو فرق نہیں آیا ''سوبھراج اپنا مقصد حاصل

Downloaded from https://paksociety.com

کر چکا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ سات بجے فوڈ کورٹ میں نہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری نشاندہی کر کے کرائے کے کسی قاتل کو وہاں بھیج دے۔ تم سے مصالحت کے مقابلے میں وہ چھٹکارا پانے کو ترجیح دے گا۔ یہی اس کا منصوبہ نظر آتا ہے۔''

''ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس امکان کو نشاندہی کر دی۔'' میں نے اس کی فکرمندی کا اندازہ کرتے ہوئے پورے خلوص سے کہا ''میں وہاں جاؤں گا تو اس امکان کو نظرانداز نہیں کروں گا۔''

''اپنے ساتھ کس کس کو لے جانے کا ارادہ ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''سلطان شاہ مجھ سے الگ رہ کر حالات پر نظر رکھے گا۔ اس کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ خاموشی سے لوٹ آئے گا۔''

''اگر سوبھراج آ ہی جاتا ہے تو کیوں نہ سلطان شاہ کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے!'' اس وقت غزالہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''تمہارے کہنے سے پہلے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا۔'' سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا ''وہاں جا کر خالی ہاتھ لوٹ آنے سے بہتر ہے کہ اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح میری غلطی کا ازالہ ہو جائے!''

اس کی زبان سے غلطی کا ذکر سن کر دیا ابری طرح چونکی تھی۔ اس کا ردِعمل دیکھتے ہی سلطان شاہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ روانی میں ایک غلط بات کہہ گیا ہے۔ میں نے اس صورت حال کو سنبھالتے ہوئے دخل اندازی کی ''اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ بے چارے کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ ڈاکٹر صادق کے مکان سے اس نے سوبھراج کو میرے ساتھ لانے کے بجائے اسے وہیں گولی مار دی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

''یہی ہونا چاہیے تھا۔'' ویرا نے زور دے کر کہا ''یہ بات کئی مرتبہ میرے ذہن میں آ چکی ہے مگر میں نے اب تک منہ نہیں کھولا۔ سوبھراج کو وہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

''سانپ گزرنے کے بعد لکیر کو پیٹنا فضول ہے۔ اب آگے کے بارے میں سوچو۔'' میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

''آج چاروں کھونٹ چوکس رہنا!'' ویرا نے سلطان شاہ کو تاکید کی ''ایسا نہ ہو کہ وہ راستے میں تمہیں جل دے کر کہیں غائب ہو جائے۔''

وہ بات وہیں آ کی گئی ہوگی۔ سلطان شاہ کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت کا جذبہ موجزن نظر آ رہا تھا۔

میں نے سوبھراج سے فون پر بہت بے فکری کے ساتھ گفتگو کی تھی اور ان تینوں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے بھی میں نے کسی گہری تشویش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس میں میری کسی خاص کوشش کا دخل نہیں تھا۔ اس وقت میرا موڈ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں کسی بات کو زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اس کے بعد میرے ذہن میں وسوسوں نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔

میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی آیا کہ سوبھراج زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کو چھوڑ کر اپنے ان کاروباری حلیفوں سے مدد لے رہا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے قانون شکنی کے مرتکب ہو رہے تھے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جرائم پیشہ افراد کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ ان میں تین پر آ کی بی والے ہاتھ ڈال چکے تھے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ شہر میں ایسے مزید کتنے لوگ موجود تھے۔

ضرورت

کراچی کے بہت سے اسٹیٹ ایجنٹ ان دنوں ایک دور دراز اور بنجر علاقے کی زمینیں مہنگے داموں بیچنے میں مصروف تھے جہاں کئی ترقیاتی منصوبے زیرِ تکمیل تھے اور مزید بہت سے منصوبوں کے بارے میں بڑی امید افزا باتیں سننے میں آ رہی تھیں۔

ایک اسٹیٹ ایجنٹ وہاں کی چند ایکڑ زمین خریدنے کے سلسلے میں ایک سیٹھ صاحب کو راضی کرنے کے لیے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہا تھا ''ارے صاحب.....! دیکھیے گا۔ وہ علاقہ تو جنت بن جائے گا۔ جنت.....! وہاں کی زمین آج کی مٹی کل کا سونا ہے۔ اس علاقے کو جنت بنانے کے لیے بس صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو میٹھے پانی کی۔ دوسرے اچھے اور شریف لوگوں کی۔''

''جہنم کو بھی جنت بنانے کے لیے صرف انہی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔'' سیٹھ صاحب نے جواب دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اگر سوبھراج پارک ٹاورز والے مشن کے لیے ان کا رخ کرلیتا تو وہاں خاصا بڑا ہنگامہ جنم لے سکتا تھا جس سے نمٹنے کے لیے سلطان شاہ ناکافی ہوتا۔ ایسی کسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ اول خان سے چند افراد کی کمک طلب کی جائے مگر پھر خود ہی یہ خیال ترک کردیا۔

پچھلی رات کو ہم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد اول خان نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹام کے خلاف مہم میں جس طرح کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا اس کے بعد اسے چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود وہ بہرحال جلال کی طرح ایک سرکاری افسر تھا۔ اس پر کسی قسم کی قانونی پابندیاں نہیں تھیں پھر بھی وہ کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ رات کے واقعات کے بعد اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے وہ دانستہ ہم سے الگ تھلگ ہوگیا۔ اسے غیر قانونی طور پر کسی نئے معاملے میں گھسیٹنا مناسب نہیں تھا۔ ٹام کی ہلاکت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں اسے اپنے بچاؤ کے لیے وقت دینا ہماری اخلاقی ذمے داری تھی۔

میں نے اپنے ذہن میں آنے والے ان خیالات میں کسی کو شریک نہیں کیا، خاموشی سے اپنی تیاری میں لگا رہا۔ ٹھیک چھ بجے میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گھر کے پرتجسس ماحول سے باہر آتے ہی سلطان شاہ بولا ''آج تم نے عین وقت پر مجھے بہت بڑی شرمندگی سے بچالیا۔''

''میرا کام اب یہی رہ گیا ہے کہ میں تم لوگوں کی غلطیوں کی لیپاپوتی کرتا پھروں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہیں اپنی غلطی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجھے آپس میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ رواروی میں زبان پھسل گئی تھی لیکن ویرا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں پریشان ہوگیا تھا۔ پتا نہیں اسے دوسروں کی خامیوں کی ٹوہ لگانے میں کیا مزہ آتا ہے۔'' اس نے نادم ہوتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

''حیرت ہے کہ اس کے ساتھ اتنی مدت گزار لینے کے بعد آج تمہیں یہ سوال یاد آیا ہے۔ اس کے حواس ہر وقت پوری طرح کام کرتے ہیں۔ جہاں ذرا سی چوک ہوتی ہے اس کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔''

وہ خاموش ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دھیمی آواز میں کہا ''تم مجھے اپنے ساتھ لے جارہے ہو لیکن ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

میں نے آنے والے وقت کے بارے میں اسے بریف کرنا شروع کردیا۔

☆☆☆

پارک ٹاورز کی عمارت باہر سے اتنی روشن نظر نہیں آتی۔ خواب ناک روشنی میں نہائے ہوئے سائن بورڈ اپنی طرف بلاتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اندر پوری عمارت یوں جگمگا رہی تھی کہ فرش پر گری ہوئی سوئی بھی آسانی سے تلاش کی جاسکتی تھی۔

میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا، میں فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوا تو شام کا وقت ہونے کے باوجود وہاں بیشتر میزیں بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میں خاموشی سے ایک ستون کی آڑ میں اس طرح کھڑا ہوگیا کہ ستون کے سائے نے مجھے اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔ میں مضبوط ریلنگ کے سہارے یوں ٹک کر کھڑا ہوا تھا جیسے مجھے کسی کی آمد کا انتظار ہو اور واقعی، مجھے انتظار تھا۔ کسی خوش جمال کا نہیں بلکہ سوبھراج جیسے بدخصال کا۔ میں نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہاں سے فوڈ کورٹ میں آنے جانے والوں پر آسانی سے نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

اس وقت سوبھراج کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ دھیرے دھیرے سات بھی بج گئے لیکن اس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، میرے اعصاب پر عجیب سی بے چینی طاری ہوتی جارہی تھی۔

کسی جگہ کچھ دیر کے لیے کسی کا انتظار کیا جائے تو آدمی دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ انتظار ضرورت سے زیادہ طویل ہوجائے تو بلاوجہ ہر ایک کی نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ میں نے فوڈ کورٹ آنے والوں پر نگاہ رکھنے کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے اپنے قرب وجوار میں اس کی کوئی متبادل جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ جہاں بھی کھڑا ہوتا، ہراوٹ اور سائے سے محروم ہوتا۔

سات بج کر دس منٹ پر میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک پڑا۔

''تم کہاں ہو؟ کیا ملاقات کا پروگرام منسوخ کردیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے؟'' دوسری طرف سے سوبھراج نے کسی تمہید کے بغیر متجسس لہجے میں سوال کیا تھا۔

''میں تمہارا منتظر ہوں، تم کہاں ہو؟'' میں نے اپنی پوزیشن کی نشان دہی کیے بغیر کہا۔

''لیکن تم فوڈ کورٹ میں نہیں ہو'' اس کی آواز پُریقین تھی۔

''تم وہاں پہنچو، اگلے لمحے میں، میں بھی پہنچ جاؤں گا۔''

''اوہ.....! تم سامنے آنے سے ڈر رہے ہو؟'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''میں کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔''

''محتاط رہنا اچھی عادت ہے۔ ہم دونوں میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ میں بھی غیر ضروری طور پر منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کرتا۔ ایک جگہ رک کر تمہارے نمودار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تم کہتے ہو تو میں پانچ منٹ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔''

''پانچ منٹ!'' میں نے حیرت اور طنز سے کہا ''اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس وقت اس عمارت میں نہیں ہو۔''

''میں وہیں تھا۔ سیٹ لائٹ فون کا بکھیڑا ہر جگہ نہیں پھیلایا جاسکتا۔ تم سے رابطہ کرنے کے لیے مجھے اپنی گاڑی میں واپس آنا پڑا ہے۔ مجھے فوڈ کورٹ میں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔''

فون بند ہوگیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ سوبھراج عقل سے عاری نہیں تھا۔ سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانے کا عادی تھا۔ اس سے بات ہوجانے کے بعد میرے اعصابی تناؤ میں کمی آ گئی۔ اس کے آنے کی اطلاع نے ویرا کے ایک اندیشے کو باطل ثابت کر دیا تھا۔

آخر کار وہ مجھے زینوں سے نمودار ہوتا نظر آ گیا۔ اس کے چہرے پر گھنی داڑھی اگی ہوئی تھی۔ سر پر بنی ہوئی ٹوپی اور آنکھوں پر کشادہ فریم والی شفاف عینک نظر آ رہی تھی۔ اپنی ناک کی بناوٹ سے قطع نظر، اسے پہچاننا مشکل تھا۔

اگر وہ اپنی ناک کی اوپری گولائی کی سرجری کرا لیتا تو اسے خود کو چھپائے رکھنے میں قابلِ رشک کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

وہ فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی مشروبات کے اسٹال پر گیا تھا۔ میں نے بہت تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کی طرف ہولیا۔

''ایک نہیں، دو گلاس لو'' میں نے اس کے عقب میں پہنچ کر دھیرے سے کہا ''اس وقت میں تمہارا مہمان ہوں۔''

میری آواز سنتے ہی وہ بہت پھرتی سے ایڑیوں کے بل گھوما تھا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر مکّارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

کاؤنٹر والا دو دوستوں کی اس اتفاقی ملاقات پر زیرِلب مسکرا رہا تھا۔

فریش لائم کے دو گلاس خرید کر ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے میں لگی ہوئی اس خالی میز کی طرف بڑھ گئے جس کے ساتھ صرف دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس میز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ایک اور کرسی لگائی جاسکتی تھی۔ چوتھی طرف میز دیوار سے جڑی ہوئی تھی۔

''سیٹ لائٹ فون میں واقعی بکھیڑا ہوتا ہوگا'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہی اس سے کہا ''تم کو موبائل فون خرید لینا چاہیے۔''

''جس زمانے میں موبائل یہاں بہت مہنگا اور عجوبہ تھا، راج محل کے سارے ملازم اس سے لیس ہوتے تھے'' شاید اسے موبائل فون خریدنے کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''موبائل بہت خطرناک ہے۔ آدمی کسی بھی وقت پکڑا جاسکتا ہے۔ میں ایسا خطرہ مول نہیں لیتا۔''

''تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھتے ہو اسی لیے اب تک محفوظ ہو ورنہ اب تک کہیں اور ہی ہوتے'' میں نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

ہر ماہ اپنا پسندیدہ ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ بذریعہ رجسٹرڈ ہوائی ڈاک گھر بیٹھے حاصل کیجئے

رجسٹرڈ ہوائی ڈاک سے زرسالانہ مع ڈاک خرچ

اندرون ملک کے لئے	450 روپے
ایشیا یورپ اور افریقا کے لئے	2000 روپے
امریکا کینیڈا اور آسٹریلیا کے لئے	2500 روپے

بیرون ملک کے قارئین کے ڈرافٹ یا انٹرنیشنل منی آرڈر کراچی میں واقع کسی بینک میں قابل ادائیگی ہونا ضروری ہیں۔ بصورت دیگر بینک کمیشن کی رقم بھی ارسال فرمائیں جو دس ڈالر تک ہوسکتی ہے۔

FOR BANK TRANSFER :
JASOOSI DIGEST PUBLICATIONS, A/C No. 400094-78 HABIB BANK LTD.,
MANSFIELD STREET BRANCH, KARACHI, PAKISTAN.

Downloaded from https://paksociety.com

''میرے پاس وقت کم ہے'' وہ اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر بولا ''میں تمہارے لیے خیر سگالی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میری طرف سے تمہارے دماغ میں بہت زہر بھرا ہوا ہے۔''

''اس کے ذمے دار تم خود ہو'' میں نے میز پر کہنیاں ٹکا کر نیچی آواز میں کہا ''تمہیں یاد ہے کہ جب میں اکارڈ لے کر پہنچا تھا تو تم نے کیا کچھ کہا تھا؟''

''وہ میری غلطی تھی'' اس نے خندہ پیشانی سے سرگوشی کی ''میں نے یہاں آ کر پچھلی تمام غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' میں نے زور دے کر سوال کیا ''تمہیں میری دل جوئی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''بنکاک سے میری واپسی کے بعد تم نے مجھے بہت سہارا دیا تھا'' اس نے بدستور نیچی لیکن تشکر آمیز آواز میں کہا ''میں تمہارے اس تعاون کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ بعد میں ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس ناخوشگوار ماضی کو بھلا دو۔''

''شاید تم میرے اصولوں کو بھول گئے ہو؟'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے سب یاد ہے۔ را والے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تمہاری کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ تم اپنے ملک کے دشمن کے دشمن ہو۔ میں پاکستان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ اس ملک کا برا نہیں چاہوں گا۔''

''یہ تمہاری سوچ کی نئی تبدیلی ہے جو میرے لیے حیران کن ہے۔ برسوں تک تم پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تلے ہوئے تھے کیونکہ یہاں تمہاری عزت اور ساکھ کو خاک میں ملا دیا گیا ہے۔''

''غصے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے، اسے درگزر کر دینا چاہیے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ میں تمہارے لیے کیا کر سکوں گا؟''

''تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں سے لڑائی لڑنے دو۔ میں نے تمہاری طاقت دیکھ لی ہے۔ جو شخص ٹام کو اس کے محافظوں سمیت جہنم واصل کر سکتا ہے وہ میری راہ میں بہت سے روڑے اٹکا سکتا ہے۔''

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی'' میں نے بے پروائی سے کہا ''تم نے بھی شیر دل کے ہاتھوں نک ہارودے کو مروایا تھا'' میں نے اسے اس کا فرضی کارنامہ یاد دلایا۔ وہ اس واقعے کے پس پردہ محرکات اور حالات سے یکسر بے خبر تھا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے شیر دل پکڑا گیا تھا۔ اس نے میرے ایما پر دوسری کوشش میں نک کو ٹھکانے لگایا تھا۔ اس راز کی حفاظت کے لیے مجھے بعد میں شیر دل کو بھی ٹھکانے لگانا پڑ گیا۔ سوبھراج نیک نیتی سے نک کے قتل کو اپنا کارنامہ سمجھتا رہا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنے اس کارنامے کی تشہیر اخباروں تک میں کر ڈالی تھی۔

''وہ میری طاقت کا مظاہرہ تھا۔ نیا واقعہ تمہاری طاقت کا مظہر ہے۔ سچ پوچھو تو ٹام کی بے وقت موت سے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔''

اس کا آخری فقرہ چونکانے والا تھا مگر میں نے میز کی سطح پر اپنی کہنیوں کے بل مزید آگے کی طرف جھکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا ''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اس سے میرا سمجھوتا ہونے والا تھا'' سوبھراج نے انکشاف کیا ''الف بی آئی والے میرا پیچھا چھوڑ دیں تو میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ اب بھی بہت لمبے ہیں۔''

''سمجھوتا کس بات پر ہونا تھا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''سچ پوچھو تو تم ان کے سینوں کا ناسور بنے ہوئے ہو'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر بدستور نیچی آواز میں جواب دیا ''وہ اڑے ہوئے تھے کہ میری جان صرف تمہارے عوض بخشی جا سکتی ہے۔''

''اور اسی لیے تم نے جہانگیر کو اغوا کرایا تھا؟'' میرے زخم تازہ ہونے لگے۔

''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ تم میرے رابطے میں تھے تو مجھے جہانگیر کو اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر جہانگیر قاسم کے گھر پر قید تھا تو اس کا ذمے دار قاسم ہے۔ میں اپنے جاننے والوں کی ہر حرکت کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''تو کیا آج تم نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم میری طرف سے پھر بدگمان ہو رہے ہو'' اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

نرمی سے احتجاج کیا ''میں نے تمہیں دوستی بحال کرنے کے لیے بلایا ہے، تم دشمنی کی باتیں نکال رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں میری موت بھی آسکتی ہے۔''

''ان باتوں کو تم خود اپنی گفتگو سے ہوا دے رہے ہو۔ نک مرا تو اس کی جگہ گیری آ گیا۔ گیری سمندر میں غرق ہوا تو ٹام نے اس کی جگہ لے لی۔ اب ٹام مر چکا ہے تو کوئی اور اس کی جگہ آ جائے گا۔ تمہارا سودا چلتا رہے گا۔ نئے آدمی سے پروگرام طے کر کے مجھے بتا دینا۔ میں آ جاؤں گا۔ مجھے ان کے حوالے کر کے تمہاری جان بچ.....!''

اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی ''آدمی ڈھنگ کے ہو لیکن باتیں بہت کڑوی کرتے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں، ان سے میری دوسری ڈیل چل رہی ہے۔''

''ایسی کیا ڈیل ہو سکتی ہے۔ کہیں تم نے گرین کو برا ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا ہے؟'' اس بار میں نے چونک کر قدرے برہمی سے سوال کیا تھا۔

''ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ میں نے ٹام کو پیشکش کی ہے۔ اسے واشنگٹن سے منظوری آنے کا انتظار تھا۔ اب دیکھو کہ اس کے مارے جانے کے بعد کیا ہوتا ہے؟''

''تو کیا تم گرین کو برا فائل انہیں دے دو گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''مجبوری ہے۔ میری وفاداری کے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے یکا یک اس کی بائیں کلائی مضبوطی سے تھام کر کہا ''سوبھراج! تم جانتے ہو کہ وہ فائل کتنی اہم ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ملک کے دشمنوں کا بدترین دشمن ہوں۔ وہ فائل ان کے ہاتھ لگی تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

اس نے زور لگانے کی کوشش کی تو میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ بے ڈھنگی ہنسی کے ساتھ بولا ''تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم بات بات پر بگڑ جاتے ہو۔ میں اسی سے ملتی جلتی، اوٹ پٹانگ کاغذوں پر مشتمل جعلی فائل بنا کر ٹام کو تھما دیتا اور میری جان بچ جاتی۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس فائل میں کیا ہے، جو کچھ میں دے دوں گا، وہ قبول کر لیں گے۔''

''عالمی ایجنسیاں بچی گولیاں نہیں کھیلتیں۔ ان سے تمہاری جعلسازی زیادہ دیر تک نہیں چھپی رہے گی۔ حقائق کے سامنے آتے ہی وہ تمہاری گردن ماردیں گے۔ یہ باتیں تم بھی جانتے ہو۔ مجھے کوئی ایسی کہانی سناؤ جو سمجھ میں آنے والی ہو!'' اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے ایک پل کے لیے بھی اس کے چہرے سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

''وہ مر کر بھی اصلیت کا پتا نہیں چلا سکیں گے'' وہ کچھ پریشان ہو کر بولا ''ان کے ماہران کاغذوں پر مہینوں اپنا سر کھپاتے رہیں گے.....''

''اتنے بھولے نہ بنو۔ دنیا بھر میں سرکش حکومتوں کے تختے الٹنے والے اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے۔ ان کو معلوم ہے کہ گرین کو برا فائل دہلی سے اڑائی گئی ہے۔ کاغذوں کا کوئی سر پیر نہ ملا تو وہ بھارتیوں سے رجوع کریں گے۔ وہ ان کے گہرے دوست ہیں۔ تمہاری پول کھل جائے گی'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

شکاری — 20 حصے (مکمل) — رجسٹرڈ ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے
مکمل سیٹ ایک ساتھ رجسٹرڈ ڈاک خرچ سمیت صرف -/1000 روپے

مجاہد — 11 حصے (مکمل) — رجسٹرڈ ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے
مکمل سیٹ ایک ساتھ رجسٹرڈ ڈاک خرچ سمیت صرف -/600 روپے

گمراہ — 8 حصے (مکمل) — رجسٹرڈ ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

مفرور — 6 حصے (مکمل) — رجسٹرڈ ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

صدیوں کا بیٹا — 5 حصے (مکمل) — رجسٹرڈ ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

کسی بھی کتاب کے چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ -/91 روپے
کسی بھی قسم کی کمیت حاصل کرنے کے لئے رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
فون: 5802551 فیکس: 5802552-5895313
E-mail: kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

''سوبھراج کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا''یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔''

''اب آ گئی ہے تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا۔ تمہاری باتیں عجیب ہیں۔ مم..... میں تم کو نقصان پہنچا سکتا ہوں، نہ اپنے پاکستان کو۔ ہوسکتا ہے کہ میں اب ان سے کوئی بات نہ کروں، جو جیسا چل رہا ہے، چلنے دوں'' وہ بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آنے لگا تھا۔

اس کی زبان سے اپنے پاکستان کے الفاظ بالکل اوپری اور بناوٹی محسوس ہوئے۔ میرا مشاہدہ بتا رہا تھا کہ وہ واقعی بہت بڑا سیاست داں بن چکا تھا۔ اس کی ہر بات میں سیاست اور مکاری گھسی ہوئی تھی۔ اس کی کسی بات پر یقین کرنا دشوار تھا۔

''اتنا وقت گزر جانے کے باوجود میں اس ملاقات کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں'' چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے گھورنے کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ابھی تک اس ملاقات کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا..... خوب..... بہت خوب.....''

اپنی بات پوری کر کے اس نے ہنسنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے سرد آواز میں اسے ٹوک دیا۔''میری باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے دل کی باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے چند جملوں میں بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''ایف بی آئی والے تمہارے عوض میری خطا معاف کرنے پر تیار تھے۔ میں نے دیکھا کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کوشش میں میری جان ضرور جاسکتی ہے۔ میں نے ان سے انکار کر دیا۔'' وہ سوچ سوچ کر نپے تلے الفاظ میں کہہ رہا تھا''دشمنی اور مکاری ختم ہوگئی تو اب میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اصل کہانی ہے باقی میرا اور ایف بی آئی والوں کا معاملہ ہے۔ اسے میں خود نمٹالوں گا۔ اس کا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

مجھے اس کی باتیں بے وزن محسوس ہوئیں۔ مجھے ویرا کا آدھا نظریہ درست نظر آنے لگا۔ وہ مجھے مروانے کا کوئی فوری منصوبہ لے کر نہیں آیا تھا لیکن مجھے دیکھنے اور پہچاننے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس وقت تک میرے دشمنوں میں ایسا کوئی فرد زندہ نہیں رہا تھا جس نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے دیکھا یا پہچان لیا ہو۔ سوبھراج مجھ سے مل کر واپس لوٹ جاتا تو وہ مجھے پہچاننے والا اکلوتا حریف ہوتا جسے ایف بی آئی اور سی آئی اے والے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔

وہ ادارے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ ان کی واحد کمزوری یہ تھی کہ ان کے پاس میرے نام کے سوا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ تصویر، خاکہ یا فنگر پرنٹس نہ ہونے کے سبب وہ مسلسل اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ایسی بے بسی کے عالم میں اگر سوبھراج ان سے جا ملتا تو وہ اس کی یادداشت کی مدد سے میرا خاکہ تیار کر سکتے تھے، جس کے بعد میرے لیے بہت سی دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔

وہ ایک قرین قیاس امکان تھا لیکن اس کا ایک پہلو بہت کمزور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ سوبھراج نے اس موقع پر صرف مل بیٹھنے پر کیوں اکتفا کیا۔ وہ چاہتا تو ٹام کے ماتحتوں میں سے کسی کو اعتماد میں لے کر یہ خبر پہنچا سکتا تھا کہ میں اس رات سات بجے پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں پہنچنے والا تھا۔ امریکیوں کے لیے یہ اشارہ کافی ہوتا۔ وہ بے گناہوں کی ہلاکت اور مقامیوں کے بھاری مالی نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی بھرپور طاقت استعمال کر کے مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے پہنچ جاتے۔ سوبھراج کو نہ صرف معافی مل جاتی بلکہ وہ دو ملین ڈالر کے خطیر انعام کا حق دار بھی بن جاتا۔

وہ تھی میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ اسی اثنا میں مجھے راج محل میں ویرا کے پکڑے جانے کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ سوبھراج کے برے وقت کے آغاز کی پہلی کڑی تھی۔ امریکی حکام کی نظروں میں ویرا مجھ سے کم معتوب نہیں تھی۔ انہوں نے اس کی گرفتاری پر بھی دو ملین ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ سوبھراج نے وہ سب جانتے بوجھتے ہوئے نک ہارو ے یا کسی اور امریکی کو ویرا کے پکڑے جانے کی خبر نہیں دی۔ خاموشی سے اسے اپنی قید میں لیے بیٹھا رہا۔ یہ ویرا کی قسمت تھی کہ وہ راج محل سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی جہاں سے اس کو طاقت کے زور پر چھڑا لیا گیا۔

وہ سوبھراج کی کوئی ذہنی گرہ ہوسکتی تھی۔ جس طرح اس نے کسی کو کانوں کان یہ خبر نہیں ہونے دی تھی کہ ویرا اس کی گرفت میں آ چکی تھی اسی طرح وہ میرے بارے میں ہر

Downloaded from https://paksociety.com

بات اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مجوزہ ملاقات کے لیے میری آمد کے بارے میں وہ شکوک وشبہات کا شکار رہا ہو۔ ادھوری اطلاع دے کر اپنا مذاق بنوانے کے بجائے اس نے پہلے مرحلے میں صرف اپنا اطمینان کرنا کافی سمجھا ہو۔ اس وقت اس کے لیے میری تباہی سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی سلامتی کا تھا۔ ایک بار مجھے اچھی طرح شناخت کر لینے کے بعد وہ مجھے پکڑوانے یا مروانے کے لیے کسی بھی وقت دوسری کوشش کرسکتا تھا۔ اس حکمتِ عملی میں ناکامی یا سبکی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس کے کھل کر اعتراف نہ کرنے کے باوجود مجھے بہت کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ رازداری کی وجہ سے وہ اکیلا ہی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہوگا۔ وہ کسی کو ساتھ لاتا تو وہ ڈینی کو پہچاننے والا دوسرا شخص بن جاتا۔ سو بھراج کی اہمیت گھٹ جاتی۔ وہ اس قدر انا پرست اور متکبر تھا کہ اس طرح اپنے پیروں پر خود کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔

''ایف بی آئی سے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے تم آزاد ہو مگر گرین کو برا ایک قومی راز ہے۔ وہ فائل اپنے دوست کو نہ لوٹا کر تم نے بددیانتی کی ہے۔ اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑا جاسکتا۔ وہ فائل مجھے درکار ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں.....!'' اس نے سختی سے جواب دیا ''میں وہ فائل کسی کو نہیں دوں گا'' میرا مطالبہ سنتے ہی اس کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں۔

''اگر میں کہوں کہ فائل لوٹانے کا وعدہ کیے بغیر تم یہاں سے نہیں جاسکو گے تو تمہارا فیصلہ کیا ہوگا؟''

''مجھے معلوم ہے کہ تم ایسی نامناسب بات نہیں کہو گے'' اس نے پلکیں جھپکائے بغیر اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔ گرین کو برا مجھے واپس چاہیے۔''

''تلخی پیدا نہ کرو ڈینی! یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے آخری سہارے سے محروم نہیں ہوسکتا۔''

''تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو اور میری اجازت کے بغیر واپس نہیں جاسکو گے'' اس کے لہجے کی سختی محسوس کر کے میں نے کھلی دھمکی دی۔

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ کون مجھے روکتا ہے'' اس نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس تمہارے آدمی پھیلے ہوئے ہیں؟''

''میرے ساتھ چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے'' اس نے اپنی گردن جھٹک کر جواب دیا ''میں اکیلا یہاں آیا ہوں اور اکیلا ہی واپس جاؤں گا۔''

میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ اس انا پرست نے میری شناخت کے مرحلے میں کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

''یہاں تماشا بن جائے گا۔ میں دو منٹ میں تمہارا سارا بھرم خاک میں ملا دوں گا'' میں نے بہت ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا ''دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے جاتے ہو؟''

''کرسی چھوڑنے کی کوشش نہ کرو'' اس نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ''عجلت میں تم سب کچھ کھو دو گے۔ بیٹھ کر اطمینان سے پوزیشن سمجھ لو پھر جو دل چاہے کر گزرنا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا اسے گھورتا رہا۔

''فائل ایک لفافے میں سیل ہے اور وہ لفافہ میرے ایک گہرے دوست کی تحویل میں ہے'' اس نے میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں کہنا شروع کیا ''مجھے یہاں آئے ہوئے خاصا وقت گزر چکا ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ وقت کم رہ گیا ہے۔ میں نے ٹھیک پونے آٹھ بجے اپنے دوست کو فون کر کے ایک مخصوص پیغام نہ دیا تو وہ گرین کو برا فائل والا لفافہ اسی وقت امریکی قونصل خانے کو پہنچا دے گا اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

میرے دماغ میں بے ساختہ ایک گالی نے جنم لیا جسے میں نے اپنے لبوں پر آنے سے روکتے ہوئے کہا ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔''

''پھر من مانی کر گزرو۔ میرے اور تمہارے لیے سب کچھ تباہ ہو جائے گا'' اپنی وضاحت کے بعد وہ خاصا مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

میں مخمصے میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی اچانک قلابازی سے مجھے جائے ماندن نہ پائے رفتن والی صورتِ حال سے دوچار کر دیا تھا۔

''آج میرے بُرے وقت نے مجھے آن گھیرا ہے مگر تم

Downloaded from https://paksociety.com

میرے ماضی سے اچھی طرح واقف ہو'' قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کردیا تھا'' میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جب میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کیا تو یہ خطرہ میرے دماغ میں کلبلایا تھا جو اس وقت سامنے آچکا ہے۔ میری نیت صاف تھی۔ میری جیب میں ہتھیار کے نام پر قلم تراش چاقو تک نہیں ہے۔ چاہو تو تم میری جامہ تلاشی لے کر اس بات کی تصدیق کرسکتے ہو۔ میں نے تمہاری کینہ پروری کے قصے سنے ہوئے ہیں۔ تم اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ مجھے شبہ تھا کہ مجھے اکیلا اور نہتا دیکھ کر تمہاری نیت ڈانواڈول ہوجائے گی۔ ایسے میں گیدڑ بھی شیر ہوجاتے ہیں۔ تمہارے بہکنے کا خطرہ بہت قوی تھا۔ میں اس کا پورا بندوبست کرکے یہاں آیا ہوں۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

اس بار بھی میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ میں غصے سے اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ وہ خبیث میری دسترس میں آکر بھی نکل بھاگنے کے لیے پرتول رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا کیا، کیا جائے؟

گرین کو برا اس کی تحویل میں رہتی تو کسی نہ کسی وقت اس کی بازیابی کی امید کی جاسکتی تھی۔ وہ فائل ایک مرتبہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو سب کچھ زیروزبر ہوسکتا تھا۔

''جلدی فیصلہ کرو!'' سوبھراج نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے لقمہ دیا'' میرے دیے ہوئے وقت میں صرف چھ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ سیٹ لائٹ فون گاڑی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے وہاں تک پہنچنے کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ پونے آٹھ بجتے ہی وہ اپنے ٹھکانے سے نکل کھڑا ہوگا۔ میرا فون بھی اسے نہیں روک سکے گا کیونکہ وہ موبائل فون رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس کے گھر کا فون گھر ہی میں رہ جائے گا۔''

وہ مجھے اعصاب زدہ کیے دے رہا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بایاں بازو جھٹک کر اپنی رسٹ واچ دیکھی، پونے آٹھ بجنے میں چھ منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔

''جاؤ!'' میں نے اسے خوں خوار نظروں سے گھورتے ہوئے دانت پیس کر کہا'' بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی.....''

وہ میری پوری بات سننے کے لیے نہیں رکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ دبایا اور تیزی سے زینوں کی طرف ہولیا۔

فریش لائم کے دونوں گلاس آدھے سے زیادہ بھرے ہوئے تھے۔

جوں ہی وہ زینوں پر میری نگاہوں سے اوجھل ہوا، میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے اپنی محویت سے چونک کر میری طرف دیکھا مگر میں کسی کی پروا کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف چل دیا۔ اس وقت میں سوبھراج کی گردن ناپنے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جس طرح مجھے چوٹ دے کر نکلا تھا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کے لیے بغض اور نفرت کے جذبات جنم لے چکے تھے۔

میں بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے پہنچا تو سوبھراج کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوچکا تھا۔

اس وقت میری ساری توقعات سلطان شاہ سے وابستہ تھیں۔ میرا رواں رواں اس کی بڑی کامیابی کے لیے دعا گو تھا۔

ہم دونوں وہاں پہنچے تو پارک ٹاور کے قرب وجوار میں پارکنگ کا بہت رش تھا۔ دور دور تک گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس علاقے کے سارے مکین اس مختصر سے ٹکڑے میں سمٹ آئے ہوں۔

ہمیں بہت مشکل سے اپنی گاڑی پارک کرنے کی جگہ ملی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ سوبھراج کی کار اس کے قریب موجود ہو۔ سوبھراج کی روانگی کے بعد اگر سلطان شاہ کو اپنی گاڑی تک پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی تو اس دوران میں سوبھراج نہ جانے کس طرف نکل جاتا۔ پارکنگ کے مسائل کی وجہ سے تعاقب کا موقع ضائع ہوسکتا تھا۔

سوبھراج کی تلاش میں بھٹک کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے میں عمارت سے نکل کر سیدھا اس طرف ہولیا جہاں ہماری سفید کرولا پارک کی گئی تھی۔ مجھے دور ہی سے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہماری گاڑی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس کی جگہ سرخ رنگ کی پی ایم ڈبلیو کھڑی ہوئی تھی۔

شکست کی فتح میں وہ ایک حوصلہ افزا علامت تھی۔ میں تیزی سے اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے وہاں ٹہلتے ہوئے پرائیویٹ سیکیورٹی گارڈ سے سفید کرولا کے بارے میں استفسار کیا تو وہ بے چارہ پریشان نظر آنے لگا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ میری گاڑی وہاں سے چرالی گئی تھی۔ میرے اطمینان دلانے پر اس نے بتایا کہ رش کے ان اوقات میں اس کے لیے ہر گاڑی کے بارے میں یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے

Downloaded From https://paksociety.com

البتہ اس نے یہ بتادیا کہ سرخ بی ایم ڈبلیو وہاں کم وبیش بیس پچیس منٹ سے کھڑی ہوئی تھی۔

میں ٹہلتا ہوا مین روڈ کی طرف چل دیا تاکہ وہاں سے ٹیکسی لے کر گھر جاسکوں۔ اپنی گاڑی کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے سلطان شاہ کی کامیابی کی کچھ نہ کچھ آس ہو چلی تھی۔

☆☆☆

سلطان شاہ کو میری دیکھ بھال نہیں کرنی تھی۔ اس کا پہلا ہدف سوبھراج تھا۔ وہ ہر فلور پر موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا فوڈ کورٹ سے اوپری منزل کی راہ داری میں پہنچا تو اسے وہ دراز قامت شخص دوسروں سے بالکل الگ تھلگ نظر آیا جو ریلنگ کے سہارے کھڑا، نیچے کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

وہ آنے جانے والوں کی طرف پشت کیے کھڑا ہوا تھا اس لیے سلطان شاہ اس کا چہرہ دیکھنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔ کافی دور نکلنے کے بعد وہ پلٹا تو اس مشتبہ آدمی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس معتکف اور باریش شخص کی ناک آگے سے خم دار تھی!

سلطان شاہ کسی ایسے مورچے کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا جہاں جم کر وہ سوبھراج کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکے۔ اس نے سوبھراج کو پہچان لیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے سامنے ہی رہتا۔ اس نے سوبھراج کی پشت پر واقع ایک دکان میں چمڑے کی بیلٹیں دیکھنی شروع کردیں۔

دکان میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے اس نے غیر ضروری طور پر چند بیلٹیں پسند کر کے الگ رکھوالیں۔ اس دوران میں وہ بار بار وقت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب سات بج گئے اور اس کے شکار نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تو سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی۔ اس نے بڑھ کر ریلنگ سے نیچے نظریں دوڑائیں تو میرا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔

میرا نظر نہ آنا اس کے لیے زیادہ اہم نہیں تھا کیونکہ اوپر کے کسی بھی فلور سے ایک وقت میں پورے فوڈ کورٹ کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ میں شاید کسی ایسی میز پر بیٹھا ہوا تھا جو اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔

یکا یک سوبھراج نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ نے عجلت میں رقم ادا کر کے اپنی خریدی ہوئی بیلٹوں کا تھیلا اٹھایا اور آگے چل پڑا۔

سوبھراج نے ریلنگ کے سہارے کشادہ راہداری کا پورا چکر لگایا۔ اس دوران میں اس کی نظریں بار بار نچلے فلور کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اپنا جائزہ مکمل کر کے وہ فلور پر موجود لفٹ کے کھلے ہوئے دروازے میں گھس گیا۔ سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ چاہتا تو وہ بھی لپک کر لفٹ میں سوار ہوسکتا تھا لیکن اسے سوبھراج کا پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا لگانے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ وہ غیر ضروری طور پر اس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف ہولیا۔ اس کے ذہن میں یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ شاید ڈاکٹر صادق والے قصے میں سوبھراج نے اس کی صورت ذہن نشین کرلی ہو اور اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی یادداشت تازہ ہوجائے۔ ایسی صورت میں سلطان شاہ کا تعاقب کا منصوبہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہوسکتا تھا۔

وہ نیچے پہنچا تو سوبھراج لفٹ سے نکل کر عمارت کے نکاس کی طرف بڑھ رہا تھا اور خاصی عجلت میں تھا۔ اس وقت وہ اپنے گردوپیش سے قدرے غافل نظر آرہا تھا۔ انتہائی روشن فلور کا راستہ طے کرتے ہوئے اس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا تاکہ کم سے کم لوگ اس کا چہرہ دیکھ سکیں۔

سلطان شاہ چند قدموں کے فاصلے پر اس کا پیچھا کرتا رہا۔ سوبھراج پارک ٹاورز سے نکل کر پارکنگ ایریا میں ہولیا۔ عمارت کے گرد بنے ہوئے پختہ راستے کی ایک جانب گاڑیوں کی طویل قطار لگی ہوئی تھی۔ وہیں سلطان شاہ کی گاڑی بھی موجود تھی۔

سوبھراج کہیں رکے بغیر تیزی سے مین روڈ پر نکل آیا۔ گاڑیوں کی بھیڑ وہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی، وہ سمجھ رہا تھا کہ سوبھراج کسی وجہ سے چوکنا ہوگیا تھا اور مجھ سے ملنے کا ارادہ منسوخ کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔

سوبھراج کی گاڑی مین روڈ پر کہیں پارک کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ اسے دیکھ کر جتنی دیر میں اپنی گاڑی تک پہنچتا، سوبھراج کہیں کا کہیں نکل سکتا تھا۔

سخت ذہنی دباؤ اور تذبذب کے عالم میں سلطان شاہ اس کے پیچھے لگا رہا۔ سوبھراج کی گاڑی دیکھے بغیر وہ کوئی متبادل راہ اختیار نہیں کرسکتا تھا۔

جب سوبھراج نے ایک کالی مرسیڈیز کے پاس رک کر دروازہ کھولا تو سلطان شاہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

گاڑی لینے کے چکر میں وہ کسی طرح سوبھراج کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے مرسیڈیز کا نمبر ذہن نشین کرتے ہی کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں سڑک پر نظریں دوڑانا شروع کردیں۔

وہاں سے کچھ فاصلے پر کانفٹن کے مین بس اسٹینڈ پر ہی ٹیکسی اسٹینڈ بھی تھا جہاں سے وہ کسی بہتر ٹیکسی کا انتخاب کرسکتا تھا مگر مسئلہ وہی تھا کہ سوبھراج کے عزائم کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے ہلتا اور سوبھراج غائب ہوجاتا تو وہ اسے کھودینے کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

سڑک پر دور دور تک کسی خالی ٹیکسی کا پتا نہیں تھا۔ ناکامی کے احساس سے سلطان شاہ کے ہاتھ پیروں میں ہلکی ہلکی اینٹھن سی ہونے لگی جو اس کے بدترین اعصابی دباؤ کا نتیجہ تھی۔

اس دوران میں اس کی نظر بار بار کالی مرسیڈیز کی طرف اٹھتی رہی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ سوبھراج نے گاڑی میں بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ نہیں کیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اس نے دروازہ بند کرلیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ میں ایک بڑا اور دقیانوسی سا موبائل فون نظر آیا۔ وہ اس پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ زیرک آدمی تھا۔ چند لمحوں کی بے یقینی کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ وہ موبائل فون نہیں تھا۔ سوبھراج گاڑی میں رکھے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ کو ایک خالی ٹیکسی نظر آگئی۔ اس نے ہاتھ کے بے تابانہ اشارے سے اسے روک لیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اس نے شہر کے دستور کے خلاف ڈرائیور سے کچھ کہے سنے بغیر اگلا دروازہ کھولا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔

''بابو! کیا بات ہے، کدھر جانا ہے؟'' ڈرائیور نے ناپسندیدہ نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ کن انکھیوں سے مسلسل سوبھراج کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کے لہجے اور نگاہوں کو برداشت کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''معمولی کام ہے۔ میٹر سے سوروپے زیادہ دوں گا.....''

''نیچے اتر جاؤ'' ڈرائیور نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا ''میں صاف ستھری سواریاں اٹھاتا ہوں۔ ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔''

سلطان شاہ کا خون کھول اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ مرسیڈیز حرکت میں آگئی تو وہ اپنا پستول دکھا کر ٹیکسی ڈرائیور کو نیچے اتار دے گا اور خود اس کی ٹیکسی لے کر سوبھراج کے تعاقب میں روانہ ہوجائے گا۔ آگے جو کچھ ہوگا، اسے بعد میں بھگت لیا جائے گا۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، سوبھراج اپنی گاڑی سے اترتا ہوا نظر آیا۔ فون پر اس کی گفتگو بہت مختصر ثابت ہوئی تھی۔ گاڑی بند کرکے وہ تیزی سے پارک ٹاورز کی طرف واپس جارہا تھا۔

سلطان شاہ نے کینہ توز نظروں سے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور نے اسے برا بھلا کہا تھا نہ گالی دی تھی۔ بس ایک مشتبہ ذمے داری قبول کرنے سے انکار کیا تھا جس پر سلطان شاہ کا مشتعل ہونا غیر ضروری تھا مگر وہ خود حالات کے دباؤ کا شکار تھا۔ اس نے ٹیکسی سے اتر کر اپنے غصے کے اظہار میں دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ پوری ٹیکسی ہل کر رہ گئی۔

سلطان شاہ وہاں رکنے کے بجائے واپس چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ سوبھراج کیا کرتا پھر رہا تھا' اس نے کسے فون کیا تھا اور مجھ سے مجوزہ ملاقات کا کیا بنا تھا۔

اس بار سوبھراج سیدھا فوڈ کورٹ میں پہنچا اور مشروبات والے کاؤنٹر پر جا پہنچا۔ سلطان شاہ نے چند لمحوں بعد مجھے اس کے قریب پہنچتے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔

سوبھراج کی مشتبہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ ملاقات خاصی تاخیر سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو توقع تھی کہ ہم دونوں کم از کم پندرہ بیس منٹ تک ضرور مصروف رہیں گے۔ ٹیکسی کے حصول کے سلسلے میں اسے تلخ تجربہ ہوا تھا۔ فوری طور پر وہ ڈرائیور کے رویے پر مشتعل ہوگیا تھا لیکن راستے میں اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ کراچی میں کچھ ٹیکسی ڈرائیور ایسے بھی تھے جو رزق وروزی کے مسائل میں مبتلا ہونے کے باوجود آمدنی کے مشتبہ ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔

اس کے لیے وہ مہلت ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ ہم دونوں فریش لائم کے گلاس لے کر میز کی طرف بڑھے تو سلطان شاہ آسودہ انداز میں وہاں سے واپس ہولیا۔

اس نے اپنی گاڑی پارکنگ سے نکالی اور ایک لمبا چکر کاٹ کر مین روڈ کی اس سمت میں پہنچ گیا جہاں سوبھراج کی کالی مرسیڈیز کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اپنی گاڑی لگانے کے لیے فوری طور پر کوئی موزوں جگہ نہیں مل سکی۔ وہ انجن

Downloaded From https://paksociety.com

اسٹارٹ کیے انتظار کرتا رہا۔ جوں ہی اسے ایک گاڑی اپنی جگہ سے باہر نکلتی نظر آئی' اس نے کردلا آگے بڑھا کر خالی جگہ میں پارک کردی۔

وہ سوبھراج کو میرے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ گاڑی بھی اس کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ اسے جل دے کر کہیں نہیں نکل سکے گا۔ اسے ہر حال میں اپنی گاڑی تک واپس آنا تھا۔

اپنی کار پارک کرنے کے بعد وہ بے پروایانہ انداز میں ٹہلتا ہوا کالی مرسڈیز تک پہنچ گیا۔ رات گہری ہوتی جارہی تھی لیکن اس علاقے میں اسٹریٹ لائٹس اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن تھیں۔ سلطان شاہ کسی خاص زحمت کے بغیر مرسڈیز کا اندرونی جائزہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔

سوبھراج کی گاڑی کی تمام نشستیں خالی تھیں لیکن پسنجر سیٹ کے پائیدان میں ایک چوکور چرمی بریف کیس نظر آرہا تھا جو سلطان شاہ نے سیٹ لائٹ فون کے طور پر پہچان لیا۔

بے اختیار اس کا دل چاہا کہ مرسڈیز کی کھڑکی کا کوئی شیشہ توڑ کر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نکال لے جو اس کے رابطوں کا اہم ترین ذریعہ تھا مگر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد اس نے اپنا وہ منصوبہ ترک کردیا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ گاڑی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج ضرورت سے زیادہ چوکنا ہوجاتا۔ اسے یہ احساس ہوجاتا کہ اس کی گاڑی کسی کی نگاہوں میں آچکی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے تعاقب کے امکانات پر غور کرتا۔ شہر کے اس ساحلی علاقے میں ایسی ویران سڑکوں کی کمی نہیں تھی جہاں تیز رفتاری کے ساتھ میلوں کی مسافت طے کی جاسکتی ہے۔ اپنے اصل راستے پر جانے سے پہلے وہ ایسے کسی راستے پر نکل جاتا تو سلطان شاہ کے لیے خود کو چھپائے رکھنا ناممکن ہوجاتا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ جہاں سوبھراج اپنے سیٹ لائٹ فون کو مجرمانہ رابطوں کے لیے استعمال کرتا تھا وہیں مجھ سے بھی اسی فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ سوبھراج سیٹ لائٹ فون سے محروم ہوجاتا تو مجھ سے اس کا رابطہ یکسر ختم ہوجاتا۔

ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ واپس پارک ٹاورز کی طرف چل پڑا۔ اس نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جس پر چل کر سوبھراج دوبارہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔

ہمارے مذاکرات جاری تھے' ہم دونوں اپنی کہنیاں میز پر ٹکائے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے نیچی آواز میں باتیں کرتے رہے' سلطان شاہ ہم دونوں کی نگاہوں سے دور رہ کر خاموشی سے ہمارا جائزہ لیتا رہا۔ آخر کار وہ سلسلہ ختم ہوا جوں ہی سوبھراج میرا ہاتھ دبا کر واپسی کے لیے پلٹا' سلطان شاہ بھی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ میں نے اپنے دشمن کو آسانی سے لوٹ جانے دیا۔ اس بار اس نے سوبھراج کا پیچھا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ مجھ سے رخصت ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف جائے گا۔ سلطان شاہ اس کے آنے سے پہلے اپنی گاڑی تک پہنچ گیا اور نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرلیا۔

اس مرتبہ سوبھراج بہت زیادہ عجلت میں اپنی گاڑی تک آیا اور اس میں سوار ہوتے ہی وہاں سے آگے روانہ ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا جیسے اسے کسی کے پیچھا کرنے کا خطرہ ہو۔

سوبھراج کی طاقتور مرسڈیز کا پیچھا کرتے ہوئے سلطان شاہ زیادہ درمیانی فاصلہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے پاس نئی جیسی اور جاندار انجن والی کرولا تھی لیکن وہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے مرسڈیز کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

پُرہجوم ٹریفک میں بے قاعدگی سے اپنا راستہ بناتا ہوا' سوبھراج ذرا سی دیر میں اس کشادہ سڑک پر جا نکلا جو ساحل کے متوازی بہت دور تک چلی گئی ہے۔

سلطان شاہ کا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ خالص تفریحی علاقے کی سڑک تھی' داہنی طرف پتھر کی بنی ہوئی فصیل تھی دوسری طرف رہائشی مکانات تھے جن کا سلسلہ کچھ دور جا کر ختم ہوگیا تھا۔ سوبھراج کی رفتار سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اس سڑک پر کہیں مڑے بغیر سیدھا نکلتا چلا جائے گا' وہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ تفریحی حدود سے باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ کے لیے اس سنسان اور کشادہ سڑک پر خود کو چھپائے رکھنا ناممکن تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس وقت تک وہ خود کو سوبھراج کی نظروں سے بچانے میں کامیاب رہا تھا لیکن سوبھراج نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس پر زیادہ دیر تک وہ بھرم برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس نے کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا بھرا ہوا پستول جیب سے نکال کر اپنی گود میں ڈال دیا۔

بائیں طرف پھیلی ہوئی آبادی کا سلسلہ ختم ہونے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بعد ویرانہ شروع ہوگیا۔ سڑک پر جلنے والے اسٹریٹ لیمپس کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ دونوں گاڑیاں اپنے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں تارکول کی سیاہ سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سلطان شاہ کو اپنے عقب نما آئینے میں دور تک کسی گاڑی کا نام ونشان نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک مرسڈیز کی سرخ بریک لائٹس جل اٹھیں۔ سلطان شاہ کا داہنا پیر ایک ایٹسی لریٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر منتقل ہوگیا۔

چند لمحوں میں مرسڈیز رک گئی۔ وہ سلطان شاہ کے لیے فیصلہ کن لمحہ تھا۔ وہ رکتا تو سوبھراج کو یقین ہو جاتا کہ اس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔ سیدھا نکل جاتا تو سوبھراج کو کھو دینے کا اندیشہ تھا۔ کرولا اور مرسڈیز کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی اور ایک زناٹے کے ساتھ مرسڈیز کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔

اس کے آگے نکلتے ہی مرسڈیز نے واپسی کے لیے یُوٹرن لے لیا۔ سلطان شاہ کو یہی خدشہ تھا۔ تعاقب کا اندازہ لگانے کی وہ مثالی ترکیب تھی سوبھراج اس پر عمل کر گزرا تھا۔

اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ کسی قیمت پر سوبھراج کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر اپنی گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے گھما کر دوبارہ سوبھراج کے پیچھے ہولیا۔

سوبھراج نے اپنے عقب نما آئینے میں اسے پلٹتے دیکھا تو اپنی گاڑی روک لی۔ اپنے اندیشے کی تصدیق کے بعد وہ تصادم کے موڈ میں آگیا تھا۔

سلطان شاہ نے بھی اپنی گاڑی سڑک کے کنارے روک کر ہیڈ لیمپس گل کیے اور بہت خاموشی سے گاڑی سے اتر کر تاریک میدان میں آگے کی طرف دوڑ لگادی۔ اس کا خیال تھا کہ سوبھراج کی توجہ اس کی گاڑی پر مرکوز رہے گی۔ اتنی دیر میں وہ ریتیلے میدان پر راج کرنے والی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اسے قوی امید تھی کہ اس کی کوشش کامیاب رہی تو وہ دوبدو مقابلے میں سوبھراج کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس رات بھی ہر سو چاند کی بہت ہلکی روشنی چٹکی ہوئی تھی جس پر بار بار گہرے بادلوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ وہ روشنی بہت ناکافی تھی پھر بھی دور سے ہیولے دیکھے جاسکتے تھے۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے چاند گہرے بادلوں کی اوٹ میں چلا جائے تاکہ اسے سوبھراج کو مکمل بے خبری کے عالم میں ڈھیر کرنے کا موقع مل جائے۔

اس کی دعا بار آور ثابت نہ ہوسکی۔ آسمان پر تیرنے والے بادلوں کا رخ بدل گیا اور سوبھراج نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنی گاڑی کے باہر کھڑا ہر سمت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ایک فائر کیا۔ گولی سلطان شاہ کے قریب سے گزر گئی۔ وہ فوری طور پر وہیں رک گیا۔

سوبھراج کو اپنا نشانہ خطا ہونے پر مایوسی ہوئی۔ اس نے دوسری گولی نہیں چلائی۔ سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ سے اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

سوبھراج ایک دبی دبی چیخ کے ساتھ فضا میں اچھلا اور بہت تیزی سے اپنی گاڑی میں گھس گیا۔ سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مرسڈیز پر گولی چلادی۔ گولی اس کار کی باڈی میں گھس گئی یا پھر ہوا میں تیر گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ فضا میں مرسڈیز کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ہی سلطان شاہ نے اس کی طرف دوڑ لگائی لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے سوبھراج رفو چکر ہوگیا۔

سلطان شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ سوبھراج مرسڈیز میں بھاگ گیا تھا۔ وہ جوش میں آکر اپنی گاڑی سے کافی دور آچکا تھا۔ جتنی دیر میں وہ اپنی گاڑی تک پہنچتا سوبھراج غائب ہو چکا ہوتا۔

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا سڑک تک آیا اور سر جھکا کر اپنی گاڑی کی طرف ہولیا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ سوبھراج کو مار گرانے کے چکر میں اپنی گاڑی سے دور آکر اس نے غلطی کی تھی۔ سوبھراج اپنے بنیادی مورچے پر جما رہا تھا اور اس کی گولی سے زخمی ہونے کے باوجود اپنی گاڑی میں فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سلطان شاہ نے اس مہم میں دو نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ مرسڈیز کا نمبر نوٹ کرلیا تھا اور سوبھراج کو زخمی کردیا تھا۔ اس کے باوجود سوبھراج کے تجربے نے اس کے جوش وجذبے کو مات دے دی تھی۔

اس کے لیے بس ایک خیال تسلی بخش تھا۔ میں تو روبہ رو بیٹھنے کے باوجود سوبھراج کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا تو بھاگتے ہوئے مجرم کو پکڑنا یا اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانا اس سے کہیں زیادہ مشکل کام تھا۔ اپنی اس دلیل

Downloaded from https://paksociety.com

سے وہ ویرا سمیت کسی کو بھی قائل کر سکتا تھا۔

☆☆☆

میرے گھر پہنچنے کے چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا۔ میری طرح اس کا بھی چہرہ اترا ہوا تھا۔ ویرا نے نظر بھر کر اس کا جائزہ لیا اور خلاف معمول خاموش رہی۔ اس نے سلطان شاہ پر کوئی زہریلا فقرہ کسنا نہ اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

''شاید میری طرح وہ تمہیں بھی جُل دے کر نکل گیا!'' میں نے مسکراتے ہوئے گفتگو میں پہل کی۔

''وہ ہر بار اس طرح پھسل کر نکل جاتا ہے کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔'' اس نے ڈھیلی آواز میں جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسیبی صفات کا مالک ہے۔''

سلطان شاہ نے میرے ایما پر اپنی مختصر سی کہانی سنا ڈالی۔ اس میں ابتدا سے انتہا تک اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

اسی دوران میں اچانک جلال آ پہنچا۔ وہ بشرے سے خاصا مطمئن اور آسودہ نظر آ رہا تھا۔

''کہاں غائب تھے۔ تمہارا موبائل فون بھی بند پڑا ہوا تھا۔'' علیک سلیک کے بعد میں نے ازراہِ تمسخر اس سے پوچھ لیا ''کیا مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے آف کیا ہوا تھا؟''

''موبائل فون اب میری ضرورت بن کر رہ گیا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ وہ میری جیب سے نکل کر پانی میں گر گیا اور اب خاموش ہے۔ سروس ہوگی تو پھر چل پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''میں اسے ٹام کے قتل کا شاخسانہ سمجھ رہا تھا۔'' میں نے ہنس کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''وہاں خاصی مار دھاڑ کے آثار پائے گئے ہیں۔ تم لوگوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟'' ٹام کا نام آتے ہی اس نے ہم چاروں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''مقدر ساتھ دے رہا ہو تو آدمی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا ''ان کا کوئی وار کارگر نہیں ہو سکا ہم سب صحیح سلامت لوٹ آئے۔''

''سب کچھ واضح تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے اب تک قاصر ہوں کہ تم کو ایک کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی!'' اس نے قدرے حیرت سے کہا ''بہت بے رحمی سے اس کا سر اڑا دیا گیا تھا۔''

''وہ اس مقابلے کا پہلا مقتول تھا اور ٹام کے کسی محافظ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔''

''اسے کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔

''وہ کتا نہ مارا گیا ہوتا تو شاید ٹام بھی بچ جاتا۔'' میں نے یہ کہہ کر ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

''ناقابلِ یقین اور حیرت ناک کہانی ہے۔'' میرے خاموش ہو جانے پر وہ تعجب سے بولا ''تمہیں بروقت کیسے خیال آ گیا کہ اس کتے کی ملکیت کا دعویٰ سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔''

''ابتدا میں میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔'' میں نے ایمان داری سے بتایا ''میں ان اطراف میں پہنچنے کے کسی بہانے کی تلاش میں تھا۔ ان کے ہاتھوں کتے کی موت کی تصدیق ہوئی تو ایک ہی خیال سوجھا کہ میں اس کی ملکیت کا دعوے دار بن جاؤں۔ وہاں سے بات چل سکی جو آخر کار ٹام کی ہلاکت پر ختم ہوئی۔''

''کتے کی لاش پر دو کمانڈوز بے جان پڑے ہوئے تھے۔ میں ان تینوں کو تمہارے حساب میں گن رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ دونوں تمہارے جال میں پھنس گئے؟''

''ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ میں نے اپنے پالتو کتے کی لاش کو پہچان لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''پہلا کمانڈو لاش اٹھانے میں میری مدد کرنے کے لیے آیا تھا۔ جب وہ بے جان ہو کر گر گیا تو میں نے بوکھلا کر دوسرے کو بلایا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی کچھ دیکھ بھال کر سکے۔''

''ایسے برجستہ خیال ہر ایک کے ذہن میں نہیں اگتے۔'' جلال نے توصیفی لہجے میں کہا ''میں شروع سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ تمہیں بروقت بہت عمدہ بلکہ نادر نکتے یاد آتے ہیں۔''

''مجھے بہلانے کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ اب میں اس نے منزل سے گزر چکا ہوں جہاں انسان اپنی تعریف سننے کا خواہاں ہوتا ہے۔''

''بہت ہولناک اور بھرپور واقعہ تھا۔'' جلال میری بات کو نظر انداز کر کے بولا ''تین کمانڈوز سمیت ٹام کی موت پر ان میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بار انہوں نے زیادہ اودھم نہیں مچایا۔''

''اس کا اندازہ آج کے اخباری ضمیموں سے ہو گیا تھا'' ویرا نے کہا ''دو کمانڈوز زہر سے مارے گئے۔ فشر بھی

Downloaded from https://paksociety.com

ایک زہر کے زیر اثر بے ہوش کیا گیا تھا۔ ان شہادتوں کے باوجود انہوں نے کھل کر ڈینی پر الزام تراشی نہیں کی۔''

''اودھم سے میری یہی مراد تھی۔'' جلال نے اپنی بات کی وضاحت کی ''اخبار والوں کے سامنے انہوں نے باوقار انداز اپنایا ہے مگر سرکاری سطح پر سارا نزلہ ڈینی کی ذات پر گرا ہے۔ جو باتیں اخباروں تک نہیں پہنچیں وہ خفیہ سرکاری ریکارڈ پر آچکی ہیں۔ پوری شدومد کے ساتھ تم دونوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔''

''سرکاری موقف کیا ہے؟'' میں نے پرخیال لہجے میں سوال کیا۔

''ان کے سارے عملے کو ہدایت کی گئی ہے کہ کہیں بھی جانے سے قبل مقامی انتظامیہ کے سیکورٹی کلیرنس لیں اور پولیس گارڈز کے بغیر کہیں نہ جائیں۔'' جلال بتانے لگا ''وہ اس ہدایت پر کان نہیں دھرتے ان کو شبہ ہے کہ پولیس میں موجود کالی بھیڑیں ان کی نقل و حرکت کی اطلاع تخریب کاروں تک پہنچادیں گی۔ انہیں صرف تم سے نہیں عالمی دہشت گردوں سے بھی خطرہ ہے جن کے متعدد ایجنٹ کراچی میں زیرزمین زندگی گزار رہے ہیں۔''

''شاید تمہاری بات ادھوری رہ گئی ہے!'' میں نے اسے ٹوکا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے پوری بات واضح کردی۔ ٹام نے اپنی بیچ پارٹی کے بارے میں کوئی سیکورٹی کلیرنس لی تھی نہ انتظامیہ کو کوئی اطلاع دی تھی۔'' وہ بولا ''ہدایات اور ضابطوں کی اس سنگین خلاف ورزی کے پیش نظر مقامی انتظامیہ پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔''

''کیا یہ بات انہیں بتادی گئی ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''ان کا شکایت نامہ ملتے ہی تحریری جواب دے دیا گیا ہے۔ اسی خط میں پچھلے تمام واقعات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ اپنی دانست میں جس عمل کو احتیاط سمجھ رہے ہیں وہی ان کے لیے موت کا پھندا ثابت ہورہی ہے۔''

میری اور سوبھراج کی ملاقات کے بارے میں جلال سمیت سب ہی تجسس میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کردی۔

سوبھراج ایک بدنام مجرم تھا جس نے سیاست میں اپنا قد کاٹھ نکال کر اس سے ناجائز فائدے اٹھانے شروع کردیے تھے۔ اس کی یہ بے راہ روی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کارروائی شروع کردی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے واجب القتل تھا۔ سب کو حیرت تھی کہ وہ آیا، مجھ سے ملا اور صحیح سلامت واپس لوٹ گیا۔ جلال کی اطلاع کے لیے میں نے اپنی کہانی کے اختتام سے سلطان شاہ کی کارکردگی بھی جوڑدی تاکہ اس کے ذہن میں مکمل صورتحال کے بارے میں کوئی شائبہ نہ رہے۔

''مجھے اس کی باتوں پر بھروسا نہیں ہے وہ تمہیں فریب دے رہا ہے۔'' پوری تفصیل جاننے کے بعد جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''وہ گرین کو برا کے بارے میں سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔''

''تم اسے جھوٹا کیسے کہہ سکتے ہو۔ فائل غائب ہے۔ اس کے ذمے دار عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ تم خود بتاچکے ہو کہ سیکورٹی افسر نے خود وہ فائل سوبھراج کو دی تھی۔ ان تمام شواہد کے باوجود تم اسے کیسے جھوٹا قرار دے رہے ہو؟'' میں نے جرح کی۔

''سب کچھ درست ہے۔ فائل سرکاری ریکارڈ سے نکل کر اس کے قبضے میں چلی گئی تھی اور واپس نہیں آئی مگر اب وہ اس کے پاس بھی نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ وہ فائل راج محل کے ساتھ جل کر خاک ہوگئی ہوگی۔'' جلال نے پرزور لہجے میں کہا۔

''میری بھی یہی آرزو ہے۔ کاش ایسا ہی ہوا ہو۔ مگر ہمارے پاس ایسا ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ اسی بات کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہا ہے۔'' جلال بولا۔

''مجھے اس میں شبہ ہے۔ اگر وہ جھوٹ بول رہا ہوتا تو آج پوری دیدہ دلیری سے مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آسکتا تھا۔''

''تم نے اس کی دو باتوں پر یقین کرلیا ہے۔ وہ غیر مسلح تھا اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ تم نے ان میں سے کسی بات کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔''

''جب میں نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا تھا تو میں نے ہاتھ مار کر اس کی جیبیں دیکھ لی تھیں۔ وہ خالی تھیں۔ ہتھیار کے بوجھ سے جھولتی ہوئی جیبیں دور سے نظر آجاتی ہیں.....''

''پھر اس نے سلطان شاہ پر کیسے گولی چلادی؟ اس کے پاس وہ ہتھیار کہاں سے آگیا؟'' اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے کہ پستول اس کی گاڑی میں پڑا ہوا ہو۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''سلطان شاہ نے اس کی گاڑی میں جھانک لیا تھا۔ اس کے پائیدان میں سیٹ لائٹ فون کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔''

''اس وقت تم ویرا کی طرح بحث برائے بحث پر تل گئے ہو۔'' میں نے ایک لمبا سانس لے کر کہا ''کوئی اپنی گاڑی میں کھلے بندوں ہتھیار لے کر نہیں پھرتا۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ ایسی چیزوں کے لیے ڈیش بورڈ کا خانہ سب سے موزوں ہوتا ہے۔''

''اور اس کے اکیلا ہونے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''اس کے ثبوت کے لیے سلطان شاہ کی کہانی کافی ہے۔'' میں نے جواب دیا ''اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو سلطان شاہ کے لیے بچ کر لوٹنا محال ہو جاتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست ہے۔ تم اس کی بات پر یقین کرنے کے لیے ان دو نکتوں پر انحصار کر رہے ہو!'' جلال نے تصدیق چاہی۔

''یہ دو نکتے خاصے اہم ہیں۔ جھوٹ بولنے والے کو خود اپنی بات پر یقین نہیں ہوتا۔ اپنے جھوٹ کا سب سے بڑا گواہ وہ خود ہوتا ہے۔ آدمی اندر سے متذبذب ہو تو وہ یوں بے خوفی سے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔'' میں نے کہا۔

''سوبھراج سب کچھ کر سکتا ہے۔'' اس وقت ویرا جلال کا ساتھ دے رہی تھی ''تم یہ بات بھول رہے ہو کہ آج کل اس کی زندگی ہر وقت خطرے میں ہے اسے بچانے کے لیے وہ کوئی جوا کھیل سکتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا کارڈ مضبوط ہے۔ وہ بے خوف ہو کر تمہارے سامنے آ گیا۔''

جلال ابتدا سے اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ سوبھراج نے کافی دنوں کے بعد یکا یک گرین کو برا فائل کا ذکر چھیڑا تھا اس لیے یہ سو فیصد اس کا سوچا سمجھا جھوٹ تھا۔ اس میں دور دور تک حقیقت نہیں تھی۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہم اس کا جھوٹ ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہمیں مجبور ہو کر اس کی بات سننا پڑ رہی تھی۔

''آج اس نے تمہیں نفسیاتی مات دی ہے۔'' جلال نے اپنی بات آگے بڑھائی ''اس کی دھمکی کی پروا کیے بغیر تم اسے روک لیتے تو اس کا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔''

''اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ گرین کو برا ایک غیر اہم فائل ہے۔'' میں نے تیکھے انداز لہجے میں اس سے تائید چاہی۔

''قطعی نہیں..... اس وقت وہ ہمارے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں جنگی پلان سے لے کر ایسے آبی ذخیروں کا ذکر بھی موجود ہے جو عام دنوں میں پاکستان کے بیشتر علاقوں کو بنجر کر سکتے ہیں۔ بارانی موسم میں ان کے گیٹ کھول کر بالائی پنجاب کو تباہ کن سیلابی حالات سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔ اس فائل کو بھارت سے نکال لانا تمہارا بہت بڑا کارنامہ تھا۔'' فائل کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے جلال کچھ جذباتی ہو گیا۔

''بس میں نے یہی سوچ کر اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ننانوے فیصد امکان تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن ایک فیصد شبہ سچائی کا بھی تھا یوں سمجھ لو کہ میں نے اس ایک فیصد کی وجہ سے وہ کڑوا گھونٹ پی لیا۔ میں زبانی دعویٰ نہیں کر رہا یہ حقیقت ہے کہ اس سے دشمنی کے معاملے میں، میں تم سب سے آگے ہوں۔''

''اس بارے میں بحث بے سود ہے۔'' ویرا بولی ''ایک واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس پر تنقید کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ ڈینی وہاں خود موجود تھا۔ اس کی حاضر دماغی اور تیز مشاہدے کے ہم سب قائل ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں بہترین فیصلہ کیا ہوگا۔''

''میں تنقید نہیں کر رہا۔'' جلال نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی ''گزرے ہوئے تلخ تجربات کا ناقدانہ جائزہ لے کر انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ ٹام کی بات اور تھی وہ تمہارا اپنا معاملہ تھا جس سے مجھے یا میری ایجنسی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ سوبھراج کا قصہ مختلف ہے۔ ہم سب کو اس کی تلاش ہے ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ اسی دھمکی کے ساتھ دوبارہ ہمارے سامنے آیا تو ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔''

''جب تک ہمیں پورا یقین نہیں ہو جاتا کہ فائل آگ میں جل کر تباہ ہو گئی تھی ہمیں اس کو ڈھیل دینا ہوگی۔'' میں نے اسے اپنا بے لاگ فیصلہ سنا دیا۔

''وہ پہلے سے پروگرام طے کر کے آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔'' غزالہ نے زبان کھولی اور سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ ابتدا سے خاموش بیٹھی پوری توجہ سے ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی ''اس کے پاس یہ عذر تھا کہ وہ ایک مقررہ وقت تک واپس نہ لوٹا یا اس نے کسی کو کوئی مخصوص پیغام نہ دیا تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ گرین کو برا ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ آج سلطان شاہ نے دو

Downloaded from https://paksociety.com

بڑے کام کئے ہیں۔ سوبھراج کو زخمی کیا ہے اور اس کی مرسڈیز کا نمبر لے آیا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسے تلاش کر کے اچانک پکڑ لیں۔ اس وقت وہ ایسا کوئی بہانہ نہیں بنا سکے گا۔ وہ کچھ کہے گا تو اس کی بات بے وزن ہوگی۔ اس وقت وہ سچ اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں نے سنا ہے کہ صدف مینشن کے درودیوار مجرموں کا آدھا خون خشک کر دیتے ہیں۔''

''تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا'' سب سے بڑا مسئلہ اسے پکڑنے کا ہے۔ وہ پکڑ لیا جائے تو سارا چکر ختم ہو جائے گا۔ ہاں اس کی گاڑی کے نمبر والی بات بہت اہم ہے میں ابھی اس کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔''

سلطان شاہ نے اسے سوبھراج کی مرسڈیز کا نمبر بتایا جو جلال نے فون پر اسی وقت اپنے کسی شناسا کو لکھوا دیا۔ اس سے ہونے والی گفتگو میں جلال نے اسے تاکید کی کہ وہ جلد از جلد اس گاڑی کے کوائف حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے وہ دفاتر کھلنے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری جانب سے کرائی جانے والی کسی یقین دہانی پر اپنے تشکر کا اظہار کر کے جلال نے فون بند کر دیا۔

''کار کا سراغ مل جاتا ہے تو میں اسے ذرا بھی مہلت نہیں دوں گا۔'' جلال کہہ رہا تھا'' ابھی اس کی پنڈلی زخمی ہے۔ اسے فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہوگی۔ وہ جہاں ہے وہیں زیر کیا جا سکتا ہے۔''

''فرض کرو کہ تمہارے موبائل فون نے غسل نہ کیا ہوتا اور میں تمہیں آج کی ملاقات کے بارے میں مطلع کر دیتا تو تمہارا کیا ردِعمل ہوتا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اسے گھیرنے کے لیے اپنے گھٹنے ٹیک دیتا۔ ساری نفری وہیں لگا دیتا۔ آج وہ بچ کر نہیں نکل پاتا'' جلال نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''میرے لیے تمہارا کیا مشورہ ہوتا؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''جب پہلے سے کچھ معلوم ہو تو کوئی مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ وقت پر جو بات سوجھ جائے وہی سب سے بہتر ہوتی ہے۔'' اس نے جواب دیا'' تم بہت ذہین اور حاضر جواب ہو۔ ویسے بھی میں تم کو کیا مشورہ دے سکتا تھا۔''

''وہ مجھے پونے آٹھ بجے والا ہوّا دکھاتا اور میں مجبور ہو کر اسے جانے کی اجازت دے دیتا۔'' میں اسے گھیرنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ یہاں تمہاری کہی ہوئی بات آجاتی ہے۔ اگر اس کی سچائی کا ایک فیصد بھی امکان تھا تو وہ اپنی گاڑی میں واپس پہنچتے ہی فون پر اپنے آدمی کو مخصوص پیغام دیتا۔ گرین کو برا فائل کا سفر رک جاتا۔ وہ وہاں سے چلتا تو میرے آدمی اسے گھیر لیتے۔''

''ضروری نہیں کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا۔'' ویرا نے شوخ لہجے میں کہا'' دو حریف میدان میں ٹکراتے ہیں تو سوچی ہوئی چالیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اور تمہارے آدمی اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتے۔ راستے میں اسے دبوچ لیتے۔''

''یہ امکان بھی ہو سکتا تھا۔'' جلال نے اعتراف کیا۔

''اور وہ ایک فیصد خطرہ اسی طرح برقرار رہتا!'' میں نے کہا۔

جلال اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

جو ہو چکا ہوتا ہے اس کے بارے میں انسان ہزار پہلوؤں سے سوچتا ہے اور اسے اپنے پسندیدہ نتائج حاصل کرنے کے بہتیرے امکانات نظر آنے لگتے ہیں لیکن آنے والے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ اچانک سامنے آتا ہے اور انسان ایک اضطراری کیفیت میں پیش آمدہ حالات و واقعات سے نمٹتا چلا جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد جب وہی سب ماضی بن جاتا ہے تو انسان اضطرار کی حالت سے باہر آچکا ہوتا ہے۔ اسے اپنے رویے میں بہتری پیدا کرنے کے بہت سے گر یاد آنے لگتے ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ ماضی کو لوٹانا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے چند سوالات کے ذریعے جلال کو یہ امر سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''اب تمہارے لیے دہرا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد جلال نے زبان کھولی۔

''کن خطروں کی بات کر رہے ہو؟'' مجھ سے پہلے ویرا نے سوال کر ڈالا۔

''پاکستانی ایجنسیوں کو ڈینی کی تلاش ہے جسے کوئی نہیں پہچانتا۔''

''یہ نہ کہو۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی'' تم سمیت بہت سے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ تم جب چاہو مجھے اصلی زیور پہنا سکتے ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ!'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا'' میں ایسا

Downloaded from https://paksociety.com

سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تمہارے حریفوں کی بات کررہا تھا۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ اب سوبھراج نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اگر میرا یہ شبہ درست ہے کہ سوبھراج اپنے پرانے آقاؤں سے مل گیا ہے تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارا ایک حقیقی خاکہ جاری ہوسکتا ہے۔''

''یہ سر پر موم بتی جلا کر بگلا پکڑنے والی بات ہوگی۔'' میں نے اس امکان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ''میں اس پہلو پر غور کرچکا ہوں۔ انہیں میرے خاکوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ سوبھراج چاہتا تو ملاقات کے موقع پر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔''

''اس کوشش کے نتیجے میں وہ خود بھی مارا یا پکڑا جاتا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ زندہ رہنے کے لیے وہ ایسی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔''

''میں غیر ضروری بحث میں نہیں پڑتا۔ اگلے دو چار دن میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''خاکہ جاری ہوگیا تو میرا اندازہ غلط ثابت ہوجائے گا۔''

اس روز میں نے جلال کے رویے میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ میرا ہم خیال ہوتا تھا اور بڑھ چڑھ کر میرے ہر قول و فعل کی تائید کرتا رہتا تھا لیکن اس دن وہ ہر بات میں اٹک رہا تھا۔ سوبھراج کے پاس گرین فائل کے ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں اس سے پہلی بار جو اختلاف ہوا تھا وہ شاید اس کے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

وہ پڑھا لکھا' تجربے کار اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے کھل کر کسی بڑے اختلاف کا مظاہرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے طور طریقوں کی تبدیلی میری نظروں میں کھٹک رہی تھی۔ ان دنوں مجھے اس کی مدد اور معاونت کی ضرورت تھی۔ میں نے غیر محسوس تلخی کو دبا ہیں تک محدود رکھنے کی نیت سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی بھی موضوع پر اس سے بحث نہیں کروں گا۔ اس نے کہیں بھی کوئی اختلافی نکتہ اٹھایا تو میں خاموشی اختیار کرکے بات کو ٹال دوں گا۔

''تم آگئے لیکن اول خان کل رات سے غائب ہے۔'' ویراسگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد دھواں اگلتے ہوئے جلال سے کہہ رہی تھی۔

''وہ بھی کہیں پھنسا ہوا ہوگا۔ ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعے کے بعد کراچی میں غیر اعلانیہ ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے۔ کیا اس آپریشن میں ایس ٹی ایف بھی تمہارے ساتھ شامل تھی؟'' جلال نے وضاحت کرنے کے ساتھ سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف نہیں' صرف دو آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ اول خان اور ایک ڈرائیور تم جانتے ہو کہ وہ لوگ ہر فن مولا ہوتے ہیں ضرورت پڑتی تو وہ ڈرائیور بھی اپنے سپاہیانہ جوہر ضرور دکھاتا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔''

''انہوں نے شکایت کی ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے۔'' جلال بولا ''اس بار اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔''

''ٹام اور فشر ان کے ساتھ زیادتیاں کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ انہیں ہمارا ممنون ہونا چاہیے کہ انہیں ایسی کارروائیوں سے بچالیا گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے ان کا نشہ ہرن کرنے کے لیے انہیں بے ہوش کرکے ساحل پر ڈال دیا تھا۔'' ویرا نے اپنی کارکردگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا ''وہاں سے انہیں کچھ لڑکے اٹھا کرلے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کے ساتھ کوئی ناروا حرکت کی ہو تو ہم اس کے ذمے دار نہیں ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے بات کا بتنگڑ بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔''

صاف پتا چل رہا تھا کہ جلال نے میری خفگی کا اندازہ لگالیا تھا اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے بار بار موضوع بدلنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس سے اختلاف رائے اپنی جگہ پر تھا مگر میرے دل میں اس محنتی اور فرض شناس افسر کی بڑی قدر تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس وقت وہ ہمارے گھر آیا ہوا مہمان تھا۔ میں نے کسی اختلافی مسئلے میں الجھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا ''ابھی اول خان کی بات ہورہی تھی اس نے پورے مشن میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا لیکن اتفاق سے کلیدی کردار مجھے ادا کرنا پڑا۔ ٹام کی گردن میرے ہاتھوں ٹوٹی تھی۔ فشر کو بھی میں نے بے ہوش کیا تھا۔ کتے کی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز میرا شکار ہوئے تھے۔ تیسرے کو ویرا نے اپنی گولی کا نشانہ بنالیا تھا۔''

''یہ باتیں میں جاننا چاہ رہا تھا۔'' جلال نے گہری دلچسپی کے ساتھ کہا ''وہاں پہلی گولی چلنے کے ساتھ ہی میرے آدمیوں نے اپریشن پر مار دھاڑ شروع ہونے کی خبر دے دی تھی لیکن انہیں دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لیے وہ پوری تفصیل نہیں جان سکے۔ بقیہ اعداد و شمار پولیس کے ذریعے

Downloaded from https://paksociety.com

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پا کر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹا دیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تر و تازہ محسوس کرو گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''

حالات کا ذکر کر کے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کر لو۔'' جلال نے مجھے خاموش پا کر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہو جاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کر سکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جا کر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترقی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کر کے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا' ویرا کا لب و لہجہ یکا یک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھما دیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کر لی ''بات غزالہ کے جانے کی ہو رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ بھی نہیں!'' ویرا نے معصومیت سے کہا'' وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے' بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی'' بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔''

''مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟'' جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب و ہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔''

''تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا'' پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔''

''اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا'' تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔''

''سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔'' ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی'' ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے'' کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈز گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر کر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپینشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھمبا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جو لگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالانشیں، پائیدار، فائدے بے شمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب ''اے دوست'' سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

Downloaded from http://pksociety.com

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پا کر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹا دیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تر و تازہ محسوس کرو گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''

حالات کا ذکر کر کے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کر لو۔'' جلال نے مجھے خاموش پا کر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہو جاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کر سکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جا کر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترکی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کر کے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا' ویرا کا لب و لہجہ یکا یک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھما دیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کر لی ''بات غزالہ کے جانے کی ہو رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ بھی نہیں!'' ویرا نے معصومیت سے کہا'' وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے' بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی'' بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔''

''مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟'' جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب وہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔''

''تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' ویرا نے خفّت آمیز لہجے میں کہا'' پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔''

''اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا'' تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔''

''سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔'' ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی'' ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے'' کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈ از گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکّے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر کر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپینشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھسا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جو لگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالانشیں، پائیدار، فائدے بے شمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب ''اے دوست'' سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

Downloaded from https://paksociety.com

''یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ اس نے اتنی عجلت میں یہاں سے بھاگنے کا ارادہ کرلیا ہوتا تو وہ مجھ سے ملنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ فی الحال میرے ذہن میں صرف چھوٹا راجن ہے۔ آس پاس کے ملکوں میں پھیلے ہوئے بھارتی بدمعاش ہمیشہ سے میری دلچسپی کا مرکز رہے ہیں۔ اب سوبھراج کے حوالے سے چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا ہے تو میں دیکھنا چاہوں گا کہ یہ لوگ دوسرے ملکوں میں رہ کر اپنا نیٹ ورک کیسے چلاتے ہیں۔''

''یہ اچھا ہے کہ اس وقت جلال بھی یہاں موجود ہے۔'' ویرا کچھ سوچتے ہوئے بولی ''میری التجا ہے کہ اس سفر میں مجھے بھی شامل کرلو۔ ایک اجنبی سرزمین پر تم شدت سے افرادی قوت کی کمی محسوس کرو گے۔ میں وہاں تمہارا ہاتھ بٹا سکوں گی۔ یہاں رکی رہی تو سلطان شاہ دو چار دنوں میں مجھے پاگل کردے گا۔''

''تمہارے اعصاب اتنے کمزور نہیں ہیں۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے ویرا کی تعریف کی ''میں تمہاری بہت سی صلاحیتوں کا معترف ہوں۔ میری پیشہ ورانہ زندگی میں تم جیسی دلیر اور صاف گو لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔''

''صاف گو سے زیادہ منہ پھٹ بہتر ہے گا۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''صاف گوئی میں اکثر یہ محسوس ہونے لگتا ہے۔'' جلال نے میری تائید کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اپنی ان صفات کے باوجود تمہارا بنکاک جانا مناسب نہیں رہے گا۔''

''مجھے روکنے کے لیے تم نے خاصی لمبی تمہید باندھی ہے۔'' ویرا نے منہ بنا کر کہا ''کیا میں جان سکتی ہوں کہ میری تفریح کو تم کیوں نامناسب قرار دے رہے ہو!''

''وہ تمہید نہیں تھی۔ میں نے پورے خلوص سے اپنے دل کی بات کہی تھی۔'' جلال بولا ''تم ایک جانی پہچانی شخصیت کی مالک ہو۔ تمہارے دشمن تمہیں دنیا کے ہر خطے میں بہت آسانی سے شناخت کرسکتے ہیں۔ ڈینی کا معاملہ مختلف ہے یہ اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہے اب تک صرف سوبھراج نے اسے دیکھا ہے۔ تم ساتھ گئیں تو ڈینی کے پہچانے جانے کے امکانات بہت بڑھ جائیں گے۔ تم دونوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہوجائے گا۔''

''بھارت کے سفر میں بھی یہ مسئلہ درپیش تھا۔'' ویرا کے پاس جلال کی دلیل کا جواب تیار تھا ''ہم نے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر اس کا توڑ کرلیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ بنکاک میں بھی یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔''

''میں نے اپنی رائے دے دی۔'' جلال نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے دوٹوک جواب دیا ''اگر تم لوگ اس سے مختلف فیصلہ کرتے ہو تو مجھے تمہارے سفری کاغذات بنوانے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ڈینی اور غزالہ کے ساتھ تمہارا پاسپورٹ بھی آجائے گا۔''

''اسی وجہ سے میں تمہاری موجودگی میں فیصلہ کرنا چاہ رہی ہوں۔'' ویرا نے اصرار کیا ''تینوں کا کام ایک ساتھ ہوجانا چاہیے۔''

''اتنی بے تابی کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ویرا کو سمجھایا ''پاکستانی پاسپورٹ پانچ سال کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔ ادل خان نے بھارت کے سفر کے لیے جو پاسپورٹ بنوائے تھے وہ ابھی کارآمد ہوں گے۔ سفر کے لیے صرف ویزا درکار ہوگا۔''

''گڈ..... کام بہت آسان ہوجائے گا۔ ویزا ایک دن میں مل جائے گا۔'' جلال کے لیے وہ اطلاع سودمند ثابت ہوئی۔ ''سفر کے لیے کچھ طے کرلو تو مجھے بتا دینا۔''

''جانے سے پہلے میں چھوٹا راجن کا فون نمبر لینا چاہوں گا۔'' میں نے اس بات کو وہیں ختم کرنے کے لیے جلال سے فرمائش کی۔

میرا وہ مطالبہ سن کر جلال چونک کر بولا ''کیا تم ابھی سے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا ذہن بن گیا تو میں اسے فون کرنے سے پہلے تم سے مشورہ ضرور کروں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''میں تھوڑی دیر میں تمہیں اس کا فون نمبر دے دوں گا۔'' اس نے وعدہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی ''بنکاک سے موصول ہونے والی فیکس رپورٹوں میں اس کے بارے میں خاصی معلومات مل جائیں گی۔ وہ ریکارڈ تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔''

جلال روانگی کے ارادے سے ڈرائنگ روم سے نکاس کے راستے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک بٹیرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded From Paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میں میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم سٹی کے شکنجے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی دبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کی کاشت کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر خفیہ کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے پیچھا پڑ گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیلے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے آپریشنل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون گوانگ نوما کی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے انٹرورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادی کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسکو گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برائے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل کے ذریعے سوہبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوہبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ سک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوہبھراج کے سیکریٹری سہیل کی خبر وہ بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھلی ہوئی عورت تھی تو راہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوہبھراج کو سہیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوہبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوہبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوہبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوہبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو گئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سہیل کی خوب رو بیوی سے فون کر کے بتایا کہ سہیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوہبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوہبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فورس کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوہبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوہبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم پر ٹیالی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار لی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی لی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوہبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوہبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذہنی طور پر کمزور بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شبہ ہو گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دو سرے ایجنٹ کا بھی پتا چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوہبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران نام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کرایا تھا۔ وہ ایجنٹ الفانا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے سربراہ قاسم فشر سے بھی ملا۔ ایف جہانگیر کو نہیں بچا سکی۔ وہاں جہانگیر کو ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد شریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے زور طور پر جہانگیر کو برآمد کر لیا۔ اب بازی سوہبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرگین کو برآمد کی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے انڈیا پھڑکنے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوہبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوہبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کو برآمد الپا کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پریشان کن ہو رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر بجلی کا پنڈ بن کر منڈلا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں پہنچا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کیے بعد

Downloaded from https://paksociety.com

دیگر مے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر تمام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور تمام کی ہلاکت نے مجاہدین کا جوش وخروش ٹھنڈا کردیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

اب آپ قسط نمبر 242 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''جلال کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ تمہارے موبائل فون کی گھنٹی بج رہی ہے!'' ویرا نے چڑ کر مجھے یوں مطلع کیا جیسے مجھے اس حقیقت کا علم نہ ہو۔

''مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کال میرے لیے آئی ہے تو جلال کو رکنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے ویرا کو جواب دیا ''میں بہرا نہیں ہوں۔ میں نے اپنے فون کی گھنٹی سن لی ہے۔''

اس اثناء میں فون کی دوسری گھنٹی بج اٹھی تھی۔ میں نے جلدی سے بٹن دبا کر موبائل فون اپنے کان سے لگالیا۔

''لعنت ہو تم پر۔ تم بہت جھوٹے اور مکار ہو!'' سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے سوبھراج کی بپھری ہوئی آواز ابھری۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کی تھی کہ اس کی کال میں نے ہی وصول کی تھی یا میرا فون کسی اور کے استعمال میں تھا۔

''تم کو یہ اطلاعات کس اُلّو کے چرخے سے ملی ہیں؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں سوال کیا۔

''میری بات اڑانے کی کوشش مت کرو۔'' سوبھراج کا وہی لہجہ برقرار رہا ''میں تم سے دوستی کا پیغام لے کر خالی ہاتھ اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ میں نے اپنے سارے کارڈز تمہارے سامنے رکھ دیے تھے لیکن تمہاری نیت میں ابتدا سے فتور تھا۔ پارک ٹاورز کے باہر تمہارے مسلح غنڈے موجود تھے جو میری واپسی کا انتظار کررہے تھے۔''

سچ بولنا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ اس سے ذہن پر کوئی بوجھ پڑتا ہے نہ آگے چل کر یادداشت کے کسی کڑے سے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو بات جس طرح رونما ہوتی ہے اسی طرح یاد رہتی ہے جھوٹ بولا جائے تو کچھ دنوں کے بعد یہ یاد نہیں رہتا کہ کس موقع پر کس سے کیا کہا گیا تھا۔ سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہوجاتا ہے مگر سوبھراج ٹیڑھا آدمی تھا۔ وہ جس طرح دھمکی دے کر میرے سامنے سے واپس لوٹا تھا اس کی روشنی میں اس کو چکر دینا بہت ضروری ہوگیا تھا۔ میں نے کسی توقف کے بغیر کہا ''تم کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تمہاری طرح میں بھی وہاں اکیلا پہنچا تھا۔''

بات اس کے لیے ناقابل یقین تھی مگر میرا لب ولہجہ اتنا بُراعتماد تھا کہ وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''وہ تمہارا آدمی نہیں تھا تو پھر کون تھا؟'' فون پر اس کی پرتشویش آواز ابھری۔

''تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ کچھ پتا چلے تو میں اپنی رائے دے سکوں گا۔ میں صاف ستھری لڑائی لڑنے والا آدمی ہوں۔ تم نے گرین کو برا والا چکر نہ چلایا ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم فوڈ کورٹ سے اپنی مرضی سے کیسے جاتے ہو!''

میری وہ دور رخی حکمت عملی کامیاب رہی۔ میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اسے دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس سے میرا رابطہ ختم نہ ہوتا کہ مجھے اس کے ارادوں کی کچھ نہ کچھ سن گن ملتی رہے۔ وہ اپنے سیٹ لائٹ فون پر میری آواز سنتے تو نفرت اور غصے سے فون بند نہ کرے۔ اس سے وہ صوتی رابطہ ٹوٹ جاتا تو کراچی میں انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں مڑی ہوئی ناک والے اس مردود کا سراغ لگانا مشکل ہوجاتا۔

فوڈ کورٹ میں سامنا ہونے کے بعد بات جہاں ختم ہوئی تھی۔ وہاں اس سے دوبارہ بات ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے اشتعال اور غصے کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے لیے فون کرکے مجھے اپنی ساکھ دوبارہ بحال کرنے کا سنہرا موقع فراہم کیا تھا جسے میں کسی قیمت پر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا.....!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

''کہو تو لکھ کر دوں کہ تمہارے رام کی قسم کھاؤں۔ تمہیں کیسے یقین آئے گا میری بات کا؟'' اس بار میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ راہِ راست پر لانے کے لیے اسے اس قسم کے جھٹکے دینے ضروری تھے۔ میرا مفاہمانہ انداز اس وقت نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''تمہارے پاس سے واپسی پر کسی نے سفید رنگ کی ایک کرولا میں میرا پیچھا کیا تھا۔'' آخرکار اس نے تشویش زدہ آواز میں ذکر کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میرا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ پلان میرا تھا مگر سلطان شاہ نے اس پر بہت خوش اسلوبی سے عمل کیا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ تھا کہ سوبھراج مجھے اپنی پریشانی کی کتھا سنا رہا تھا۔

''باہر میرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ تم میرے پاس سے بھڑک کر بھاگے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں وہم ہوا ہوگا۔'' میں اسے مزید کھلنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا۔

''میں بہت محتاط ہوگیا ہوں۔ باہر نکلتا ہوں تو سب سے پہلے چند بے مقصد چکر لگا کر یہ دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی میرے پیچھے تو نہیں لگا ہوا ہے۔'' وہ پُر خیال آواز میں کہہ رہا تھا ''پارک ٹاورز سے نکلنے کے بعد میں اسی خیال سے میرین ڈرائیو پر کافی دور تک نکلتا چلا گیا۔ وہاں وہ خود کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔''

''یہ اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔'' میں اسے چڑانے پر تل گیا۔ ''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو گاڑیاں میلوں دور تک ایک دوسری کے پیچھے دوڑتی چلی جاتی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے غرض نہیں ہوتی۔ آگے والے کے ہاتھ پیر پھولنے لگتے ہیں کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔''

''تم وہی مرغے کی ایک ٹانگ لیے بیٹھے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ پیچھا کیا گیا تھا۔'' میری مسلسل تکرار پر اسے طرارہ آ گیا ''ہمارے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس کی ایک گولی میری پنڈلی کا گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ اب تم کہو گے کہ وہ زخم بھی میرا وہم ہے۔''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔'' اس بار میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

''کیوں.....؟ تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے..... یہ نہ کہنا کہ میرے زخمی ہونے کی خبر نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔ مجھ سے یہ ڈھکوسلا نہیں چلے گا۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں وحشیانہ چمک دیکھی تھی۔ تمہارا بس چلتا تو تم فوڈ کورٹ میں مجھے مار ڈالتے۔''

''اچھا ہوا کہ اس نے تمہاری پنڈلی توڑ دی.....''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا ''صرف زخم آیا ہے۔ ہڈی سلامت ہے۔ میں خود اپنی کار چلا کر واپس آیا ہوں۔''

''مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے یا صرف زخم آیا ہے مجھے اپنی سلامتی کی فکر ہوگئی ہے۔ تمہارا تعاقب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کسی حماقت کی وجہ سے کسی تیسرے فریق کو ہماری ملاقات کا علم ہوگیا تھا۔ اس کے کسی آدمی نے تمہارا پیچھا کیا تھا تو لامحالہ میں بھی اس کی نظروں میں آ گیا ہوں گا۔ اب مجھے از سر نو سارے معاملات کو دیکھنا پڑے گا۔ میں اسی وقت موجودہ ٹھکانا چھوڑ رہا ہوں۔'' میرے ذہن میں اچھوتے خیالات کی یلغار شروع ہوگئی تھی۔

دوسروں کو ستانے والا خود بھی سکھی نہیں رہتا۔'' اس کی آواز سے گہری سنجیدگی جھلک رہی تھی ''اسے آپس کی پھوٹ' جگت کی لوٹ کہتے ہیں۔ میرے ساتھ تم بھی پریشان ہوگئے۔ تیسرا آدمی ہم دونوں کو رگید دے گا۔''

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔

''گالیاں سنانے کے لیے!'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''میں تم کو اپنے مسائل کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔''

''میرا وقت برباد مت کرو۔ میں فرصت میں کسی وقت بات کروں گا۔ اس وقت مجھے یہاں سے بستر بوریا سمیٹ کر کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

اسے متاثر کرنے کے لیے میں نے فون بند کر دیا۔

''یار! تم مجھے صرف ایک بات بتا دو!'' میری گفتگو ختم ہوتے ہی جلال نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا ''تمہارے بھیجے میں یکا یک ایسی پر پیچ باتیں کہاں سے اترنا شروع ہو جاتی ہیں؟'' وہ میرے یک طرفہ مکالموں سے بڑی حد تک صورت حال کا اندازہ کر چکا تھا۔

''اللہ کی دین ہے!'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''جب بھی کوئی آڑا وقت آتا ہے' کسی کوشش کے بغیر دماغ تیزی سے اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔''

''ڈینی نے اُلّو کا گوشت کھایا ہوا ہے۔'' ویرا نے تیزی سے کہا ''مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنی روانی سے خرافات کا در یا کیسے بہا دیتا ہے۔''

''روایت ہے کہ اُلّو کا گوشت کھا کر آدمی زن مرید ہو جاتا ہے.....'' غزالہ نے میرے دفاع میں کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

''یہ یہاں کی روایت ہوگی۔ میں مغرب کی بات کر رہی تھی۔ وہاں اُلّو کو عقل و دانش کی علامت سمجھا جاتا ہے۔''

''تم اسے مسلسل بولتے رہنے پر اکسا رہے تھے پھر تم نے فون کیوں بند کر دیا؟'' جلال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''میں نے اگلے رابطے کی داغ بیل ڈالی ہے۔'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے بائیں آنکھ دبا کر کہا'' مجھے قلق تھا کہ گدھے کے ساتھ رسی بھی ہاتھ سے گئی۔ فوڈ کورٹ سے وہ بچ کر صاف نکل گیا تھا۔ وہاں تلخی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے فون پر دوبارہ بات ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔'' میں نے لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی'' کال اس کی تھی۔ میں نے عجلت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا ہوگا کہ اس کے زخمی ہونے کی خبر سن کر میں اپنی سلامتی کے بارے میں واقعی فکر مند ہو گیا ہوں۔''

''اس کی تسلی کے لیے تمہیں کوئی تیسرا فریق پیدا کرنا پڑے گا۔'' جلال نے مسکرا کر کہا'' ٹام کی موت کے بعد یہ آسان کام نہیں ہوگا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس نے اپنی گفتگو میں ٹام کے قتل کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔'' ویرا اچانک بولی۔

''تم ذہنی طور پر اس وقت کہیں اور ہو۔'' سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا'' پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں وہ ٹام کے بارے میں کھل کر باتیں کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے ذکر کی کیا تک ہوتی؟''

''میں تم سے نہیں' سمجھ دار لوگوں سے بات کر رہی تھی۔'' ویرا نے متانت سے جواب دیا'' جلال اور ڈینی میرے اس استعارے کو سمجھ چکے ہیں۔''

''اسے تیسرا فریق قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' جلال بولا'' ٹام کی موت کے ساتھ ان لوگوں کا فتنہ کافی دنوں کے لیے دب گیا ہے۔ یہ بات سوبھراج بھی جانتا ہوگا کہ ٹام کے قتل کے بعد وہ اتنی تیزی سے میدان میں نہیں اتر سکتے۔''

''ہمیں اس نکتے پر اپنا سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے کہا'' تیسرے فریق کا شوشا میں نے چھوڑا تھا۔ یہ سوبھراج کا دردِ سر ہے کہ وہ اسے تلاش کرے۔ یہ اچھا ہے کہ اس کی توجہ کسی اور طرف بھی بٹی رہے گی۔''

پارک ٹاورز میں سوبھراج سے میری کڑوی کسیلی گفتگو اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ اس کے ہلکے پھلکے بارودی تصادم کے بعد میری دانست میں اس سے دوبارہ رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان کھلی محاذ آرائی کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے جھلاہٹ کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے ارادے سے فون کر کے وہ رکاوٹ دور کر دی تھی۔

وقتی طور پر میں نے کسی تیسرے فریق کا ذکر کر کے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ کچھ غور کرنے کے بعد میں کوئی مناسب پلان بنا کر اسے گھیرنے کی از سرِ نو کوشش کر سکتا تھا۔

اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ خیال بھی کھٹک رہا تھا کہ قاسم کے بیان کے مطابق سوبھراج ایران سے پاکستان واپس آیا تھا۔ میرے ساتھ مراسم میں خرابی پیدا ہونے سے پہلے بھی سوبھراج مجھ پر پوری طرح اعتماد نہیں کر رہا تھا لیکن لاسلکی رابطے پر ہونے والی باتوں میں وہ کئی بار یہ عندیہ دے چکا تھا کہ پاکستان میں اس کے لیے حالات کار خ سازگار نہ رہا تو وہ خاموشی سے باہر چلا جائے گا۔

شاید اسے ایف بی آئی کے قاتلوں سے کچھ زیادہ ہی خوف آنے لگا تھا کہ وہ قاسم کے ذریعے شیدے وغیرہ کو جہانگیر کو اغوا کرنے کی ذمے داری سونپ کر کسی سے کچھ کہے سنے بغیر' کسی غیر روایتی راستے سے ایران کی طرف فرار ہو گیا۔

قاسم سے جہانگیر کے کامیاب اغوا کی خبر سننے کے بعد وہ عجلت میں ایران سے دوبارہ سرحد عبور کر کے کراچی پہنچا لیکن وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ہم اس سے پہلے قاسم کے گھر پہنچ کر جہانگیر کو آزادی دلا چکے تھے۔

جہانگیر کے ذریعے میری ذات تک پہنچنے کا خواب چکنا چور ہونے کے بعد مجھے سوبھراج کا زیادہ دیر تک پاکستان میں رکنا محال نظر آ رہا تھا۔ اپنے قول کے مطابق اس نے اپنے کسی بینک کے لاکر سے گرین کو برا فائل بھی حاصل کر لی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کراچی میں رک کر کسی تیسرے فریق کے کھوج میں اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ چپ چپاتے ایک مرتبہ پھر پاکستان سے نکل جائے گا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کی ایسی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو اور میں اسے پاکستان کی حدود میں ہی کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

انسان اپنے کسی مضبوط حریف کے خلاف صف آرا ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کی سب خواہشات پوری ہوتی چلی جائیں۔ اگر سوبھراج مجھے جُل دے کر پاکستان سے بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ ایران میں زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا تھا۔

پہلی بار خطرے کا ادراک کرتے ہی اس نے بنکاک کا رخ کیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہاں اس کے مضبوط روابط رہے ہوں گے۔ اس دوران میں چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس بار سوبھراج نے پاکستان چھوڑا تو ابتدائی مرحلے میں ایران کا رخ کرنے کے باوجود وہ بنکاک پہنچنے سے پہلے دم نہیں لے گا۔

اس اندیشے کی بنا پر میں نے جلال سے چھوٹا راجن کے فون نمبر کی فرمائش کی تھی۔ ویسے بھی وہ ٹام کے قتل کے بعد پیدا

Downloaded from https://paksociety.com

ہو جانے والے حالات کی روشنی میں مجھے پاکستان سے عارضی طور پر کہیں نکل جانے کا مشورہ دے چکا تھا۔ وہ ایک اہم اور ذمے دار سرکاری افسر تھا۔ اس سے زیادہ کھل کر وہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا تھا۔

جلال کے پُرخلوص مشورے میں یہ حقیقت بھی پنہاں تھی کہ وقت کا دھارا میرے حق میں نہیں رہا تھا۔ میں کسی ناگہانی مصیبت کی زد میں آجاتا تو جلال میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

گفتگو کا دور چلتا رہا لیکن میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔

میرے موبائل پر سوبھراج کا فون آنے سے پہلے جلال وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھ گیا تھا۔ فون کی گھنٹی سن کر وہ رک گیا۔ میری اور سوبھراج کی گفتگو کے دوران وہ واپسی کا ارادہ ملتوی کر کے ایک صوفے پر ٹک گیا۔ اپنی سوچ کے دھارے میں بہتے ہوئے یہ خیال رہ رہ کر میرے ذہن میں ابھر رہا تھا کہ جلال نے دوبارہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ جم کر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اسے کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کا انتظار ہو۔

''تم نے اپنی بات بہت خوب صورتی سے نبھائی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا ''تم بے ساختہ اس کی ہر بات کا جواب دے رہے تھے۔ تمہاری کہانی میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس پر پوری طرح اعتبار کر لینے کے بعد وہ فکرمند ہو گیا ہوگا کہ ایف بی آئی والوں کے علاوہ اور کون اس کا پیچھا کرسکتا ہے۔''

''اصولی طور پر اسے زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''ہوسکتا ہے کہ تمہارے نظریے کے مطابق اس نے نام کے پس ماندگان کو خارج از امکان تصور کر لیا ہو مگر وہ جانتا ہے کہ اب وہ پاکستان میں اپنے ہر مرتبے اور اعزاز سے محروم ہو چکا ہے' اسے اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔ پولیس کے علاوہ ساری ایجنسیاں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہوسکتا ہے۔''

جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے بہت تحمل اور خاموشی سے ویرا کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ وہ چپ ہو گئی تو جلال بولا ''ایجنسی کوئی بھی ہو' سرکاری ہرکاروں کا اپنا ہی انداز ہوتا ہے۔ بڑے مجرموں سے کوئی اکیلا انہیں ٹکراتا۔ وہ اپنے شکار کا خاموشی سے پیچھا کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے ایسے موقع پر گھیرتے ہیں جہاں سے اس کا زندہ بچ نکلنا ممکن ہوتا ہے۔ سوبھراج بہت گھاگ مجرم ہے۔ وہ اس نکتے کو سمجھتا ہے۔ وہ سلطان شاہ سے ہونے والے ٹکراؤ کے بارے میں کسی مغالطے کا شکار ہوا تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''ہمیں اس کے ذہن میں جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اچانک غزالہ بول اٹھی ''کیا ہمارے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس وقت اس نے ڈینی کی اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ اس سے ٹکرانے والا ان کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔''

''میرے لیے سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔'' جلال نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا ''مجھے ڈینی کا یہ انداز اچھا لگا کہ وہ اپنے دشمن کی ٹھکائی کرنے کے بعد اسے پچکارنے کا فن جانتا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری چلائی ہوئی گولی اس کی پنڈلی کی ہڈی توڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔'' سلطان شاہ متاسفانہ لہجے میں بولا ''موجودہ زخم کے باوجود وہ پوری آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کرسکتا ہے۔ ہڈی ٹوٹ جاتی تو وہ کچھ دنوں کے لیے معذور ہو جاتا اور ہمیں اس تک پہنچنے کا موقع مل جاتا۔''

''تمہارے ہر کام میں کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے۔'' ویرا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''ذرا دیکھ بھال کر فائر کرتے اور اسے وہیں لنگڑا کر دیتے تو اس کی کہانی ختم ہو جاتی۔ وہ اپنی گاڑی میں نہ بھاگ پاتا' تم آسانی سے اس کی گردن ناپ لیتے۔''

''کیوں اس بے چارے کی ٹانگ کھینچ رہی ہو۔'' جلال نے سلطان شاہ کی طرف داری کی ''دو بدو ہونے والے مقابلوں میں گھات یا نشانہ لگانے کی نوبت نہیں آتی۔ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ سلطان شاہ کے بس میں ہوتا تو یہ سوبھراج کو وہاں سے زندہ نہ نکلنے دیتا۔''

''قسمت کسی کا ساتھ دے رہی ہو تو اسے مار گرانا ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔'' میں نے وہ بحث وہیں ختم کرنے کی کوشش کی اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا ''اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کھانا ہمارے ساتھ کھالو!''

''میں سوبھراج کے فون کی وجہ سے جاتے جاتے رک گیا تھا۔ تمہیں فرار کے لیے خاصا وقت مل گیا ہے۔ تم اسے دوبارہ فون کر لو تو میں سکون سے واپس لوٹ سکوں گا۔'' وہ بولا ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ کن خطوط پر سوچ رہا ہے۔''

لمحہ بھر کے لیے میں الجھ گیا۔ اس کی بات فوری طور پر میرے پلے نہیں پڑ سکی تھی لیکن پھر اس کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ میں نے سوبھراج سے گفتگو کے اختتام پر یہ فرضی عذر پیش کیا تھا کہ اس کے زخمی ہو جانے کے بعد مجھے بھی تیسرے فریق کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس کے سدِباب کے لیے ضروری تھا کہ میں کسی تاخیر کے بغیر اپنا ٹھکانا تبدیل کرلوں۔ جلال نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے سوبھراج سے بات ختم کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ایک مقام سے نکل کر کسی دوسری جگہ تک پہنچنے کے لیے وہ وقت زیادہ نہیں تو مناسب ضرور تھا۔

''میں نے اس سے کل بات کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تم کہتے ہو تو ابھی بات کیے لیتا ہوں۔'' اس کی بات سمجھتے ہی میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اب تمہیں اس کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ پتا نہیں وہ کب کیا کر بیٹھے!'' جلال نے زور دے کر جواب دیا۔

''اس کے علاوہ تمہیں بھی اپنا فیصلہ کرنا ہے۔'' ویرا نے اس کی تائید کی ''ٹام کی موت کے بعد وقت کا پہیہ تمہارے خلاف گردش میں آ چکا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کب گمبھیر رخ اختیار کر لیں۔ تمہیں اس کا قصہ ابھی نمٹا لینا چاہیے۔''

میں نے مزید کچھ کہے بغیر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔

''اب سناؤ' تم کیا کہہ رہے تھے!'' میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

''اوہ.....! تم نے بہت تیزی سے اپنا ٹھکانا تبدیل کیا ہے۔'' اس کی آواز سے ہلکی سی حیرت مترشح تھی ''میں آج کی تاریخ میں تمہارے فون کی توقع نہیں کر رہا تھا۔''

''میں تمہاری طرح کسی راج محل میں نہیں رہتا جسے آگ لگائے بغیر بھاگنا ممکن نہ ہو۔'' میں نے اپنے لہجے میں نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا ''میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔ تن کے دو کپڑوں اور چند دفاعی ہتھیاروں کے ساتھ ذرا سی دیر میں ایک سے دوسری جگہ جا سکتا ہوں۔ باقی ضروریات خود بخود پوری ہو جاتی ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دفاعی ہتھیار بہت خوفناک ہیں۔'' اس نے کہا ''پہلے تمہاری بیم گن کا بہت شہرہ تھا۔ لیزر شعاعوں سے بدن میں سوراخ ہونے کی وجہ سے مرنے والوں کی لاشیں دیکھتے ہی شور مچ جاتا تھا کہ اسے تم نے مارا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری وہ گن اب ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب تمہارے شکار زہریلی سوئیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ تم روایتی ہتھیاروں کے استعمال سے گریز کرتے ہو۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں ہر داؤ اور ہتھیار استعمال کرتا ہوں۔ اپنے بچاؤ کے لیے اگر دشمن کو دانتوں سے کاٹنا پڑے تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''مجھے اس کا بھی اندازہ ہو چکا ہے۔ ٹام کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی پائی گئی ہے۔'' اس کی آواز معنی خیز ہو گئی ''اگر تم نے کمانڈوز اور ٹام کے دوست پر زہریلی سوئیاں نہ آزمائی ہوتیں تو اس واقعے کو آسانی سے تمہارے سر نہیں تھوپا جا سکتا تھا۔''

''کیا تم مجھ سے اس واقعے کی تفتیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں اس کے سوال پر چونکا ہو گیا۔

''ان کی کل تعداد سات تھی۔'' سوبھراج نے اسی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''چار مارے گئے تین کو بے ہوش کر دیا گیا۔ مرنے والوں میں دو اور بے ہوش ہونے والوں میں سے ایک کی جلد میں زہریلی سوئی چبھنے کا نمایاں نشان موجود تھا۔ ہر باخبر شخص سمجھتا ہے کہ وہ تینوں تمہارے ہاتھوں اس انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ٹام کی بات سیدھی سی ہے۔ تم نے اسے آسان موت مارنا پسند نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں سے مرمت کرنے کے بعد اس کی گردن توڑ دی۔ اس وقت تین امریکی جانوں کا تازہ وبال تمہارے سر آ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گولی کا نشانہ بننے والا کمانڈو بھی تمہارا شکار ہوا ہو۔''

''شہر میں پیارے جانے والے ہر امریکی کا خون میں کرتا ہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا ''ان لوگوں کا بس نہیں چلا ورنہ خلیج کے سمندر میں گیری ہارٹ کا ہوائی جہاز غرق ہونے کی ذمے داری بھی میرے سر ڈال دیتے۔ آخر یہ باتیں دہرا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ آخر تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔''

''میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم سمجھا دو!'' میں نے چیخ کر کہا۔

''تم میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تمہیں بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔'' اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا ''تمہارے لیے حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔ کھلے ثبوت سامنے آ جانے کے بعد مقامی حکام بھی تمہاری کوئی مدد وغیرہ نہیں کر سکیں گے۔ اب تک سب نے مل کر تمہاری تلاش کی مہم شروع کر دی ہوگی۔''

''تمہیں زیادہ ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں۔''

''میری مانو تو اس آڑے وقت میں اپنی اکڑ فوں کو بالائے طاق رکھ کر خاموشی سے پاکستان سے باہر نکل جاؤ۔'' آخر کار اس نے بھی وہی بات کہہ ڈالی جو جلال مجھ سے کہہ چکا تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر اپنی بات جاری رکھی ''چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ ایسے کئی لوگوں سے میرے گہرے

Downloaded from https://paksociety.com

مراسم ہیں جو لوگوں کو بہت حفاظت اور رازداری کے ساتھ سمندر اور خشکی کے راستے سے ملک سے باہر بھیجتے رہتے ہیں۔''

وہ بہت مکاری سے کام لے کر مجھے ایک نئے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہا تھا۔ بگڑتے ہوئے مقامی حالات کا ہوّا دکھا کر اس نے ابتدائی طور پر مجھے اچھا مشورہ دیا تھا کہ میں ملک سے کہیں چلا جاؤں۔ وہ میرے اثر رسوخ سے بے خبر تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے آسانی سے مفروضہ نام پر سفری دستاویزات مل سکتی ہیں۔ اسے یقین تھا کہ میں خوف زدہ ہوکر فرار پر مائل ہوا تو مجھے یقینی طور پر غیر قانونی راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

پہلے سانس میں ایک اچھی بات کہہ کر اس نے دوسرے سانس میں زہر گھولنا شروع کردیا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں رہا ہوگا کہ ہر کس و ناکس کے لیے چوری چھپے سرحد عبور کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کام کے لیے مجھے کسی نہ کسی کی مدد درکار ہوتی۔ میں اس کی پیشکش قبول کرلیتا تو وہ حیلے بہانے سے کسی بھی وقت مجھے اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔

مکاریوں میں وہ بے مثال ملکہ رکھتا تھا۔ بات میں سے بات نکالنا اور پھر اسے اپنے ڈھب پر لے جانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

وہ میرے ساتھ کوئی سیدھی بات کرتا تھا نہ میں اس پر لمحہ بھر کے لیے بھروسا کرنے پر تیار تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا ''تمہارا مشورہ قابلِ غور ہے۔ یہی بات میرا ایک اور جاں نثار کہہ چکا تھا۔ ایک طرف میرے اور تمہارے درمیان کوئی تیسرا آدمی آن کودا ہے۔ دوسری طرف ملک بھر میں میری تلاش شروع ہونے والی ہے۔ تیسری طرف دشمنوں کی طرف سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لالچ میں کوئی بھی مہم جُو میرے لیے خطرہ بن سکتا ہے.....''

''وہ موقعے سے فائدہ اٹھانے میں ماہر ہیں۔ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگادیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر لقمہ دیا ''ہوسکتا ہے کہ وہ انعام کی رقم بڑھادیں۔''

''تم نے مجھے تشویش میں ڈال دیا ہے۔ میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا۔''

''میں دل کھول کر تمہاری مدد کروں گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں تمہیں دھوکا دوں گا۔''

''کارگو کنگ اور روزگار انٹرنیشنل کے دفاتر سیل ہونے کے بعد تم میرے نکلنے کے لیے کن لوگوں سے مدد لے سکو گے؟'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

''دفاتر سیل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قاسم رفیق اور شیرازی پکڑے گئے ہیں۔ سارے کام وہ خود نہیں کرتے تھے۔ ان کے مضبوط مہرے آج بھی بازار میں موجود ہیں۔ بس اتنا فرق ضرور پڑ گیا ہوگا کہ اب وہ صرف پیسے کے لیے اندھا دھند کام نہیں کریں گے۔ اپنے دیکھے بھالے لوگوں کے لیے بہت احتیاط سے کسی کام میں ہاتھ ڈالیں گے۔ ان کے لیے میرا نام کافی ہے۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''ٹام کے مارے جانے کے بعد حالات میرے خلاف ہوگئے ہیں تو تم بہت پہلے سے عتاب میں آئے ہوئے ہو۔ اخبارات نے تمہارے خلاف اتنا زہر اگلا ہے کہ ہر شخص تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔''

میرے فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی کھوکھلی آواز آئی پھر وہ بولا ''یوں سمجھو کہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ امریکیوں اور پاکستانی ایجنسیوں کو ہم دونوں کی تلاش ہے۔ اصولی طور پر ہمیں اکٹھا کرلینا چاہیے تھا مگر ہم ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کررہے ہیں۔ تم یہاں چوہے دان میں پھنسے ہوئے ہو، میں پاکستان سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں واپس آیا ہوں۔ مجھے گرین کو برافائل کا دھیان نہ آتا تو میں اب تک نہ جانے کہاں نکل گیا ہوتا۔ میرے رابطے اب بھی برقرار ہیں۔''

اس وقت بھی وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کے اغوا کی خبر سننے کے بعد ایران سے سیدھا قاسم کے گھر لوٹا تھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی وہ پوری حاضر دماغی سے کام لے رہا تھا اور اپنے موقف پر قائم تھا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کرلی۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا جیسے اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہو پھر میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''مجھے اپنے کسی آدمی کا نام اور پتا ٹھکانا بتادو۔ ضرورت پڑی تو میں اس سے رابطہ کرلوں گا۔''

''بچوں جیسی باتیں مت کرو۔'' اس کا لہجہ خشک ہوگیا ''ایسے نام آسانی سے ظاہر نہیں کیے جاتے۔ کوئی فیصلہ کرلو تو مجھے فون پر آگاہ کردینا۔ میں تمہیں اس سے ملوانے کا بندوبست کردوں گا۔ اس وقت وہ براہِ راست کسی نئے آدمی سے بات بھی نہیں کرے گا۔''

''کیا میں یقین کرلوں کہ میں نے اس سلسلے میں تم سے رجوع کیا تو تم امریکیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کرو گے؟'' میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''ان وسوسوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے دل میں تمہاری بہت عزت ہے۔ اگر تم گرین کو برا فائل کو فراموش کر دو تو ہم ایک دوسرے کے بہترین دوست اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''پاکستان چھوڑنے کے بعد میں کچھ عرصے کے لیے یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر چھٹیاں گزارنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ایک دفعہ یہاں سے نکل جاؤ تو پھر تمہاری مرضی ہوگی کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ تمہارے لیے ساتوں براعظموں کے راستے کھلے ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہاں سے نکلنے کا ہے۔''

''یہاں سے نکلنے سے پہلے نئی منزل کا تعین ہونا ضروری ہے؟'' میں نے اصرار کیا۔

''آج کل افغانستان کے حالات بہت مخدوش ہیں۔'' وہ بولا ''وہاں کے باشندے اپنے ملک میں محفوظ نہیں ہیں۔ آئے دن قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اجنبیوں کو کوئی اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتا' دیکھتے ہی گولی مار دیتا ہے۔ میرا آدمی تمہیں سرحد پار کرا کے ایران کے کسی سرحدی قصبے میں پہنچا دے گا۔ وہاں دم لینے کے بعد تم جدھر چاہو نکل سکتے ہو۔ ایران تمہارا اعارضی پڑاؤ ہوگا۔ تم وہاں پہنچنے کے بعد اپنی نئی منزل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو گے۔''

''یہ معاملہ اتنا آسان اور سیدھا نہیں ہے۔ ایران سے آگے سفر کرنے کے لیے میرے پاس پاسپورٹ اور ویزا ہونا ضروری ہے۔ یورپی ممالک پاکستانیوں کو آسانی سے ویزا نہیں دیتے۔ میں نے یہاں سے پاسپورٹ حاصل کر لیا تو اس پر ایران میں داخلے کا اندراج نہیں ہوگا۔ میں نے اس پاسپورٹ پر ایران سے نکلنے کی کوشش کی تو ایرانی امیگریشن پولیس مجھے دھر لے گی.....''

''تم ان تفکرات میں پڑ کر بلاوجہ ہلکان ہو رہے ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر تشفی آمیز لہجے میں کہا ''تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ پیسے خرچ کر کے تمہیں ایران میں ایرانی پاسپورٹ مل جائے گا۔ میں یہ بندوبست بھی کروا دوں گا۔''

میری توقع کے برعکس سوبھراج نے ایک بار بھی مجھے تھائی لینڈ کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ سرحد پار کرانے کے چکر میں ہی مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر اپنے امریکی آقاؤں سے اپنی شرائط پر میرا اسودا کر لے گا۔

سوبھراج بہت پُراسرار انداز میں یکا یک میرے سامنے آیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ میرے لیے ایک بڑے چیلنج کا روپ دھار گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں تہیہ کیا ہوا تھا کہ اسے جہنم واصل کرنے کے لیے مجھے دنیا کے آخری سرے تک دوڑ لگانا پڑی تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ اس مرتبہ وہ پاکستان سے نکل کر بنکاک کا رخ کرے گا اور میں ذہنی طور پر اس سفر کے لیے تیار تھا۔

اس دوران میں اگر اسے پاکستان ہی میں رگیدنے کا کوئی موقع میسر آ سکتا تھا تو میں پوری سنجیدگی سے اس سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔

''پھر تم بندوبست کر لو۔ میں کل یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی یقین دہانیوں کی روشنی میں' میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''ویری گڈ!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی ''تم بہت ذہین اور معاملہ فہم ہو۔ ٹام کے قتل کا قصہ آسانی سے نہیں دبے گا۔ پانی سر سے اونچا ہونے لگے تو کامیاب پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میں تمہارے کل کے لیے تیاری کر لیتا ہوں۔''

''اور تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' مصالحانہ فضا ہموار ہو جانے کے بعد میرا وہ سوال کسی بھی اعتبار سے ناموزوں نہیں تھا۔

''میں گرین کو برا فائل کے لیے آیا تھا۔ آج یہاں سے نکل جاتا۔ اب تمہارا معاملہ سامنے آ گیا ہے تو تمہاری روانگی کے بعد یہاں سے جاؤں گا۔''

''تمہیں بھی ایران کے راستے جانا ہے۔ میرے ساتھ کیوں نہیں نکل جاتے؟''

''تم ذہن پڑھنے میں ماہر ہو!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرا یہی ارادہ ہے مگر ابھی میں بات کھولنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔''

''تم یہاں سے نکل جاؤ گے تو ٹام کے جانشینوں سے گرین کو برا والے سودے کا کیا بنے گا؟'' میں نے اس کے توصیفی کلمات کو نظر انداز کر کے نیا سوال داغ دیا۔

''سیٹ لائٹ فون پر وہ مجھ سے دنیا کے ہر گوشے میں ہر وقت رابطہ کر سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ہلکا سا تکبر ابھر آیا۔

''اپنے لوگوں سے ہر وقت رابطے میں رہنے کے لیے مجھے بھی ایک سیٹ لائٹ فون لینا پڑے گا۔''

''لائسنس کے بغیر اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ مجھے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے یہ سیٹ مل گیا تھا اور اس کا کہیں کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

ریکارڈ نہیں ہے۔ یہ تمہارے شعبوں میں ایک اضافہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم زہریلی سوئیاں چلانے کے لیے کون سا ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ جلد میں ایک ہلکا سا سوراخ ہوتا ہے اور تمہارا شکار مر جاتا ہے۔ کوئی سوئی گہرائی تک نہیں اترتی اور آج تک کہیں کوئی سوئی نہیں ملی۔ تم ہمیشہ اسے نکال لے جاتے ہو۔''

''یہ تبت کے سانگ پو قبیلے کا قدیم روایتی ہتھیار ہے۔'' میں نے اسے چکر دیا ''ایران تک قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تو میں وہاں تمہیں اس کا عملی مظاہرہ دکھاؤں گا۔''

''وہاں سب دوست ہوں گے۔ اپنا ہتھیار کس پر آزماؤ گے؟'' اس کا لہجہ یکا یک محتاط اور اشتباہ آمیز ہوگیا۔

''آوارہ کتے کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ یہ زہر انسانوں سمیت ہر جان دار پر یکساں اثر کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زہریلے سانپوں پر یہ بے اثر ثابت ہو۔ مجھے یہ تجربہ کرنے کا ابھی تک کوئی موقع نہیں مل سکا۔''

''تبت کا یہ ہتھیار تم تک کیسے پہنچ گیا؟'' سوبھراج نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''تم ایک سانس میں سب کچھ جان لینا چاہ رہے ہو۔ صبر سے کام لو۔ رفتہ رفتہ سب راز تم پر ظاہر ہو جائیں گے۔''

''تم بہت شکی مزاج کے مالک ہو۔ اپنے رازوں میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔'' خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''ایسے لوگ اپنی زندگی میں کامیاب رہتے ہیں جو غیر ضروری باتیں اپنی زبان پر لانے سے گریز کرتے ہیں۔ تم اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔''

''دھیرے دھیرے ہم ایک دوسرے کے قبیلے کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔''

''او کے ڈینی! میں کل کے لیے پروگرام طے کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔'' آخر کار اس نے گفتگو کے اختتام کا اعلان کردیا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم نے آوارہ کتوں کو مارنے کا ٹھیکا لے لیا ہے۔'' میری اور سوبھراج کی گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا بول پڑی ''سنا ہے کارپوریشن والے دس روپے فی کتے کے حساب سے شکاریوں کو معاوضہ دے رہے ہیں۔''

''تمہارے ذہن میں یہ نادر خیال کہاں سے سما گیا؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کل سنی ہٹ کے قریب ایک مردہ کتے کو تم سے منسوب کیا جارہا تھا۔ ابھی تم سوبھراج سے آوارہ کتوں پر کوئی زہر آزمانے کی بات کررہے تھے!'' اس نے دیدہ دلیری سے جواب دیا۔

''وہ اس ہتھیار کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا جس سے پھینکی جانے والی زہریلی سوئیوں کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''اس حوالے سے کتوں کا ذکر آ گیا تھا۔

میری اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل جلال کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی۔

''شروع سے اب تک اس کے ساتھ مفاہمت کا ایک تسلسل چل رہا ہے جو پارک ٹاورز میں گرین کو برا کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے ٹوٹا تھا۔ ظاہری طور پر وہ تسلسل برقرار ہے۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا ''وہاں سے وہ دھمکی دے کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اب سامنا ہوا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہو۔'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''اس نے ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس نے قاسم اور رشید کے ذریعے جہانگیر کو اٹھوایا تھا نہ تم نے یہ مانا ہے کہ پارک ٹاورز سے واپسی پر تمہارے کسی آدمی نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کینہ پروان چڑھ رہا ہے۔ وہ بھی یہ سوچے بیٹھا ہوگا کہ اپنی اولین فرصت میں تمہارا کام تمام کردے گا۔ وہ یقینی طور پر کل تمہیں کہیں بلائے گا؟''

جلال کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ بلائے گا تو میں ضرور جاؤں گا۔''

''میرے آدمی ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''تمہاری یا اول خان کی مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ کل جو کچھ ہوگا' باہمی مشورے سے ہوگا۔''

''نام کا معاملہ مختلف تھا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ اس معاملے میں تم میری سرکاری مجبوریوں کو سمجھ رہے تھے۔ اس کے بارے میں تم نے مکمل آزادی سے اپنا فیصلہ کیا اور اسے کامیابی سے عملی جامہ پہنادیا۔ سوبھراج قومی مجرم ہے۔ تمہارا نام درمیان میں لائے بغیر اسے پکڑنے میں میرے آدمی پیش پیش رہیں گے۔''

مجھے بھرپور یقین دہانی کرانے کے بعد وہ رخصت ہوگیا۔

''مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آرہے۔'' کچھ دیر بعد ویرا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنا ہونے والا شوہر تصور نہیں کرسکتی۔''

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں؟'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان تھام کر یکا یک بات بدل دی ''میرا مطلب تھا کہ اس کے لیے لڑکی تم ہی کو تلاش کرنا ہوگی۔''

''لڑکی تو کیا میں اس کے لیے لڑکی کی جوتی بھی تلاش نہیں کروں گی۔'' ویرا کا پارا بتدریج چڑھتا جارہا تھا۔

''شاید اس وقت ستارے کوئی الٹی چال چل رہے ہیں۔ فی الحال اس موضوع کو بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تمہیں آثار میں کیا خرابی نظر آرہی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کسی چیز میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس وقت مجھے مت چھیڑو۔ میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔'' ویرا یہ کہہ کر اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہ گیا۔

''اس وقت آپ نے اس کا موڈ خراب کردیا۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ بولی۔

''ہمارے درمیان مذاق چلتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اس کی ذہنی رو کیوں بہکی ہوئی تھی۔ وہ بلاوجہ اتنی جذباتی ہوگئی۔''

''اب کئی دنوں تک وہ روٹھی رہے گی۔ گھر کی فضا بھی مکدر رہے گی۔''

میں بے ساختہ ہنس دیا ''وہ اپنے کمرے میں نہ جاتی تو شاید ایسا ہی ہوتا۔ وہ دو ٹکڑے پیگ لگا کر خود نارمل ہوجائے گی۔''

''ذائقہ تلخ' بُو نا گوار' اثرات انتہائی ناخوشگوار..... پتا نہیں لوگ اتنے ذوق وشوق سے شراب کیوں پیتے ہیں!'' غزالہ ناک منہ چڑھا کر بولی۔

''تم جیسے لوگوں کے لیے شاعر نے کہا ہے کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔'' میں نے اس کے شانے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ بات آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ سچ بتائیں کہ آپ شراب نوشی کرتے تھے تو اس سے کیا حاصل ہوتا تھا؟'' اس نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''بے خودی اور ہلکی سی خود فراموشی..... دراصل پینے کا ایک اپنا سرور ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ بلانوشی کی طرف لے جاتا ہے جہاں آدمی مدہوشی کی نرم دلدل میں پھنس کر سارے آلام ومصائب کو بھول جاتا ہے۔ تائب ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ نہ پینے میں ہی انسان کی عظمت اور بڑائی ہے۔ قدرت نے اسے ہوش مند بنایا اور پیدا کیا ہے۔ دانستہ مدہوش ہوکر آدمی بڑے گناہ کے ساتھ کفرانِ نعمت کا بھی مرتکب ہوتا ہے.....''

غزالہ نے اچانک میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''میں مزید کچھ نہیں جاننا چاہتی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے جتنا بتادیا گیا ہے۔ اس میں آپ سمیت کوئی بھی کمی یا بیشی نہیں کرسکتا۔ گناہ اور ثواب' حلال اور حرام کے موضوع پر میں جب کچھ سوچتی ہوں تو ہیبت سے میری روح تک کانپ جاتی ہے۔ ان معاملات میں حد سے ذرا سا تجاوز انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ یہ بہت نازک معاملے ہوتے ہیں۔''

ازل سے دنیا میں جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا' وہ سراسر مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ انسان اللہ کی تخلیق ہے تو شیطان بھی اسی کی مخلوق ہے۔ جنت میں حضرت آدمؑ کو بہکانے والا شیطان تھا اور آج کے انسانوں کو بھی وہی راہ سے ہٹا کر بے راہ روی پر مائل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھلے الفاظ میں اچھائی اور برائی کا فرق بتادیا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما ہوا ہے' ان کے ایمان مضبوط ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔ جو کج روی کا شکار ہیں وہ آسانی سے اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور تیزی سے گمراہی کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک وقت وہ آتا ہے کہ ان کے ضمیر مردہ ہوجاتے ہیں۔ وہ نیکی اور بدی کے فرق کو بھول جاتے ہیں۔ اپنی بربادی کے آخری مرحلے میں ایسے لوگ اپنے استدلال سے غلط کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں شروع کردیتے ہیں اور آخر کار اپنے تیرہ وتار دلوں کے ساتھ ابدی سفر پر روانہ ہوجاتے ہیں۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور غزالہ کی سوچ بہت صحت مند تھی۔ ہم تینوں میں سے کوئی بھی بہت کٹر مذہبی نہیں تھا لیکن ہم جان بوجھ کر کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ ہمیں اپنی خطاؤں پر ندامت رہتی تھی۔ ہمارے ضمیر زندہ تھے جو ہماری کوتاہیوں پر ہمیں ملامت کرتے رہتے تھے۔

غزالہ کے چند فقروں سے میری ذہنی رو کو عجیب سی جلا ملی تھی۔ میں دیر تک بہت کچھ سوچتا رہا۔ ڈور بیل کی آواز سن کر میں چونکا تو غزالہ وہاں نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کب اٹھ کر جاچکی تھی اور مجھے پتا تک نہیں چل سکا تھا۔

محویت کا طلسم ٹوٹتے ہی میں ہلکی سی جھرجھری لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ' اول خان کو اپنے ساتھ گھر میں لے آیا۔

''رات کو تم ایسے بچھڑے کہ اب اپنی صورت دکھائی ہے۔'' میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے کہا۔

''تم مصرع غلط پڑھ گئے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اصل یوں ہے' اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں۔''

''حیرت ہے کہ تم جیسا کڑک سپاہی بھی شعر جانتا ہے!'' میں نے کہا۔

''تمہاری اس حیرت پر بھی مجھے ایک لنگڑا لولا فلمی شعر یاد ہے۔ میں شاعر تو نہیں۔ جب سے دیکھا ہے تم کو' مجھ کو شاعری آ گئی۔'' اول خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کمال کر دیا تم نے۔'' سلطان شاہ پھڑک اٹھا ''ایسے برمحل شعر تو شاید استاد بھی نہ سنا سکیں۔''

''شاید تم ٹرانسپورٹ لائن والے استادوں کی بات کر رہے ہو!'' ویرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تبصرہ کیا ''اصل استاد دوسروں کے شعر نہیں سناتے' برجستہ اپنے شعر موزوں کرتے ہیں۔ بات کس کے شعر کی ہو رہی ہے؟''

میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھیں بلّور کے ڈھیلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے الکحل کی تیز بو مارنے کے لیے کوئی ٹوٹکا استعمال کیا تھا مگر میں اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ اسکاچ کی خاصی مقدار اپنے معدے میں اتار کر آئی تھی۔

ویرا کی اس عادت بد کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ کچھ دیر قبل ہونے والی تلخ گفتگو کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔ سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس پر قادر نہیں رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ اس کے موڈ میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔

''اول خان کے اعصاب پر اس وقت شاعری سوار ہے۔'' میں نے آنکھ مار کر ویرا کو آگاہ کیا۔

''اتفاق ہے کہ اس وقت کچھ یاد آ گیا ورنہ تمہارے گھر کی گھنٹی بجانے تک میرا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔'' اول خان یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

''کیا کوئی گمبھیر مسئلہ درپیش ہے؟'' میں نے اپنی جگہ سے آگے سرک کر پوچھا۔

''امریکی قونصلر کے پی' اے نے تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرا دی ہے۔ ٹام کے قتل کے بارے میں شہادتیں اتنی مضبوط ہیں کہ سندھ کے ہوم سیکریٹری کی ہدایت پر مجسٹریٹ نے تمہاری گرفتاری کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ جاری کر دیے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''یہ وارنٹ رکوائے نہیں جا سکتے تھے؟'' میں نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''سیاہ کو گہرا سرمئی' نیلا یا سبز تو کہا جا سکتا ہے' سفید نہیں۔ وہاں تم نے فراخ دلی سے زہریلی انگوٹھیاں استعمال کی تھیں۔ اب وہ تمہاری شناخت بن چکی ہیں۔ یہ بات جلال کے بھی علم میں ہے۔ کچھ ممکن ہوتا تو وہ وارنٹ نہ نکلنے دیتا۔ صوبے میں اس کے رتبے کا وفاقی افسر بہت طاقت ور ہوتا ہے۔''

''وہ تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا ہے۔ اس نے وارنٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا.....!'' میں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''شاید وہ تمہیں یہ بری خبر سناتے ہوئے ہچکچا رہا ہو!'' اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''اس نے وارنٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن اس میں مضمر سارے خطرات کا برملا اظہار کر کے گیا ہے۔'' ویرا نے اچانک کہا ''اس نے تمہیں کچھ دنوں کے لیے پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ بلاوجہ نہیں دیا..... اس کا سبب وارنٹ ہی رہا ہوگا۔''

''یہی بات ہو سکتی ہے۔'' اول خان نے پُرتشویش انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''اس وقت یہاں کے حالات کا رخ تمہارے خلاف جا رہا ہے۔ ہر طرف تمہاری تلاش جاری ہے۔ سچ پوچھو تو جنرل نے مجبور ہو کر مجھے بھی ہدایت دی ہے کہ میں تمہاری گرفتاری کے سلسلے میں مقامی حکام کی مدد کروں۔ شاید آج کی رات جیسے تیسے گزر جائے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اگلی صبح سے ہر طرف سے میرے اوپر دباؤ آنا شروع ہو جائے گا۔''

''یہی ہوگا۔'' اس بار ویرا نے اس کی تائید کی ''تمہارے اور ڈینی کے مراسم اب ایک کھلے راز کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جن سے بہت سے اعلیٰ افسران باخبر ہیں۔''

''اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''جلال نے بہترین مشورہ دیا ہے۔ میں اس سے بہتر رائے نہیں دے سکتا۔ تم کو آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کر گزرنا چاہیے۔''

''مجھے کل کا دن درکار ہے' پرسوں میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''تم نے میرا تذبذب ختم کر دیا ہے۔ ہر طرف سے ایک ہی صدا آ رہی ہے کہ اب میرا یہاں رہنا خطرناک ہو چکا ہے۔''

''وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔'' اول خان کی آواز گمبھیر تھی ''تمہیں جلد از جلد پاکستان سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم سب اپنے سر پیٹتے رہ

Downloaded from https://paksociety.com

جائیں گے۔تمہارے لیے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔''

''کل سوبھراج سے آمنا سامنا ہونے کی توقع ہے۔ میں اس کا حساب بے باق کرتے ہی یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ اس دوران میں ویزا وغیرہ کے مراحل طے ہو جائیں گے۔''

''سوبھراج پر لعنت بھیجو اور اپنی فکر کرو!'' اس وقت اول خان کو میری ذات کے سوا کسی کی پروا نہیں رہی تھی۔'' اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس پر یہاں کی زمین تنگ ہو چکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹک سکے گا۔ اسے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ تم پاکستان سے باہر کہیں بھی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔''

اول خان روانی میں اپنے دل کی بات کہہ گیا تھا لیکن اس کے آخری فقرے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی تپتے ہوئے صحرا میں بے یار و مددگار کھڑا رہ گیا ہوں۔ میرے دل و دماغ پر یکا یک مایوسی کی ایک خوف ناک لہر حملہ آور ہوئی تھی۔

سوبھراج نے میری جاگیر نہیں ماری تھی۔ اس سے میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں صرف اس وجہ سے اس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سیاسی منصب اور اثر و رسوخ کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہا تھا۔ میں ذاتی نفع و نقصان کے تصور سے بہت بالا ہو کر اس سے ایک اصولی لڑائی لڑ رہا تھا۔

میں اپنے ملک میں رہ کر اس لڑائی کو اس کے فطری انجام تک نہیں پہنچا سکتا تھا تو ملک سے باہر اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ کسی اجنبی سرزمین پر میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دوسرے ملکوں کو پاکستان کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے لیے میری اور سوبھراج کی حیثیت میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ وہاں کی سرکاری صفوں میں میرے لیے کوئی جلال یا اول خان نہ ہوتا۔ میں سوبھراج کو ہاتھ بھی لگاتا تو وہاں کے قانون کا مجرم قرار پاتا۔

میں پاکستان میں رہ کر، اپنے وسائل کے سہارے اور اپنے زورِ بازو پر سوبھراج کا قلع قمع کرنا چاہ رہا تھا لیکن میری راہیں مسدود کی جا رہی تھیں۔

میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں نے ایک بے ایمان اور بدمعاش امریکی کو اس کے خواریوں سمیت کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے ٹام کے رتبے اور عہدے سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ملک دشمن عناصر سے اپنے قریبی گٹھ جوڑ کی وجہ سے وہ میری نظروں میں آیا۔ وہی حرکتیں کوئی نامور اور بارسوخ پاکستانی کر رہا ہوتا تو میں اس کی رگوں سے بھی لہو کی آخری بوند نچوڑنے پر تل جاتا۔ سوبھراج اس کی واضح ترین مثال تھا۔

یہ ایک اتفاق ہے کہ سوبھراج ہندو تھا اور در پردہ امریکی ایجنسیوں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ میں نے مذہب کی بنا پر اس سے کبھی کوئی تعصب نہیں برتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مسلمان بھی اس جیسی حرکتوں میں ملوث ہوتا تو میں اس سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا۔

میری اور سوبھراج کی لڑائی میں ٹام کا خون ایک آہنی دیوار کی طرح حائل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ میری ہی نہیں، پورے کرۂ ارض کی بدنصیبی تھی کہ روسی فیڈریشن کی شکست و ریخت کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن بگڑ گیا تھا۔ ایک مضبوط اور بے خوف حریف کو مٹا دینے کے بعد امریکا نے دنیا بھر کا عسکری اور سیاسی نظام اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس سے اتفاق نہ رکھنے والے بھی اس کی ہم نوائی کرنے پر مجبور تھے۔

امریکا نے دنیا کو ایک نیا نعرہ دیا تھا جو ہمارا دوست نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ انہوں نے کسی ملک کے لیے کوئی تیسری راہ نہیں چھوڑی تھی۔ وہ زبردست کی دوستی تھی جسے اختیار کرنا دنیا کے بیشتر ملکوں کی مجبوری تھی۔

پاکستان عالمی سورما کی دشمنی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اپنے کھیتوں کو سرسبز و شاداب، آبادیوں کو روشن و خوش حال اور جوانوں کو زندہ رکھنا تھا۔ اس نے زبردست کی دوستی قبول کر لی تھی۔ اس دوستی کی قیمت چکانا ضروری تھا۔ وہ سود در سود ادائیگی جاری تھی۔

بات بہت دور کی تھی لیکن وہ ہر جہت میں اثر انداز ہو رہی تھی۔ امریکی چوہوں تک کو عالمی مراعات مل گئی تھیں۔ وہ لوگ چاہتے تو اپنی امدادی گندم کے ساتھ دسارو کی بندرگاہ میں پہنچ جانے والے کسی چوہے کی ناگہانی موت پر ذمے دار ملک پر لشکر کشی کر سکتے تھے۔

ٹام چوہے کی طرح بزدل ضرور تھا مگر وہ چوہا نہیں تھا، ایک جیتا جاگتا سفارت زدہ انسان تھا۔ اس کے جہنم واصل ہو جانے پر وہ لوگ جو طوفان چاہتے، برپا کر سکتے تھے لیکن انہیں اپنی تمام کمزوریوں کا مکمل ادراک تھا۔ ٹام نے مقامی قوانین اور ہدایات سے کھلا انحراف کیا تھا۔

بظاہر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے پاکستان سے فرار ہونے کا مشورہ دے کر میرے ساتھ سنگین ظلم کیا جا رہا ہو لیکن سارے پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں یہ بہت غنیمت تھا کہ امریکی حکام نے پاکستان سے کوئی سرکاری لڑائی مول

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں لی تھی۔ انہوں نے ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے، میرے خلاف قتل کی ایف آئی آر کٹوانے پر اکتفا کیا تھا۔

تھانے میں چار ایسے افراد کے قتل کی ایف آئی آر درج ہونے کے بعد، جنہیں بھرپور انفرادی اور اجتماعی سفارتی تحفظ حاصل رہا ہو، مقامی انتظامیہ کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ رپورٹ میں مجھے قاتل نامزد کیا گیا تھا۔ اخلاق اور قانون کے تقاضوں کے مطابق میری تلاش اور گرفتاری ضروری ہوگئی تھی۔

صوبے کے ہوم سیکریٹری سے لے کر عام سپاہی تک کسی کو مجھ سے پرخاش نہیں تھی، کوئی میری راہ روکنے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔ وہ نام کے قتل کا کم از کم ردِعمل تھا جو سامنے آرہا تھا۔ مجھے بہت تحمل اور ہوشیاری کے ساتھ خود کو اس خوف ناک لہر سے بچانا تھا۔

اول خان سے ملاقات ہونے سے پہلے تک میں جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ مجھے اپنوں کے رویے میں بے اعتنائی کی بُو آرہی تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اپنے اور پرائے، سب میرے خلاف یک جا ہورہے ہوں مگر حالات کے معروضی تجزیے کے بعد مجھے سب کچھ قابلِ فہم اور فطری محسوس ہونے لگا تھا اور میرا جذباتی ابال سرد ہونے لگا تھا۔

ہاکس بے کے علاقے میں نام کے قتل کے بعد سے اول خان غائب تھا۔ اس دوران میں سوبھراج کے قصے نے بہت تیزی سے رخ بدلا تھا۔ اول خان ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ میں نے چند ٹانیوں کی خاموشی میں اپنا ذہنی تجزیہ مکمل کرنے کے بعد اسے پوری روداد سنادی۔

اس کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ چند گھنٹوں کے قلیل سے عرصے میں سوبھراج سے میری ایک سنسنی خیز ملاقات ہوچکی تھی اور دو بار فون پر رابطہ ہوا تھا۔

''وہ اول درجے کا فریبی اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔'' اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''وہ بزدلی سے وار کرنے والوں میں سے ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ وہ سامنے آکر کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت کرے گا۔ پھر بھی تمہیں خطرہ مول لینا پڑے گا۔ یہاں کا قضیہ یہیں نمٹ جائے تو سب سے بہتر رہے گا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد تمہیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

ہم سب سر جوڑ کر اس بارے میں مشورے کرتے رہے۔ یہ بات بیشتر سرکاری افسران جانتے تھے کہ میں مسلسل کراچی میں موجود تھا۔ گاہے گاہے رونما ہونے والے واقعات میرے دشمنوں اور بہی خواہوں کو شہر میں میری موجودگی کی خبر دیتے رہے تھے لیکن بہت زیادہ بھروسے کے چند گنے چنے افراد کے علاوہ کسی کو ہمارے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔

ہم ایک طویل عرصے سے کراچی میں رہ رہے تھے۔ میرے اور ویرا کے خلاف امریکی افسران ایک سے زائد بار اشتہاری مہم چلا چکے تھے لیکن ہم کسی نہ کسی طرح خطرات سے محفوظ رہے تھے۔ ہم نے جہاں اتنا وقت گزارا تھا وہاں مزید ایک دن عافیت سے گزار لینا بظاہر زیادہ دشوار نظر نہیں آرہا تھا۔ اول خان میرے اس استدلال سے متفق ہوچکا تھا۔

''یہ سوچ لو کہ کوئی پُرجوش افسر جھگڑیاں لے کر ہمارے دروازے پر آپہنچا تو تم کیا کرو گے!'' وہ سب طے ہوجانے کے بعد ویرا نے قدرے شوخی سے کہا۔

''تمہارے منہ میں خاک!'' سلطان شاہ نے جل کر کہا ''کیوں ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نکال رہی ہو؟''

''اپنی ناپسندیدہ باتوں کو منحوس قرار دے کر تم حقائق کو تبدیل نہیں کرسکتے۔'' ویرا نے کسی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''آدمی کو بہتر توقعات رکھنا چاہئیں۔ اسی کے ساتھ بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ جو لوگ اس اصول کو فراموش کرکے خوش فہمیوں کے سراب میں گم رہتے ہیں وہ خسارہ اٹھاتے ہیں۔''

''ایسا کوئی امکان نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں بات کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔'' اول خان نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''ایسی کسی صورت حال میں تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟ مقابلہ کرو گے یا ہتھیار ڈال دو گے؟''

''میں اپنے ملک کے قانون سے بغاوت کرسکتا ہوں نہ اپنی گردن میں خود پھانسی کا پھندا ڈال سکتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''کسی کو زحمت دینے کے بجائے میں خود دروازے پر جاکر اسے بتاؤں گا کہ ڈینی گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''اور وہ مان لے گا!'' ویرا نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف اور آئی بی کے چند اہل کاروں کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ڈینی کون ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''نام سب کو معلوم ہے۔ صورت آشنا کوئی نہیں ہے۔ محض اسی وجہ سے میں آج تک اپنے دشمنوں کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ رہا ہوں۔ دشمنوں میں سے صرف سوبھراج نے آج مجھے دیکھا ہے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مجھے پکڑوانے کے لیے کسی پولیس افسر سے رجوع کرسکے۔ ایسا

Downloaded from https://paksociety.com

کرے گا تو مجھ سے پہلے اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ کسی بھی آنے والے کو میری بات پر یقین کرنا پڑے گا۔ وہ ہٹ دھرم نہ ہوا تو مجھے اطمینان سے نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ سانپ مر جائے گا، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''بالکل سامنے کی بات ہے!'' ویرا نے سر ہلا کر اقرار کیا ''یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہوتی تو میں اپنا سوال زبان پر نہ لاتی۔''

''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہارے بال بہت گھنے ہیں یہ تمہاری خاصی عقل چوس گئے ہیں۔'' سلطان شاہ نے متانت سے کہا ''زیادہ تر عورتوں کے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ مسائل آگے دوڑتے رہتے ہیں، ان کی عقلیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ ایک دن کوئی عورت ہی تمہیں راہِ راست پر لائے گی۔''

باہمی مشاورت سے ایک فیصلے پر پہنچ جانے کے بعد ماحول کے تناؤ میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ نیا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ سوبھراج سے مجوزہ ملاقات میں کون میرا ساتھ دے گا۔ اس معرکے میں اول خان میرا اہم رکاب رہنے کا متمنی تھا جب کہ جلال پہلے سے اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

ٹام کے برعکس سوبھراج ایک مسلمہ قانون شکن اور دہشت گرد تھا جسے آخر کار ملکی قانون کی گرفت میں آنا تھا۔ میں نے اول خان کے جذبات کو مجروح کیے بغیر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایس ٹی ایف کی نفری کو بھول جائے۔ افرادی قوت جلال اپنے محکمے سے فراہم کرے اور وہ انفرادی حیثیت میں میرے ساتھ اس مہم میں شریک ہو۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے نوشی میں مصروف تھے کہ میرے موبائل فون پر سوبھراج کی کال آ گئی جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

''میں نے کل کے لیے سب کچھ طے کر لیا ہے۔'' وہ اپنی مخصوص، تحکم آمیز آواز میں مجھے بتا رہا تھا ''تم خالی ہاتھ آؤ تو زیادہ بہتر رہے گا لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ چیزیں تم ضرور اپنے ساتھ لو گے۔ یہ خیال رکھنا کہ تمہارا کل اسباب ایک ہلکے پھلکے دستی تھیلے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم ٹھیک نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔''

وہ اپنے بچھائے ہوئے جال کی رسیاں کھینچ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہوں۔ اس احساس سے میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس مقررہ مقام کا نام کیا ہے؟''

''ابھی صرف وقت دیا گیا ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ تم کو کہاں پہنچنا ہوگا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ اصل آدمی کو تم پر بھروسا نہیں ہے!'' میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

''اس دھندے میں کوئی اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے جانتا ہے تم اس کے لیے نئے آدمی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک ساتھ وقت اور جگہ کا پتا چل جائے تو تم پولیس میں مخبری کر دو اور اس کا سارا کام چوپٹ ہو جائے۔''

''جگہ کے بارے میں کب پتا چلے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں نو بجے پہنچنا ہے۔ وہ کل رات سات آٹھ بجے تک جیسے ہی مجھے جگہ کے بارے میں بتائے گا، میں تمہیں فون کر دوں گا۔ تمہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ تم آسانی سے وہاں پہنچ سکو۔''

''کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے دل کڑا کر کے وہ ٹیڑھا سوال بھی کر ڈالا۔

''میری فکر چھوڑ دو۔ میں نے تمہارے نکلنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ مجھے آنا ہوا تو میں بھی نو بجے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''مائی ڈیئر سوبھراج! مجھے تمہاری نہیں اپنی فکر ہے۔'' میں نے کہا ''تم وہاں نہ ہوئے تو میں اسے کیسے پہچانوں گا؟''

''اب اتنے بھولے نہ بنو۔ تم ان چکروں کو خوب سمجھتے ہو۔ کل رات جگہ کے بارے میں بتاؤں گا تو یہ سب بھی طے ہو جائے گا۔ میں فول پروف کام کرنے کا عادی ہوں۔''

''میں کل تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔'' میرا جواب سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

''وہ کوئی رسک لینے پر آمادہ نہیں ہے۔'' ویرا نے تفصیل جاننے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کیا ''دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو اور حریف کو بہلا پھسلا کر اپنا اپنا وار کرنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ ایسا مقابلہ میں نے پہلے نہیں دیکھا۔ آنے والی رات کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ وہ بہت خون آشام رات ثابت ہوگی۔''

''خون ریزی ضرور ہوگی۔ اسے ٹالنا ناممکن ہے۔'' اول خان نے پورے وثوق سے کہا ''اتنے کم وقت میں آدمیوں کو وہاں پہنچا کر مورچے جمانا بہت مشکل ہوگا۔''

''یہی اس کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ مجھے کسی پیش بندی کا

Downloaded from https://paksociety.com

موقع نہیں دے رہا۔'' میں نے اس کی تائید کی ''وہ اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مجھے مقام کے بارے میں آگاہ کرے گا تاکہ کوئی مشتبہ شخص ان حدود میں نہ گھس سکے۔''

''خبر ملنے کے بعد جلال کے آدمیوں نے ادھر کا رخ کیا تو وہ بے موت مارے جائیں گے۔'' اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ''سوبھراج کے آدمی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ وہاں پہلے سے تیار بیٹھے ہوں گے۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی بے دردی سے فائر کھول دیں گے۔''

''مفروضوں میں الجھ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات ایسے لہجے میں کہی کہ میں چونک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اب سب کچھ کل رات کے لیے ٹل گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ سوبھراج لڑنے مرنے پر تلا بیٹھا ہو۔ وہ تمہیں کراچی سے نکال کر ویران سرحدی علاقے میں آسانی سے بے قابو کرسکتا ہے۔ شہر میں لڑائی بھڑائی کا امکان بہت کم ہے۔''

''ہمیں اس کے ارادوں سے زیادہ اسے پکڑنے میں دلچسپی ہے۔'' میں نے ہلکا سا توقف اختیار کرکے ویرا کو بولنے کا موقع فراہم کردیا۔ میری کوشش تھی کہ وہ آپس میں زیادہ سے زیادہ بات چیت کرتے رہیں تاکہ ان کے دلوں سے ہر کدورت دور ہوجائے۔

''ڈینی اس کے کسی آدمی کے ساتھ سرحد کا رخ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔'' ویرا کی بات جاری تھی ''وہ چاہے یا نہ چاہے، کل تصادم ضرور ہوگا۔ وہ اکیلا آئے یا اپنے ساتھ لشکر لے آئے، جلال کے آدمی اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔''

''کل کا معاملہ جلال کو سنبھالنا ہے۔'' اول خان بولا ''اسے سوبھراج کی چال سے اسی وقت آگاہ کردو تاکہ وہ اپنی منصوبہ بندی کرسکے۔''

اول خان کی یاددہانی سے پہلے میں جلال کو اسی وقت فون کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ سوبھراج کے علاوہ مجھے اس سے اپنی روانگی کے بارے میں بھی بات کرنی تھی۔

''ایک منٹ ٹھہرو۔'' مجھے فون کی طرف متوجہ ہوتا ہوا دیکھ کر ویرا اچانک بول پڑی ''وہ تم سے یہ بھی جاننا چاہے گا کہ تم نے ملک چھوڑنے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''فیصلہ ہوچکا ہے، پرسوں ہم نکل جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے ہم میں کون کون شامل ہے؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں اور غزالہ..... تم سلطان شاہ کے ساتھ یہیں رہو گی۔'' میں نے کہا ''کیا تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض ہے؟''

''مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟'' اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا ''میں اس مرحلے پر ضد کرکے کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی۔ تمہیں اپنے اور غزالہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اپنا فیصلہ میں خود کروں گی۔ اس سے کہو کہ میں بھی ملک سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ وہ میرا بھی بندوبست کردے۔''

''اور سلطان شاہ کا کیا بنے گا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ شیر خوار بچہ نہیں ہے۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا ''اپنی دیکھ بھال خود کرلے گا۔ ہم تینوں بھارت کے سفر پر گئے تھے تو یہ اکیلا کراچی میں تھا۔''

''تم کہاں جاؤ گی؟'' اول خان نے الجھن آمیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست!'' اس نے اردو میں رائج وہ ثقیل فارسی محاورہ دہرا کر سب کو حیران کردیا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی ''میں درویش صفت عورت ہوں۔ کسی کو میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جدھر منہ اٹھا، ادھر نکل جاؤں گی۔ ایک لمبے عرصے سے یہاں پڑے پڑے میں بھی اکتا گئی ہوں۔''

''جلال کو ویزا اور ٹکٹ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اسے میں کیا بتاؤں؟''

''کہہ دینا کہ میں چند روز کے لیے لندن میں رک کر نیویارک جانا چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ یہ ساحلی شہر سمندر میں ڈوب جائے، میں ایک بار پھر دل بھر کر اس کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''خدا کے غضب سے ڈرو ویرا..... تم مایوسی کے عالم میں اپنے ہم وطنوں کو بددعا دے رہی ہو۔'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

''میں مایوس ہوں نہ یہ کوئی بددعا ہے۔ میرے وہم وطن اپنی حرکتوں سے بار بار قہر خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا ہے کہ یہ رنگینیاں چند روز کی ہیں پھر سمندر ایک بھیانک انگڑائی لے گا اور سارے ساحل ویرانوں میں ڈوب جائیں گے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' غزالہ بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے بولی ''ہر وقت اپنی زبان سے

Downloaded from https://paksociety.com

سے وہاں کا سفر کیا تھا۔ وہ بھی ایک چکر میں ملوث ہوگئی تھی۔ میں اس نام کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔''

''اس بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔'' میں نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے اس کی بات مان لی ''اب تمہیں ہم چاروں کی تصاویر کی ضرورت ہوگی۔''

''کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا۔

''ہماری تصاویر تمہارے پاس کیسے آگئیں؟'' میں وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہیں علم نہیں مگر میں تم سب کی تصاویر لے چکا ہوں جو میرے ذاتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔''

میرے وجود میں سنسنی کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی۔ جلال کے الفاظ نے مجھے ہکا بکا کر دیا تھا۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا لیکن اس کی پیشہ ورانہ ذمے داریاں اس کے ہر جذبے پر غالب تھیں۔ اس نے میری لاعلمی میں ہماری تصاویر لے کر میرے اندھے اعتماد کو نقصان پہنچایا تھا جس کا کوئی ازالہ نہیں ہوسکتا تھا۔

وہ اول و آخر آئی بی کا ایک افسر تھا۔ شاید اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ میں اس سے منحرف بھی ہوسکتا ہوں۔ اگر اس نے ہماری تصاویر لی ہوئی تھیں تو اس کے ریکارڈ میں ہم چاروں کے فنگر پرنٹس بھی ہونے ضروری تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس نے وہ کارروائی کب کی تھی۔

دوستی کے نام پر اس نے ہماری شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اپنے منصب سے وابستہ فرض کی کسی پکار کے سامنے بے بس ہو کر وہ کسی بھی وقت ہمیں اپنے آہنی چنگل میں لے سکتا تھا۔ وہ ایک دور از کار امکان تھا مگر اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یکا یک مجھے اندر سے اپنے خالی پن کا احساس ہونے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کس سوچ میں گم ہوگئے؟'' میری خاموشی پر جلال نے مجھے ٹوکا۔

''تم نے خاموشی سے ہماری تصاویر لے لی تھیں تو یہ بات مجھ پر ظاہر نہ کرتے۔'' میں نے مجروح لہجے میں کہا ''یہ بات جان کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔''

''اوہو..... تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ تصویریں لینے کے بعد اب میں کسی بھی وقت تمہیں پکڑوا دوں گا کیونکہ تمہارے لیے میں آئی بی کا ایک افسر ہوں۔'' اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا۔

''ایسا ہو یا نہ ہو مجھے دھچکا لگا ہے۔'' میں بدستور سنجیدہ رہا۔

''میں نے دانستہ کچھ نہیں کیا یہ سسٹم کی کارکردگی ہے۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ''تم کو معلوم ہے کہ یہ جدید آلات کا دور ہے میری جیب میں قلم نما اسپائی کیمرا ہر وقت موجود رہتا ہے۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس قلم کی میموری چھ ہزار فریم کی ہے۔ جب بھی میں کسی نئے آدمی سے ملتا ہوں یہ خود بخود اس کی تصویر لے لیتا ہے۔ میرے ملاقاتی کی تصویر پہلے سے کیمرے کی میموری میں موجود ہو تو یہ حرکت میں نہیں آتا۔ کسی وقت عجلت میں یہ کیمرا کھلا رہ گیا ہوگا۔ میرے علم اور ارادے کے بغیر تم چاروں کی تصاویر محفوظ ہوگئیں۔''

''ایسا ہوا تھا تو تمہیں اسی وقت مجھ کو بتا دینا چاہیے تھا۔'' میں نے شکایت کی۔

''میں ہفتے میں ایک آدھ بار اس کیمرے کو اپنے کمپیوٹر سے جوڑ کر نئے فریم دیکھتا ہوں اور میموری سے غیر ضروری تصاویر صاف کر دیتا ہوں تاکہ کیمرے پر ہر وقت فاضل میموری دستیاب رہے۔'' وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا ''کچھ عرصے پہلے ایسی چیکنگ کے دوران تمہاری تصاویر سامنے آئیں تو میں چونکا۔ یہ کام میں اپنے اسلام آباد کے دفتر میں کرتا ہوں۔ میں نے تم چاروں کی تصاویر کو رہنے دیا تاکہ کیمرا دوبارہ حرکت میں نہ آئے۔ بعد میں یہ بات میرے ذہن میں سے نکل گئی۔ اب تصویروں کا ذکر آیا تو مجھے وہ قصہ یاد آگیا۔ میرے دوست! میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں تمہارا بدخواہ ہوتا تو اس وقت بھی تمہیں ان تصویروں کی ہوا نہ لگنے دیتا۔''

اس کا دیا ہوا جواز معقول اور قابلِ فہم تھا۔ اپنے دل کی خلش کے باوجود میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شروع سے اس وقت تک ہم چاروں اس کی دسترس میں تھے۔ ایسے لمبے چوڑے چکروں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتا مجھے یا چاروں کو اطمینان سے داخلِ زنداں کر سکتا تھا۔

اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ میرے دل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا چور تھا جو مجھے ذرا ذرا سی بات پر اپنے ہمدردوں سے بدگمان کر دیتا تھا۔

''کیا تمہارے ننھے سے کیمرے کی لی ہوئی تصاویر پاسپورٹ اور ویزا کے لیے کارآمد ثابت ہوں گی؟'' میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

شکوک وشبہات کی دلدل سے باہر آ کر سوال کیا۔

''چھوٹے قد والے جاپانیوں نے اس ننھے سے کیمرے میں حیرتوں کی ایک دنیا سموئی ہوئی ہے۔ کیمرا جب کسی نئے چہرے کو دیکھ لیتا ہے تو خود کار طریقے سے اپنے ہدف کے چہرے کو فوکس کر کے اس کی پورٹریٹ محفوظ کر لیتا ہے۔ تصویر کو کمپیوٹر پر لے کر ہزار شعبدے دکھائے جاسکتے ہیں۔'' اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے اس کی وضاحت قبول کر لی تھی۔ وہ قدرے پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''تم لوگوں کی تصاویر صرف پاسپورٹ پر لگیں گی کیونکہ وہ ناگزیر ہیں۔ پاسپورٹ تمہاری تحویل میں رہیں گے۔ ویزا کے لیے کوئی تصویر دینے کا خطرہ مول نہیں لیا جائے گا۔''

''پھر ویزا کا کیا بنے گا؟'' میں مسئلے کا حل جاننا چاہ رہا تھا۔

''یہ تمہارا نہیں میرا دردِ سر ہے۔ تم چاروں کو کئی اہم ممالک کے ویزا کے ساتھ پاسپورٹ ملیں گے۔ ان پر تم بے دھڑک ہو کر سفر کرو گے۔''

وہ اپنی زبان سے پھسل کر کوئی غیر قانونی بات کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اس کے فقروں میں مضمر مفہوم پالیا تھا۔ خطرات سے بچنے کے لیے وہ بالا ہی بالا اپنا کام کرنا چاہ رہا تھا۔

''پاسپورٹ کب مل جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''پرسوں تم روانہ ہو جاؤ گے۔ اس سے پہلے پاسپورٹ اور ٹکٹ پہنچ جائیں گے۔ میری کوشش ہوگی کہ ویرا اور سلطان شاہ بھی پرسوں نکل جائیں۔''

''ٹکٹوں کے لیے اندازاً کتنی رقم درکار ہوگی؟''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ سیکرٹ فنڈ سے ادائیگی ہو جائے گی۔'' اس نے بے پروایانہ آواز میں جواب دیا ''بہت سے سرکاری کام انجام دینے کے بعد تمہارا اتنا حق بنتا ہے۔''

''وہ ہمارے ساتھ خوش کلامی اور نرم گفتاری سے پیش آتا تھا لیکن اندر سے خاصا سخت آدمی تھا۔ اس نے وہ خطیر رقم اپنی جیب سے ادا کرنے کی بات نہیں کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

ہماری گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ اسے یکا یک اول خان کا خیال آ گیا ''وہ تمہارا ریٹائرڈ کرنل کہاں غائب ہے۔ اس کی کوئی خیر خبر ہے۔''

''وہ میرے ساتھ موجود ہے۔'' میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اس کی لائی ہوئی خبریں وہی ہیں جو تم نے سنائی تھیں۔ اس نے وارنٹ کے اجرا کا اضافہ کیا ہے۔''

''مجھے وہ خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر تم سے اس کا ذکر نہیں کیا۔''

''رفتہ رفتہ یہ مجبوریاں میری سمجھ میں آ چکی ہیں۔ واقعاتی شہادتیں میری نشان دہی نہ کر رہی ہوتیں تو یہ نوبت نہ آتی..... اول خان کا ذکر نکلا ہے تو یہ بتا دوں کہ کل رات وہ بھی میرے ساتھ آئے گا۔''

''یہ گڑبڑ ہو جائے گی۔'' اس کی آواز تشویش آمیز ہوگئی ''کسی غلط فہمی کے نتیجے میں میرے آدمی ایس ٹی ایف کے جوانوں سے بھڑ گئے تو بہت نقصان ہوگا۔ دشمن اس بحران سے فائدہ اٹھا لے گا۔''

''اس کی فورس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ وہ اکیلا میرے ساتھ آئے گا۔''

''پھر تو وہ سر آنکھوں پر آئے!'' میری وضاحت سنتے ہی جلال کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ''مجھے خوشی ہوگی۔''

اول خان کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت جھلک رہی تھی۔ اس کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ میں نے جلال سے اس کی شمولیت کا معاملہ طے کر لیا تھا۔

''تمہیں اور ویرا کو اب گھر میں رہنا ہے۔'' جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی اول خان نے تاکید کی ''آج اور کل کا دن خیریت سے گزر جائے تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا۔''

''کل دشمن کی تباہی کا دن ہوگا۔'' ویرا نے اسے لقمہ دیا پھر مجھ سے مخاطب ہوگئی ''تمہارے اور جلال کے درمیان تصادیر کا کیا تنازع کھڑا ہو گیا تھا؟''

''میری غلطی تھی۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو گیا ہوں۔''

''اول خان اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہم لوگوں سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسے ان جزئیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ جلال سے اگلے دن کا پروگرام طے ہو گیا تھا اور اسے میرے ساتھ سوبھراج کی مزاج پرسی کے لیے جانا تھا۔

وہ رخصت ہو گیا اور میں نے خود کو ویرا کی جرح کے لیے تیار کر لیا۔

☆☆☆

میں نے غزالہ سمیت کسی سے اس مسئلے پر دوبارہ بات نہیں کی لیکن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ پورے دن رہ رہ کر مجھے پریشان کرتا رہا۔

میرے نزدیک سلطان شاہ کے رویے میں کہیں کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

ابہام نہیں تھا۔ وہ ویرا کو چڑا کر اور ستا کر خوشی محسوس کرتا تھا لیکن کہیں بھی اپنے مردانہ وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس نے کبھی ویرا کے لیے ایک خاص مفہوم میں اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ ویرا کو اور اس کی بہت سی باتوں کو پسند کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ویرا کی حد سے بڑھی ہوئی بے باکی اور بے حجابی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔

ویرا کے لیے اپنی ان راسخ عادتوں کو ترک کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اسے جوں کا توں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی طرف سے معاملہ بالکل صاف تھا۔

ویرا کا رویہ بہت عجیب اور پر اسرار تھا۔ ابتدائی ایام میں' میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھا پائی تک میں مصروف دیکھا تھا۔

دراصل ڈان مرسیانو نے خود آگاہی کے جس اصول کے تحت ویرا کو تربیت دی تھی' اس کی روشنی میں وہ اپنے حسن وشباب کی فتنہ انگیزی سے خوب واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ایک ایک حرکت کسی بھی زندہ دل مرد کے دل و دماغ میں ہلچل برپا کر سکتی تھی۔ اسے شاید سلطان شاہ کی ذات سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی خود آگاہی اس کی نسوانی انا کو ابھار کر اس درجے پر لے گئی تھی کہ وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے پسندیدگی کے اظہار کو اپنی ہتک تصور کرنے لگی تھی۔

اس کو گھمنڈ تھا کہ اس کے حسن وشباب سے سلطان شاہ خود پگھل کر موم ہو جائے گا۔ یہ نہ ہوا تو اس نے اپنے جسمانی لمس کا سہارا لیا۔ شاید اس کی دست درازیوں پر سلطان شاہ کا جوان خون اس کی کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگتا ہو لیکن اس نے کبھی ویرا کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ اپنی زبان سے مسلسل اسے چرکے لگاتا رہا۔

زبانی جنگ میں ویرا نے بھی کبھی ہار نہیں مانی۔ اس لڑائی میں وہ سلطان شاہ پر حاوی رہنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی لیکن جذباتی محاذ پر وہ رفتہ رفتہ شکست سے دو چار ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ نے کبھی اس کا دل جیتنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس خلش کے انگارے ویرا کے دل میں الاؤ کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

سلطان شاہ سے ایک شدید زبانی جھڑپ کے بعد اس کی طرف سے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ امریکا لے جانے کی پیشکش میری نگاہ میں بہت ذومعنی اور دوررس نتائج کی حامل تھی۔

اپنی تمام تر فکرمندی کے باوجود میں دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ ان دونوں کا امریکا کا سفر ان کے لیے مفاہمت اور مصالحت کا ایسا سنگ میل ثابت ہو کہ ان کے ذاتی مسائل ہمیشہ کے لیے حل ہو جائیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال سے چھٹکارا مل سکے۔

وہ دن جیسے تیسے گزرتا چلا گیا۔ گھر کی فضا میں کشیدگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ویرا امریکا جانے کے لیے اپنا رختِ سفر سینے میں مصروف رہی۔ سلطان شاہ لمبے سفر پر روانہ ہونے کے خیال سے خوش نظر آ رہا تھا۔

شام کو پانچ بجے اول خان آموجود ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ میری تلاش میں سارا دن اپنے آدمیوں کو شہر میں دوڑاتا رہا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق متعدد امریکی افسران شہر میں قانون کے محافظوں کی سرگرمیوں پر قریبی نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ مقامی حکام میری گرفتاری کے معاملے میں کتنے سنجیدہ تھے۔

اول خان کے آنے تک ہم چاروں اپنی اپنی مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے۔ صرف لنچ کے لیے چاروں کچھ دیر کے لیے میز پر یک جا ہوئے تھے پھر وہ تینوں اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ میں اپنے ذہنی بوجھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جم گیا۔

اول خان آیا تو ایک ایک کر کے سب جمع ہوتے چلے گئے۔ ابرار معاملہ فہم آدمی تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سے پہلے کچن میں جا گھسا اور چائے تیار کر کے لے آیا۔

ہم چاروں کے مجوزہ سفر سے لے کر سوبھراج اور پھر چھوٹا راجن تک کے موضوعات پر باتوں کا نہ ختم ہونے والا دلچسپ سلسلہ چل پڑا جس میں ویرا پیش پیش تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ امریکا یاترا کے لیے ایک دوسرے کا ساتھی بننے کے بعد ان کے باہمی رویے میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ بار بار مواقع آنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے سے دانستہ گریز کر رہے تھے۔

میری دانست میں وہ آغاز سفر کا ایک نیک شگون تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوبھراج کی ذات ہمارے مذکرات کا محور بنتی چلی گئی۔ اس کے بارے میں ہر ایک کا ذہن اپنی زرخیزی کی بہار دکھا رہا تھا۔ ہزار اندیشوں اور وسوسوں میں کامیابی کی بہت سی کرنیں بھی نظر آ رہی تھیں۔

چھ بجے جلال کا ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا اور سلطان شاہ کو ایک پھولا ہوا وزنی لفافہ تھما کر واپس چلا گیا۔

لفافے پر کسی کا نام درج نہیں تھا مگر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جلال نے اپنے وعدے کے مطابق ہماری سفری دستاویزات

Downloaded from https://paksociety.com

تیار کرا کے بھیج دی تھیں۔

میں نے لفافہ کھولا تو اس میں چاروں پاسپورٹوں کے ساتھ ہمارے ٹکٹ اور شناختی کارڈ بھی موجود تھے۔ میں کارڈز پر لگی ہوئی تصاویر دیکھ کر جلال کے ننھے سے اسپائی کیمرے کی افادیت کا قائل ہوگیا۔

چاروں تصاویر بہت صاف اور واضح تھیں جن سے ہر ایک کو پہلی نظر میں پہچانا جا سکتا تھا مگر چاروں نام اجنبی تھے۔

ان شناختی کارڈز کے مطابق مجھے علی احمد کا نام دیا گیا تھا۔ سلطان شاہ کو اکبر خان بنا دیا گیا تھا۔ غزالہ کو صدف علی اور ویرا کو مس رینا الیف ہیریسن کے نام دیے گئے تھے۔

بھارت کا تلخ تجربہ جلال کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہاں ابتدائی مرحلے میں پولیس افسر نے سب سے پہلے یہ نکتہ پکڑا تھا کہ ایک جوان اور دلکش عورت جو میری بیوی نہیں تھی، پاکستان سے میرے ساتھ کیوں آئی تھی اور میرے ساتھ ایک کمرے میں کیوں رہ رہی تھی۔

وہاں میرا نام مظہر خان تھا جبکہ غزالہ کا پاسپورٹ غزالہ تنویر کے اصل نام پر بنا ہوا تھا۔ اس بار جلال نے ناموں کا وہ تضاد دور کر دیا تھا۔ میں علی احمد تھا اور صدف میری بیوی۔ ہمارے فرضی ناموں کی بنا پر بنکاک میں کوئی ہم پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم ہر شک و شبے سے بالاتر ہو کر ایک ساتھ رہ سکتے تھے۔ میں جلال کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی کال آ گئی۔ وہ لفافہ مل جانے کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

''تصویریں اور سب نام بہت اچھے ہیں۔ میں ابھی تمہارا شکریہ ادا کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''ابھی تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی جیسے ہی اطلاع ملے گی، میں تم کو خبر دے دوں گا۔''

''میرے پاس ایک خبر ہے، کل سلطان شاہ کی ساری محنت رائگاں گئی۔ اس نے سوبھراج کی مرسیڈیز کا جو نمبر نوٹ کیا تھا وہ جعلی ثابت ہوا ہے۔ بہت مشکل سے سراغ ملا ہے کہ اس نمبر کی گاڑی دو سال پہلے شیر شاہ کے کباڑ خانے میں مکمل چکی ہے۔''

''سوبھراج سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اصل نمبر پلیٹ کے ساتھ کوئی بھی گاڑی لے کر شہر میں گھومتا پھرے گا۔'' وہ خیر سن کر میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی مایوسی سمٹ آئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''شہر میں کالے رنگ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں مرسیڈیز گاڑیاں ہوں گی۔ ان سب کو ایک ایک کر کے چیک کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''بظاہر یہ خبر مایوس کن معلوم ہوتی ہے لیکن میرے خیال میں اس کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ واقعات تیز رفتاری سے آگے بڑھے ہیں۔'' جلال کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''اگر وہ آج نو بجے کہیں بھی تم سے ملنے کے لیے آ جاتا ہے تو پھر ہمیں کہیں سر چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ قصہ آج ہی ختم ہو جائے گا۔''

''کاش! ایسا ہو سکے۔'' میں نے حسرت سے کہا ''میں بہت ہلکے دل کے ساتھ ملک سے باہر جا سکوں گا ورنہ سوبھراج میرے سینے کا ناسور بنا رہے گا۔''

''آخر کار اس کا انجام بہت برا ہونا ہے۔ اب تک اسے قدرت کی طرف سے ڈھیل ملی ہوئی تھی۔ کہیں نہ کہیں اس کی ڈوری کھینچ لی جائے گی۔''

اس سے میری بات ختم ہوگئی ''مرسیڈیز کے نمبر جعلی تھے!'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے پست لہجے میں کہا۔

''مجھے پہلی نظر میں شبہ ہوا تھا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

''کیا میں تمہارے شبے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''وہ دیکھنے میں تقریباً نئی گاڑی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے نمبر کی سیریز پرانی تھی۔ ٹرانسپورٹ لائن میں رہ کر مجھے نمبروں سے گاڑی کی عمر کا اندازہ لگانے کی مشق ہوگئی تھی۔'' اس نے بھی پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟ تم سلطان شاہ سے بہت ادب سے بات کر رہی ہو!'' ان دونوں کا براہِ راست مکالمہ مکمل ہو جانے کے بعد غزالہ نے ویرا سے کہا۔

''مجبوری ہے!'' ویرا نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا ''سفر لمبا ہے، کچھ عرصہ امریکا میں بھی گزارنا ہے۔ میں نے ابھی سے اکبر خان کو برداشت کرنے کی مشق شروع کر دی ہے۔''

''اب بھی وقت ہے!'' سلطان شاہ بولا ''مجھے بوجھ سمجھتی ہو تو اکیلی چلی جاؤ۔ میں تمہارے مشورے کے مطابق اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔ جلال میرا ٹکٹ واپس کر کے سرکاری رقم کھری کر لے گا۔ اچھا ہے، سرکار کی کچھ بچت ہو جائے گی۔''

''تم سراسر بوجھ ہو..... وزن کرنے کی مشین پر چڑھ جاؤ تو اس کی سوئی دو مرتبہ گھوم جائے گی۔'' ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ہر ذی روح کا کوئی نہ کوئی وزن یا بوجھ ہوتا ہے۔ دراصل میں ابھی سے تمہارا موڈ درست رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم نے امریکا پہنچ کر اپنے نخرے دکھانے شروع

Downloaded from https://paksociety.com

کردیے تو میں مشکلات سے دوچار ہو جاؤں گی۔ وہاں دور دور تک کوئی بیچ بچاؤ کرانے والا بھی دستیاب نہیں ہوگا۔''

''تم مبالغے سے کام لے رہی ہو۔'' اول خان نے ہنس کر ویرا سے کہا ''تم تینوں بھارت گئے ہوئے تھے تو اس نے میرے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ یہ بہت ذہین، دلیر اور کھرا آدمی ہے۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ اس کی کیوں نہیں بنتی۔''

''اب بننے لگے گی۔'' غزالہ بولی ''سفر و سیاحت میں اجنبی لوگ ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ تو ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہیں۔ یہاں ہم کو سنانے کے لیے لڑتے رہتے ہیں۔ ہم سے الگ ہوتے ہی ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں گے۔''

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ویرا نے سب کی نظریں بچا کر سلطان شاہ کو معنی خیز انداز میں آنکھ ماری اور وہ برا سا منہ بنا کر خاموشی سے چھت میں کوئی خرابی تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔

''ابھی سلطان شاہ سرکاری رقم کا کیا تذکرہ کر رہا تھا؟'' اول خان نے ان دونوں کو مزید کوئی موقع دیے بغیر، متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''جلال نے ہم چاروں کے ٹکٹ کسی سیکرٹ فنڈ سے بنوائے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ!'' اول خان کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''کیا تم لوگوں نے کسی فارم یا کاغذ پر دستخط بھی کیے تھے؟''

سیکرٹ فنڈ کا ذکر سن کر اول خان کے تجسس میں یکا یک اضافہ ہو چکا تھا۔ اس کے دوسرے سوال پر سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کسی نے کوئی دستخط نہیں کیے!'' میں نے جواب دیا ''کیا تمہیں اس معاملے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے؟''

''جلال اپنی صوابدید سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔'' اس نے کہا ''گڑبڑ بالکل نہیں ہوئی۔ بس میں تم لوگوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم چاروں کا سفر آئی بی کے عارضی ایجنٹوں کی حیثیت سے شروع ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ جلال تم کو اخراجات کے لیے بھی کوئی آفر دے۔''

''ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔'' ویرا بولی ''ابھی ہمارے پاس اتنی رقم محفوظ ہے کہ ہم ایسے دس سفر کر سکتے ہیں۔''

''تم ہر بات پر بلاوجہ اُچٹ جاتی ہو!'' اول خان کی آواز میں بہت ہلکی سی بزرگانہ خفگی تھی ''یہ برا ماننے کی نہیں، فخر کرنے کی بات ہے۔ مستقل عملے کے علاوہ آئی بی کسی مشن کے لیے بہت چیدہ اور گھاگ افراد کو بھی عارضی طور پر اپنے لیے منتخب کرتی ہے۔ یہ اس قدر پرکشش تقرری ہوتی ہے کہ بڑے بڑے سینئر اور ریٹائرڈ افسران اس کے چکر میں لگے رہتے ہیں اور ان کی دال نہیں گلتی۔ تم چاروں خوش قسمت ہو کہ تم بیٹھے بٹھائے آئی بی کے ایجنٹ بن گئے ہو۔''

''تم تو یہ بات نہ کہو!'' میں نے احتجاج کیا ''ہم نے کسی صلے کی تمنا کیے بغیر ان کے کاموں کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس نے بوکھلا کر وضاحت کی ''میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم کو کسی خواہش اور کوشش کے بغیر یہ انعام ملا ہے۔ اب تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تم یہاں سے معتوب ہو کر فرار نہیں ہو رہے، ایک اعزاز کے ساتھ باہر جا رہے ہو۔''

''اب بات سمجھ میں آ گئی۔'' ویرا خوش ہو کر بولی ''کاش تمہارا یہ اندازہ درست ہو!''

''میں کہتا ہوں کہ یہ سو فیصد درست ہے۔'' اول خان نے دعویٰ کیا ''آئی بی والے اپنا بلکہ عوام کا پیسا بلاوجہ خرچ نہیں کرتے۔ کہیں تم جلال کو نہ بتا دینا کہ میں نے تم کو بریف کیا ہے۔ وہ جو کچھ دے، اسے اپنا حق سمجھ کر قبول کر لینا۔''

''میں انعام کی ایک دمڑی بھی چھوڑنے کی قائل نہیں ہوں۔''

''لیکن ہمارا مشن کیا ہے؟'' سلطان شاہ نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''گرین کوبرا فائل کا حصول، سوبھراج کی سرکوبی!'' اول خان نے جواب دیا۔

''ڈینی اور غزالہ کی حد تک یہ بات درست ہے۔ ہم دونوں امریکا میں تفریح کے علاوہ اور کیا کریں گے؟'' ویرا بولی۔

''اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی اہم کام رہا ہوگا۔'' اول خان نے وثوق سے کہا ''مناسب وقت آنے پر وہ خود ہی تمہیں تفصیل سے آگاہ کر دے گا۔''

وہ بہت اہم اور نازک موضوع تھا جو غیر ارادی طور پر زیر بحث آ گیا تھا۔ اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا اور ایس ٹی ایف میں ملازمت کی وجہ سے بہت سے سرکاری اداروں کے طریقہ کار سے قریبی واقفیت رکھتا تھا۔ اسے ان امور تک بھی رسائی حاصل تھی جو عام شہریوں کی نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ اس کی کسی بات کو اس کی ذہنی اپج قرار دے کر نظر

Downloaded from https://pksociety.com